احمدیّہ

تعلیمی پاکٹ بُک

حصّہ اوّل

مُرتّبہ

قاضی محمد نذیر صاحب فاضل
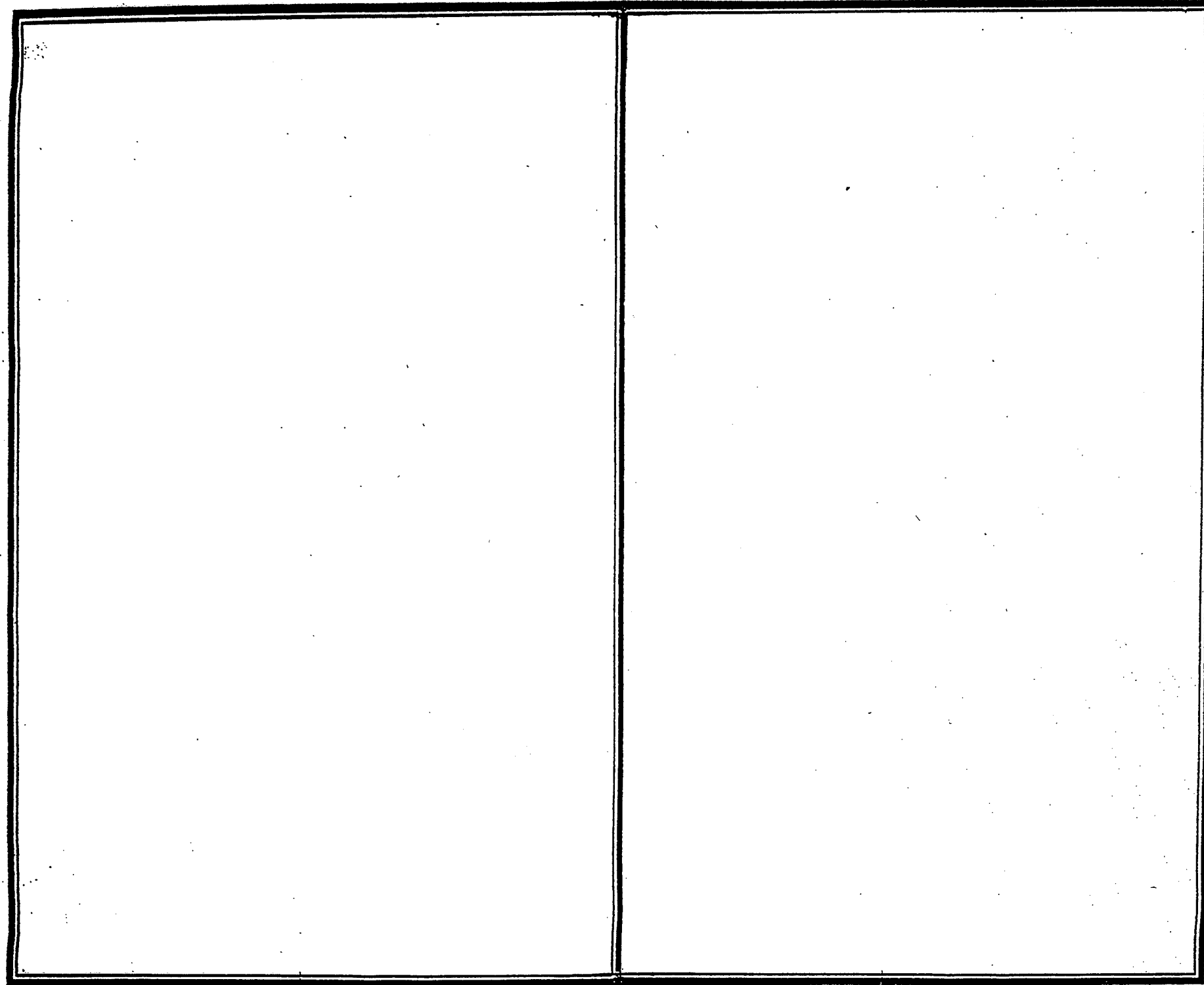
طابع :- سید عبدالحی ایم اے

مطبع :- ضیاء الاسلام پریس ربوہ

ناشر

نظارت اشاعت لٹریچر و تصنیف
صدر انجمن احمدیہ پاکستان
ربوہ

دسمبر ۱۹۷۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

جماعت احمدیہ کی علمی تربیت کے لئے احمدیہ تعلیمی پاکٹ بک حصہ اوّل شائع شدہ ۱۹۶۹ء اور حصہ دوم شائع شدہ ۱۹۷۰ء کو اکٹھا ایک جلد میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کو مرتب کرنے میں سید عبدالحی صاحب فاضل ایم اے اور مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری فاضل نے میرے ساتھ کام کیا تھا۔ اب اس کی کاپیاں قریشی محمد افضل صاحب فاضل نے دیکھی ہیں۔ غلطیوں کی دوسری پڑتال مولوی محمد صدیق صاحب ننگلی فاضل اور مولوی نصیر احمد خان صاحب فاضل اور چوہدری عبدالمالک صاحب فاضل نے میرے ساتھ مل کر کی ہے۔ اس کے دوسرے حصہ

ہیں کچھ سوالات کے جوابات کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ اور بعض جگہ ضروری تبدیلی بھی کی گئی ہے۔ ا[illegible] و نڈ اک آفسٹ چھپوایا جا رہا ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے۔ اور یہ جماعت کی تربیت کے لئے مفید ثابت ہو۔ اللّٰھم آمین۔

خادم سلسلۂ احمدیہ

قاضی محمد نذیر

ناظر اشاعت لٹریچر و تصنیف ربوہ ضلع جھنگ

۱۴/۱۲/[illegible]

فہرست مضامین

٢

مسئلہ ختمِ نبوّت

احمدیہ

تعلیمی پاکٹ بک

اوّل

مسئلہ

حیات و وفات عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام

آیات قرآنیہ سے وفات مسیح ناصری علیہ السلام کا ثبوت

وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ط قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ط إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ط تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ط إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ مَا قُلْتُ

لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ج وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ ج فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ط وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

(المائدہ : ۱۱۷ - ۱۱۸)

ترجمہ:- اور جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ بن مریم! کیا تُو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ خدا کے سوا۔ تو (عیسیٰ نے) کہا: پاک ہے تُو! نا ممکن تھا میرے لیے کہ مَیں کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا اگر مَیں نے (ایسا) کہا ہو تو تجھے معلوم ہی ہوگا تو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے اور مَیں نہیں جانتا جو تیرے نفس میں ہے یقیناً تو غیبوں کو خوب جاننے والا ہے مَیں نے اُن سے نہیں کہا مگر وہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور میں ان پر نگران تھا (اس وقت تک ہی) جب تک مَیں اُن میں موجود رہا پس جب تُو نے مجھے وفات دیدی تو تُو ہی اُن پر نگران تھا اور تو ہر چیز پر نگران ہے۔"

استدلال :-

۱- قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جواب کُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ سے ظاہر ہے کہ وہ جب تک اپنی قوم میں موجود رہے ان کی قوم نہیں بگڑی تھی کیونکہ اس وقت وہ اُن پر نگران تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توفّی کر لی تو پھر قیامت تک خدا ہی ان کی قوم کا نگران تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے بعد ان کی نگرانی نہیں کی اس بیان سے واضح ہے کہ ان کی قوم سے علیحدگی جب توفّی کے ذریعہ ہو گئی تو توفی کے بعد وہ قوم میں دوبارہ نہیں آئے ہوں گے بلکہ وہ قیامت تک قوم کے بارہ میں کوئی مشاہداتی علم نہیں رکھتے ہوں گے۔

۲- فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کے معنی ہیں جب تُو نے مجھے وفات دیدی۔

تَوَفَّیْتَنِیْ کے معنی محاورۂ عرب کے علاوہ سیاقِ کلام کے لحاظ سے بھی پورا پورا لینا مع رُوح و جسم لیکر آسمان پر اٹھا لینا درست نہیں کیونکہ توفّی کے بعد اُن کے دوبارہ قوم میں آنے کی کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ میں نفی کر دی گئی ہے پس زندہ اٹھا لینے کا جو یہ مقصد خیال کیا

جاتا ہے کہ وہ دوبارہ اصالتاً قوم میں آئیں گے اس کی کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ میں تردید موجود ہے۔ کیونکہ اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ پھر مجھے قوم کی نگرانی کا موقعہ نہیں ملا بلکہ اے خدا! پھر تو ہی ان کا نگران تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ سے اشارۃ النصّ کے طور پر یہ امر ثابت ہے کہ توفّی کے بعد وہ پھر قوم میں نہیں گئے۔ پس ان کا قوم میں دوبارہ آنا جب ناممکن قرار پایا تو ان کو زندہ رکھنے کا کیا فائدہ؟ لہٰذا اس جگہ تَوَفَّیْتَنِیْ کے صحیح اور معروف معنی (تو نے مجھے وفات دیدی) ہی ضروری ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت کے دن قوم سے توفّی کے بعد سے قیامت کے دن تک مشاہداتی لاعلمی کے متعلق یہ بیان چونکہ درست ہے کیونکہ وہ خدا کے نبی ہیں، لہٰذا ان کی وفات کی وجہ سے قوم میں دوبارہ نہ آنے اور قوم کو ان کی وفات کے بعد خدا کی نگرانی میں چھوڑ جانے کا اعتراف سچائی پر مبنی ہے خدا کا نبی کبھی یہ جھوٹ نہیں بول سکتا کہ وہ قوم میں دوبارہ اصلاح کے لیے آیا ہو مگر خدا کو یہ کہے کہ قوم سے علیحدگی کے بعد مجھے ان کی نگرانی کا موقعہ نہیں ملا۔ بلکہ وہ خدا کی نگرانی میں ہی رہے۔

۳- حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ

حضرت امام بخاری کتاب التفسیر میں زیر آیت ہذا یہ حدیث لائے ہیں:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ....

اَنَّہٗ یُجَاءُ بِرِجَالٍ مِّنْ اُمَّتِیْ فَیُؤْخَذُ بِھِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ یَارَبِّ! اُصَیْحَابِیْ فَیُقَالُ اِنَّکَ لَاتَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ "وَکُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّادُمْتُ فِیْھِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ" فَیُقَالُ اِنَّ ھٰؤُلَاءِ لَمْ یَزَالُوْا مُرْتَدِّیْنَ عَلٰی اَعْقَابِھِمْ مُنْذُ فَارَقْتَھُمْ۔ (بخاری [illegible])

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ (قیامت کے دن) میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے اور انہیں بائیں طرف (جہنم کی طرف) لے جایا جائے گا پس میں کہوں گا۔ اے

میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں"۔ تو کہا جائے گا تو نہیں جانتا کہ یہ تیرے بعد کیا کچھ کرتے رہے ہیں"۔ تو اس وقت میں اسی طرح کہوں گا جس طرح اس نیک بندے (حضرت عیسیٰؑ) نے کہا کہ "میں ان پر (اس وقت تک) نگران تھا جب تک میں ان میں موجود رہا۔ پس جب تُو نے مجھے وفات دیدی تو پھر تُو ہی ان پر نگران تھا"۔ اس پر کہا جائے گا کہ یہ لوگ تیرے بعد مرتد ہی رہے۔

استدلال:۔

جو معنی تَوَفَّیْتَنِیْ کے اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے لئے جاتے ہیں وہی معنی حضرت عیسیٰ علیہ وسلم کے بارے میں لیئے جائیں گے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی وفات کے بعد قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں بیان دینا واضح کرتا ہے کہ فلمّا توفّیتنی والا بیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی وفات کے بعد ہوا۔ اور توفی کے بعد انہیں قوم میں اصالتاً دوبارہ آنے کا موقعہ نہیں ملا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توفی کے بعد اصالتاً قوم

میں آنے کا موقعہ نہیں ملا۔

۴۔ تَوَفِّیْ کے متعلق تحقیق

جن لوگوں کو اس آیت کی تفسیر میں فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کے معنی "پورا پورا لے لیا تو نے مجھے" یعنی روح و جسم کے ساتھ قبضہ میں لے لیا تو نے مجھے کے معنوں پر اصرار ہو ان پر فرض ہے کہ وہ ایسے استعمال کی عربی زبان سے کوئی مثال پیش کریں جس میں توفّی باب تَفَعُّل کا کوئی صیغہ استعمال ہوا ہو جس کا فاعل خدا اور مفعول بہ کوئی ذی روح ہو وہاں وفات دینے یا سُلا دینے کے سوا ذی روح کے لیے قبض الجسم کا مفہوم لیا گیا ہو قرآن کریم میں تو ذی روح کے لیے توفّی کا دو معنوں میں حصر کر دیا گیا ہے :۔

۱۔ وفات دینا۔
۲۔ سُلا دینا

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ

تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی۔ (الزمر ۴۳)

ترجمہ :۔ اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور جو جان نہ مرے اسے قبض کرتا ہے اس کی نیند میں پھر وہ روکے رکھتا ہے اس جان کو جس پر اس نے موت کا فیصلہ کیا اور دوسری کو بھیج دیتا ہے مقررہ وقت تک کے لیے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ ہر جاندار کی توفّی یا موت کی صورت میں ہوتی ہے یا نیند کی صورت میں پہلا جملہ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا مثبت ہے اور دوسرا جملہ وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ منفی۔ اس طرح اثبات اور نفی کے ذریعہ ذی روح کے لیے توفّی کا دو معنوں میں حصر کر دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جس جس جان کی توفی موت کے ذریعہ نہ ہو گی اس کی توفی صرف اور صرف نیند کی صورت میں ہی ہو گی پس توفّی کے معنی بیداری میں خدا کا جاندار کے روح و جسم کا قبضہ میں لے لینا از روئے قرآن مجید درست معنی نہیں کیونکہ یہ ایسے تیسرے معنی ہوں گے جس کا استعمال ذی روح کے لیے قرآن مجید تسلیم نہیں کرتا اور سُلانے کے معنی

وہاں لیے جاتے ہیں جہاں نیند کے لیے قرینہ موجود ہو ورنہ قرآن کریم میں جہاں نیند کا قرینہ نہیں ہے وہاں ہر جگہ توفّی کے صیغے خدا کے فاعل ہونے اور انسان کے مفعول ہونے کی صورت میں وفات دینے کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ پس اس طرح توفّی کے معنی خدا کا انسان کو وفات دینا ایک قرآنی محاورہ ہے اسی محاورہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے توفّی کا استعمال ہوا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآنی محاورہ کے خلاف معنی نہیں لیے جا سکتے۔

۵۔ لغت عربی میں تَوَفَّی اللّٰہُ فُلَانًا کے معنی:۔

۱۔ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ: اِذَا قَبَضَ نَفْسَہٗ (تاج العروس)

ترجمہ:۔ اس کو اللہ نے توفی کر لیا اس وقت کہتے ہیں جب وہ اس کی جان کو قبض کرے۔

۲۔ اَلْوَفَاۃُ اَلْمَوْتُ وَتَوَفَّاہُ اللّٰہُ: قَبَضَ رُوْحَہٗ۔ (القاموس)

ترجمہ:۔ وفات کے معنی موت ہیں اور اس کو اللہ نے توفی کیا کے معنی ہیں اس نے اس کی روح قبض کر لی۔

۳۔ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ اَیْ قَبَضَ رُوْحَہٗ (صراح)

ترجمہ:۔ اللہ نے اس کو توفی کیا یعنی اس کی روح قبض کر لی۔

۴۔ تُوُفِّیَ فُلَانٌ وَتَوَفَّاہُ اللّٰہُ: اَدْرَکَتْہُ الْوَفَاۃُ۔ (اساس البلاغۃ جلد ۲ ص ۳۴۱)

ترجمہ:۔ فلاں توفّی کیا گیا اور اللہ نے اسے توفی کیا کے معنی ہیں اسے وفات نے آلیا۔

۵۔ اَلْوَفَاۃُ اَلْمَوْتُ وَتُوُفِّیَ فُلَانٌ وَتَوَفَّاہُ اللّٰہُ اِذَا قَبَضَ نَفْسَہٗ وَفِی الصِّحَاحِ اِذَا قَبَضَ رُوْحَہٗ۔ (لسان العرب)

ترجمہ:۔ وفات کے معنی موت ہیں اور فلاں توفّی کیا گیا اور اللہ نے اسے توفّی کیا تب کہتے ہیں جب وہ اس کی جان قبض کرے اور صحاح میں ہے جب وہ اس کی روح قبض کرے۔

۶۔ تَوَفَّی اللّٰہُ فُلَانًا اَیْ قَبَضَ رُوْحَہٗ (الصحاح للجوہری)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے فلاں کو توفّی کیا یعنی اسکی روح قبض کر لی۔

۷۔ اَلتَّوَفِّیْ: اَلْاِمَاتَۃُ وَقَبْضُ الرُّوْحِ وَعَلَیْہِ الْاِسْتِعْمَالُ الْعَامَّۃُ (کلیات ابی البقاء ص ۱۲۹)

ترجمہ:۔ توفی کے معنی مار دینا اور قبض روح ہیں۔ یہی معنی کا عام استعمال ہے۔

عربی لغت کی کتابوں کے ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ توفّی کے فعل کا فاعل جب خدا ہو اور انسان پر یہ فعل وارد ہو رہا ہو تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ خدا نے اس کی جان قبض کر لی یا اس کی روح قبض کر لی۔ خدا کے فاعل اور انسان کے مفعول بہ ہونے کی صورت میں قبضِ جسم کے معنوں میں یہ لفظ عربی زبان میں استعمال نہیں ہوتا۔ لہٰذا قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے جن دو مقامات میں مُتَوَفِّیْکَ اور تَوَفَّیْتَنِیْ کے الفاظ وارد ہیں چونکہ ان میں خدا فاعل اور حضرت مسیحؑ مفعول بہ ہیں لہٰذا ان دونوں جگہ توفی کے ان صیغوں کے معنی وفات دینا ہی ہیں نہ کچھ اور۔

واضح رہے کہ لغت میں تَوَفِّیْ کے معنی قَبْضُ الشَّیْءِ وَافِیًا یعنی کسی چیز کا پورا پورا لینا بھی ہیں۔ چنانچہ جب توفّی کا مفعول انسان نہ ہو بلکہ انسان کے علاوہ کوئی غیر ذی روح شئی ہو اور فاعل بھی اس کا خدا نہ ہو تو توفی کے معنی پورا پورا وصول کر لینا ہوتے ہیں جیسے تَوَفَّیْتُ مِنْہُ حَقِّیْ وَ تَوَفَّیْتُ مِنْہُ مَالِیْ۔ یعنی میں نے اس سے اپنا حق یا اپنا مال

پورا پورا وصول کر لیا ہے لیکن جب توفّی کا فاعل خدا ہو اور انسان اس کا مفعول بہ ہو جیسا کہ پہلے مذکور ہوا تو اس جگہ ہمیشہ قبض روح کے معنی ہی ہو سکتے ہیں جس کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ وفات دینا۔ ۲۔ سُلا دینا۔ مگر سلا دینے کے معنوں کے لیے قرینہ ہونا چاہیئے۔ اگر سُلا دینے کے معنوں کا قرینہ نہ ہو تو اس جگہ حتمی طور پر موت کے معنی متعیّن ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ تینوں شرطیں کہ توفّی باب تَفَعُّل سے ہو، خدا اس کا فاعل ہو اور ذی روح اس کا مفعول بہ ہو اور نیند کا قرینہ موجود نہ ہو وفات کے معنی کی تعیین کے لیے حتمی قرینہ ہیں۔ کیونکہ یہ معنی عرفی ہیں اور حقیقتِ عرفیہ کے محل پر لغوی معنی مراد نہیں ہوا کرتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اعلان

۱۔ بعض علمائے وقت کو اس بات پر سخت غلو ہے کہ مسیح ابن مریم فوت نہیں ہوا بلکہ زندہ ہی آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور حیات جسمانی دنیوی کے ساتھ آسمان پر موجود ہے اور نہایت بے باکی اور شوخی کی راہ

سے کہتے ہیں کہ توفّی کا لفظ جو قرآن کریم میں حضرت مسیح کی نسبت
آیا ہے اس کے معنے وفات دینا نہیں ہیں بلکہ پورا لینا ہے یعنی یہ
کہ روح کے ساتھ جسم کو بھی لے لینا۔ مگر ایسے معنے کرنا ان کا سراسر
افتراء ہے قرآن کریم کا عموماً التزام کے ساتھ اس لفظ کے بارہ
میں یہ محاورہ ہے کہ وہ فقط قبض روح اور وفات دینے کے معنے
پر ہر ایک جگہ اس کو استعمال کرتا ہے یہی محاورہ تمام حدیثوں
اور جمیع اقوالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا ہے۔
جب سے دنیا میں عرب کا جزیرہ آباد ہوا ہے اور زبان عربی جاری
ہوئی ہے کسی قول قدیم یا جدید سے ثابت نہیں ہوتا کہ توفّی
کا لفظ کبھی قبض روح و جسم کی نسبت استعمال کیا گیا ہو بلکہ
جہاں کہیں توفّی کے لفظ کو خدا تعالیٰ کا فعل ٹھہرا کر انسان
کی نسبت استعمال کیا گیا ہے وہ صرف وفات دینے اور
قبض روح کے معنی پر آیا ہے نہ کہ قبض جسم کے معنی پر۔ کوئی
کتاب لغت کی اس کے مخالف نہیں۔ کوئی مثل اور قول اہل
زبان کا اس کے مغائر نہیں۔ غرض ایک ذرّہ احتمالِ مخالف کی

گنجائش نہیں اگر کوئی شخص قرآن کریم یا کسی حدیث رسول اللہ
سے یا اشعار و قصائد نظم و نثر قدیم و جدید عرب سے یہ ثبوت
پیش کرے کہ کسی جگہ توفّی کا لفظ خدا تعالیٰ کے فعل ہونے کی
حالت میں جو ذوی الروح کی نسبت استعمال کیا گیا ہو وہ
بجز قبض روح اور وفات کے کسی اور معنی پر بھی اطلاق پا گیا
ہے یعنی قبض جسم کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے تو میں اللہ جلشانہ
کی قسم کھا کر اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو اپنا کوئی حصہ
ملکیت کا فروخت کر کے مبلغ ایک ہزار روپیہ نقد دونگا اور
آئندہ اسکے کمالات حدیث دانی اور قرآن دانی کا اقرار کر لونگا۔
------------ اس اشتہار کے مخاطب خاص طور پر
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ہیں جنہوں نے غرور اور تکبر کی راہ
سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ توفّی کا لفظ جو قرآن کریم میں حضرت مسیح کی
نسبت آیا ہے اس کے معنے پورے لینے کے ہیں یعنی جسم اور روح کو
بہیئت کذائی زندہ ہی اٹھا لینا اور وجود مرکب جسم اور روح میں
سے کوئی حصہ متروک نہ چھوڑنا بلکہ سب کو بہیئت کذائی اپنے قبضہ

میں زندہ اور صحیح سلامت لے لینا۔ سوائے معنی سے انکار کرکے یہ شرطی اشتہار ہے۔"

(ازالہ اوہام ایڈیشن جدید ص۲۷۵، ایڈیشن اوّل ص۹۱۸-۹۲۰)

ب۔ "ایسے شخص کو صرف یہ ثابت کرنا ہو گا کہ وہ حدیث جس کو وہ پیش کر رہا ہے یا گذشتہ عرب کے شاعروں میں سے کسی ایسے شاعر کا قول ہے جو علم محاورات عرب میں مسلم الکمال ہے اور یہ ثبوت دینا بھی ضروری ہو گا کہ قطعی طور پر اس حدیث یا اس شعر کے ہمارے دعویٰ کے مخالف معنے نکلتے ہیں ان معنوں سے جو ہم لیتے ہیں مضمون فاسد ہوتا ہے یعنی وہ حدیث اور وہ شعر ان معنوں پر قطعیۃ الدلالت ہے کیونکہ اس حدیث یا اس شعر میں اگر ہمارے معنوں کا بھی احتمال ہے تو ایسی حدیث یا ایسا شعر ہرگز پیش کرنے کے لائق نہ ہو گا کیونکہ کسی فقرہ کو بطور نظیر پیش کرنے کے لیے اس کے مخالف مضمون کا قطعیۃ الدلالت ہونا شرط ہے۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۲۱۱)

۲۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۝

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ج (آل عمران ۵۵-۵۶)

ترجمۃ:- اور ان (یہود نے) تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سے بہتر ہے جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ! میں (ہی) تجھے وفات دینے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف رفعت دینے والا ہوں اور تجھے ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا پاک کرنے والا ہوں اور بنانے والا ہوں ان لوگوں کو جنہوں نے تیری پیروی کی، غالب ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا قیامت کے دن تک کے لیے۔

استدلال:-

یہود کی تدبیر یہ تھی کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر مارے جائیں، خدا کی تدبیر ان کو صلیب سے بچانا تھی سو خدا نے انہیں اپنی تدبیر سے بچا لیا نہ کہ زندہ آسمان پر اٹھانے کا معجزہ دکھا کر کیونکہ آسمان پر زندہ اٹھا لینا دشمنوں کے مقابلہ میں

تدبیر نہیں اعجاز اور قدرت نمائی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے مفتی مصر علامہ محمود شلتوت کا مضمون "The Ascension of Jesus" (مجلة الازھر شمارہ فروری ۱۹۶۰ء)

۲- خدا تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو صلیبی موت سے بچانے کے لیے تسلی دی اور ان سے چار وعدے کئے۔

وعدۂ اوّل: میں تجھے وفات دوں گا یعنی یہودی تجھے نہیں مار سکتے۔

وعدۂ دوم: میں تجھے عزت دینے والا ہوں یعنی یہودی تجھے صلیب پر مار کر ذلیل نہیں کر سکتے بلکہ بعد وفات تو مرفوع الی اللہ ہوگا نہ کہ ملعون جیسا کہ یہودی تجھے اپنی تدبیر سے ملعون ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رہے کہ رفع، وضع کی ضد ہے وضع کے معنی ذلت اور رفع کے معنی عزت افزائی کے ہیں اس جگہ یہ لفظ رفع الروح اور رفع روحانی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے کیونکہ پہلے وفات دینے کا وعدہ ہے پھر رفع دینے کا۔

وعدۂ سوم: میں تجھے یہود کے الزامات سے پاک ٹھہراؤں گا۔

وعدۂ چہارم: میں تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک تیرے منکرین پر غلبہ دوں گا۔

یہ چاروں وعدے خدا تعالیٰ نے علی الترتیب پورے کر دیئے۔

۱- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے ہاتھ سے بچا کر خود طبعی وفات دیدی۔

۲- بعد از وفات ان کی روح کی اپنے حضور عزت افزائی کی اور ان کے مدارج کو بلند کیا۔

۳- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انکو یہودیوں کے الزامات سے پاک ٹھہرایا۔

۴- ان کی پیروی کرنیوالوں کو ان کے منکرین پر غالب کر دیا۔

علامہ زمخشری اپنی تفسیر الکشاف میں اس جگہ متوفیک کے معنوں میں لکھتے ہیں۔

اَیْ مُسْتَوْفِیْ اَجَلَکَ وَقَابِضُکَ مِنْ اَنْ یَّقْتُلَکَ الْکُفَّارُ وَمُمِیْتُکَ حَتْفَ اَنْفِکَ لَا قَتْلًا بِاَیْدِیْھِمْ۔

یعنی میں تیری عمر پوری کرنے والا ہوں اور تجھے اس طرح قبضہ میں لے لینے والا ہوں کہ کفار تجھے قتل نہ کر سکیں اور تجھے طبعی موت دینے والا ہوں نہ ان کے ہاتھوں سے قتل ہو کر موت۔

تفسیر روح المعانی میں بھی یہی معنی لکھے ہیں۔

بعض مفسرین نے اس جگہ مُتَوَفِّیْکَ کے معنی "میں تجھے وفات

دینے والا ہوں" لیکر رَافِعُکَ کے یہ معنی کئے ہیں۔ وفات دینے کے بعد تجھے زندہ کرکے آسمان پر اُٹھا لینے والا ہوں" یہ معنی درست نہیں کیونکہ وفات دینے کے بعد زندہ کرنے اور آسمان پر اٹھانے کا کوئی ذکر اس جگہ موجود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے صرف وفات دینے کے بعد اپنی طرف اٹھا لینے کا ذکر کیا ہے پس اس سے رُوح کا خدا کی طرف اٹھایا جانا اور روحانی رفع دیا جانا یعنی مزید عزّت بخشا جانا ہی مراد ہے۔ عزّت دینا اور قرب عطا کرنا ہی رفع کے متعارف معنی ہیں اور حضرت مسیحؑ کا جسمانی رفع الی اللہ تو محال ہے کیونکہ خدا تعالیٰ جہات سے پاک ہے اور رفع جسمانی خدا تعالیٰ کے ذوجہت ہونے کو چاہتا ہے اور خدا کا ذوجہت ہونا محال ہے لہٰذا اس کی طرف رفع جسمانی محال ہے۔

بعض لوگوں نے یہ کہہ کر کہ واؤ جمع کے لیے ہوتی ہے نہ ترتیب کے لیے آیت میں تقدیم و تاخیر تسلیم کی ہے یعنی رفع پہلے کیا اور وفات بعد میں دیگا اس طرح رَافِعُکَ اِلَیَّ کے معنی "مسیحؑ کو آسمان پر مع جسم اٹھانے والا ہوں" لیتے ہیں۔ یہ معنی بھی بوجوہات ذیل درست نہیں۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:-

"اِذَا اَمْکَنَ حَمْلُ الْکَلَامِ عَلٰی ظَاهِرِهٖ کَانَ

الْمَصِیْرُ اِلَی التَّقْدِیْمِ وَالتَّاخِیْرِ غَیْرَ جَائِزٍ۔" (تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۱۷۷)

کہ جب کلام کو ظاہر پر محمول کیا جا سکے تو تقدیم و تاخیر کی طرف جانا ناجائز ہوتا ہے۔

آیت ہذا میں صرف یہی بات نہیں پائی جاتی کہ اس کلام کا حمل ظاہر پر ممکن ہے بلکہ اس جگہ ترتیب کو ملحوظ نہ رکھنا امر محال ہے اگر تقدیم و تاخیر کرکے رَافِعُکَ کو پہلے رکھا جائے اور مُتَوَفِّیْکَ کو اسکے بعد رکھا جائے تو مُتَوَفِّیْکَ کے لفظ کو مُطَهِّرُكَ سے پہلے رکھنا محال ہے کیونکہ تطہیر کا وعدہ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پورا ہو چکا ہے اور حیاتِ مسیح کے قائلین کے نزدیک اس وقت تک بھی وفاتِ مسیح واقع نہیں ہوئی تھی۔

اب مُتَوَفِّیْکَ کے لفظ کو اٹھا کر جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ سے پہلے بھی نہیں رکھ سکتے کیونکہ مسیحؑ کے متبعین کو ان کے منکرین پر غلبہ بھی مل گیا اور قائلینِ حیاتِ مسیحؑ کے نزدیک ابھی تک حضرت مسیحؑ کی وفات نہیں ہوئی ...... یہ غلبہ کا وعدہ قیامت کے دن تک کے لیے ہے لہٰذا مُتَوَفِّیْکَ کو اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کے بعد رکھا جائے تو اس

کے یہ معنی ہوں گے کہ قیامت کے دن جب دوسرے لوگ زندہ ہو رہے ہوں گے اس دن حضرت مسیحؑ کی وفات ہو رہی ہوگی۔ حالانکہ قیامت کا دن دوبارہ زندگی کا دن ہے۔ نہ کسی کی موت کا۔ لہٰذا اس آیت میں ترتیب کا بدلنا محال ہے اور کلام کا حمل ظاہر پر ہی ازبس ضروری ہے۔

پس حضرت مسیحؑ کی وفات پہلے ہونے والی تھی اور رفع بعد میں لہذا اس جگہ روح کا رفع اور روحانی رفع ہی مراد ہو سکتا ہے۔

۲۔ اگر پھر بھی کوئی ترتیب بدلنے پر مُصر ہو تو واضح رہے کہ رَافِعُكَ اِلَیَّ کو پہلے رکھنے سے بھی خدا تعالیٰ کی طرف حضرت مسیحؑ کا رفع جسم مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رفع جسمی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ خدا اُوپر کی جہت میں ہو حالانکہ خدا تعالیٰ مکان اور جہت سے پاک ہے پس رفع جسم سے خدا تعالیٰ کا محدود المکان ہونا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے۔

ماسوا اس کے رفع الی اللہ کے معنی صرف خوش بختی یا خدا کا قرب دیا جانا ہوتے ہیں۔ لغت میں ہے:۔

اَلرَّفْعُ ضِدُّ الْوَضْعِ وَفِیْ اَسْمَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی اَلرَّافِعُ ھُوَ الَّذِیْ یَرْفَعُ

الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْاِسْعَادِ وَاَوْلِیَاءَہٗ بِالتَّقْرِیْبِ۔

(لسان العرب والقاموس)

کہ رفع، وضع کی ضد ہے اور اللہ کے ناموں میں سے ایک نام اَلرَّافِع (رفع دینے والا) ہے۔ یہ وہی ہے جو مومنوں کو خوش بختی اور اولیاء کو اپنا مقرب بنانے سے رفع دیتا ہے۔

انہی امور کے مدّنظر تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازیؒ نے رَافِعُكَ کے معنی لکھے ہیں:۔

وَاعْلَمْ اَنَّ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّ رَفْعَہٗ فِیْ قَوْلِہٖ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ ھُوَ الرِّفْعَۃُ بِالدَّرَجَۃِ وَالْمَنْقَبَۃِ لَا بِالْمَکَانِ وَالْجِھَۃِ۔

کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ رَافِعُكَ اِلَیَّ میں رفع درجہ اور منقبت[1] میں ہے نہ کہ مکان اور جہت میں۔

۳۔ رفع الی اللہ کے ایک معنی باعزّت وفات دینے کے بھی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

---

[1] منقبت بمعنی شان

اَكْرَمَ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ اَنْ يُّرِيَهٗ مَا يَكْرَهُ فِيْ اُمَّتِهٖ فَرَفَعَهٗ اِلَيْهِ وَبَقِيَتِ النِّقْمَةُ۔
(البیہقی بحوالہ کیلی الموفی)

کہ خدا تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یوں عزت افزائی فرمائی کہ آپ کی موجودگی میں امت کے لیے جو باتیں آپؐ کو ناپسند تھیں وہ ظاہر نہیں ہوئیں اور خدا نے آپؐ کو اپنی طرف اُٹھا لیا (باعزت وفات دی) اور موجبِ عذاب باتیں بعد میں وقوع پذیر ہوئیں۔

۴۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کے فاعل ہونے اور انسان کے مفعول ہونے کی صورت میں جہاں کہیں رفع کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں قربِ منزلت ہی مراد ہے نہ کہ جسم کا اٹھایا جانا۔

آیات قرآنیہ

ا۔ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ۔ (الاعراف: ۱۷۷)

ب۔ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔ (البقرۃ: ۲۵۴)

ج۔ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ۔ (الانعام: ۱۶۶)

د۔ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (الزخرف: ۳۳)

ہ۔ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ (الانعام: ۸۴)

و۔ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (مریم ۵۸)

ز۔ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط (المجادلہ: ۱۲)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ رفع کا صلہ جب الیٰ ہو اور خدا فاعل ہو اور مفعول انسان تو اس جگہ رفع جسمی مراد ہوتا ہے مگر یہ قاعدہ خود ساختہ ہے اس کی کوئی شہادت اور مثال عربی زبان میں موجود نہیں بحضرت انسؓ کی اوپر درج کردہ حدیث اس کی تردید کرتی ہے وہاں تینوں شرطیں موجود ہیں مگر مراد وفات کے بعد قرب پانا ہے۔

پھر آیت زیر بحث میں اِلیٰ کا لفظ موجود ہے، اَلسَّمَاء کا لفظ موجود نہیں مگر رفع الی اللہ سے مجازاً حضرت مسیحؑ کا رفع الی السماء مراد لینا بھی درست نہیں کیونکہ رفع کے بعد اگر اَلسَّمَاء کا لفظ بھی موجود ہو اور اِلیٰ کا صلہ بھی موجود ہو اور رفع کا فاعل خدا ہو اور کوئی ذی روح اس کا مفعول ہو تو عربی زبان میں اس صورت میں بھی رفع سے مراد درجہ کی بلندی ہوتی ہے نہ

کہ جسم کا آسمان پر اٹھایا جانا۔ چنانچہ حدیث نبوی میں آیا ہے۔

إِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ بِالسِّلْسِلَةِ۔ (کنز العمال جلد ۲ ص ۲۵)

ترجمۃ:۔ جب بندہ عاجزی اختیار کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اسے ساتویں آسمان کی طرف اٹھا لیتا ہے زنجیر کے ساتھ۔

اس جگہ فروتنی اختیار کرنے والے کے لیے سلسلہ وار بلند مرتبہ پانے کا ذکر ہی ہے نہ کہ ظاہری طور پر مادی جسم کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا۔

۸۔ بعض مفسرین نے آیت یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ میں ترتیب تو تسلیم کی ہے مگر انہوں نے مُتَوَفِّیْکَ کے یہ معنی کئے کہ خدا نے کہا: "میں تجھے پورا پورا قبضے میں لے لینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں" لہٰذا پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مع روح و جسم زندہ قبضہ میں لے لیا۔ اور پھر زندہ کو ہی آسمان پر اٹھا لیا۔

ہم بتا چکے ہیں کہ تَوَفِّیْ کے فعل کا جب اللہ تعالیٰ فاعل ہو اور انسان اس کا مفعول بہٖ ہو تو اس جگہ صرف قبض روح کے معنی مراد ہوتے ہیں قبض روح کی از روئے قرآن مجید دو ہی صورتیں ہیں وفات دینا اور سُلا دینا آیت زیر بحث

میں صرف وفات دینے کے معنی ہی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ سُلا دینے کے معنوں کیلئے کوئی قرینہ چاہیئے اور وہ اس جگہ موجود نہیں اور بلا قرینہ اس کے معنی سُلا دینا نہیں ہوتے۔ بلکہ خدا کے فاعل اور ذی روح کے مفعول ہونے کی صورت میں وفات دینا ہی ہوتے ہیں۔

۹۔ ماسوا اس کے جب ہر زندہ انسان ہر آن مع روح و جسم ہمیشہ خدا کے تصرف اور قبضہ میں ہے تو پھر مُتَوَفِّیْکَ کے لفظ سے حضرت مسیح علیہ السلام کو آئندہ خدا کے قبضہ میں لے لینے کا وعدہ تحصیلِ حاصل ہے کیونکہ جو چیز پہلے سے حاصل ہو اس کے متعلق یہ وعدہ کرنا کہ وہ آئندہ تمہیں حاصل ہوگی ایک لغو بات ہے۔

ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ رفع کا فاعل جب خدا ہو اور انسان اس کا مفعول ہو تو اس کے معنی اس انسان کا جسم آسمان پر اٹھا لینے کے نہیں ہوتے خواہ رفع کے ساتھ السَّمَاء کا لفظ بھی موجود ہو جو یہاں موجود نہیں بلکہ اس کے معنی خدا تعالیٰ کا اُسے بلندیٔ درجات دینا ہوتے ہیں خواہ یہ درجات زندگی میں حاصل ہوں یا مرنے کے بعد حاصل ہوں۔ ہاں رفع کی تکمیل بعد از وفات ہی ہوتی ہے۔

پس مُتَوَفِّیْکَ کے بعد رَافِعُکَ اِلَیَّ کا وعدہ صرف یہ مفہوم رکھتا ہے کہ خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وعدہ سے تسلی دی کہ یہودی

تمھیں صلیب پر مار نہیں سکتے۔ میں تمھیں طبعی وفات دوں گا اور تمہاری روح کا رفع کروں گا اور تمہارے درجات اپنے حضور بلند کروں گا۔

۳۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَّمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ (النحل: ۲۱-۲۲)

ترجمۃ:- اور (اللہ کے سوا) جن معبودان باطلہ کو وہ پکارتے ہیں وہ کچھ (بھی) پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں (وہ سب) مُردے ہیں نہ کہ زندہ اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کب (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔

استدلال:-

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت خدا تعالیٰ کے سوا جن لوگوں کی پرستش ہو رہی تھی انہیں اَمْوَاتٌ کہکر مُردہ قرار دیا گیا ہے اور غَيْرُ اَحْيَآءٍ کہکر ایسے مُردے قرار دیا جو زندہ نہ ہوں یعنی درحقیقت وفات پا چکے ہوں اور مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ کہکر یہ ظاہر کیا کہ اب وہ

قیامت کو دوبارہ زندہ ہوں گے، لیکن انہیں علم نہیں کہ قیامت کب ہوگی۔

چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام اور اُن کی والدہ کی اُس وقت پرستش کی جا رہی تھی لہٰذا وہ دونوں اَمْوَاتٌ میں داخل ثابت ہوئے اور وفات یافتہ قرار پائے اگر حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہوتے تو یہ محل تھا کہ ان کا اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ کے بعد اِلَّا عِیْسٰی کہکر استثناء کیا جاتا یعنی عیسٰی کے سوا باقی جن کی پرستش کی جاتی ہے مُردہ ہیں زندہ نہیں، لیکن اس استثناء کا موجود نہ ہونا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ میں داخل ہیں۔ پس یہ آیت بھی ان کی وفات پر روشن دلیل ہے۔

۴۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ۔ الآیۃ (آل عمران: ۱۴۰)

ترجمۃ:- اور نہیں ہیں محمدؐ مگر اللہ کے رسول۔ ان سے پہلے سب رسول گزر چکے ہیں اگر وہ مر جائیں یا قتل ہوں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟

استدلال:- اس جگہ سب رسولوں کے گزر جانے سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلعم سے پہلے آنے والے تمام رسول وفات پا چکے ہیں کوئی ان میں سے زندہ نہیں۔

اَفَاِئْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ میں گزرنے کے دو ہی طریق بیان کئے گئے ہیں۔ موت اور قتل کیا جانا آیت وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کیا جانے یا صلیب پر مارا جانے کی نفی کی گئی ہے پس ان کے لیے طبعی موت پانا ثابت ہوا۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کے بعد اِلَّا عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ کہکر ان کا استثناء کیا جاتا۔ تا یہ استدلال ہو سکتا کہ وہ زندہ ہیں اور ان کے سوا باقی نبی گزر چکے ہیں۔

منطقی لحاظ سے اِس آیت میں دلیلِ استقرائی سے کام لیا گیا ہے اور یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ جب پہلے تمام نبی وفات پا چکے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر معمولی عمر پانا ناممکن ہے اگر کوئی ایک رسول بھی آپؐ سے پہلے غیر معمولی عمر پانے والا ہوتا تو یہ دلیل استقرائی استقراء ناقص کی وجہ سے ظنّی ہو کر کمزور ہو جاتی اور خدا تعالیٰ کی دلیل چونکہ نقص سے پاک ہوتی ہے اور کمزور نہیں ہوتی اس لیے اس جگہ استقراء تام مراد ہوگا اور اَلرُّسُلُ کے لفظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے تمام رسول مراد ہوں گے گویا اَلرُّسُلُ کا "اَل" استغراقِ عرفی کے لیے قرار پائے گا۔

خَلَا فُلَانٌ کے معنی لغت میں لکھے ہیں:-

۱۔ خَلَا فُلَانٌ : اِذَا مَاتَ (لسان العرب)
خَلَا فُلَانٌ کے معنے ہیں وہ مرگیا۔

۲۔ خَلَا الرَّجُلُ : اَیْ مَاتَ (اقرب الموارد)
خلا الرّجلُ کے معنی ہیں آدمی مرگیا۔

۳۔ خَلَا فُلَانٌ : اَیْ مَاتَ (تاج العروس)
خلا فلانٌ کے معنی ہیں وہ مرگیا۔

قرآن کریم میں قَدْ خَلَتْ کا استعمال بغیر الیٰ کے صلہ کے جن لوگوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے وہاں ان کے گزر جانے سے ان کا وفات پا جانا اور اس دنیا میں دوبارہ اصالتاً نہ آنا ہی مراد ہے۔

آیات قرآنی میں خَلَا کا استعمال:-

۱۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ (البقرۃ: ۱۳۵)

۲۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا اُمَمٌ (الرعد: ۳۱)

۳- فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ (الاحقاف: ۱۹)

۴- سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (الاحزاب: ۳۹)

۵- وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ الاٰیۃ (النور: ۵۶)

ترجمۃ: اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور نیک عمل کئے کہ وہ ان کو زمین میں خلافت عطا کریگا جیسے ان سے پہلوں کو عطا کی اور وہ ان کیلئے ان کے اس دین کو جو اللہ نے ان کے لیے پسند کیا ہے تمکنت دیگا اور وہ ضرور انکے خوف کی حالت کو امن کی حالت سے بدل دیگا۔

استدلال: - اس آیت سے ظاہر ہے کہ اس امت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہونے کا شرف ان لوگوں کو ملے گا جو پہلے امت میں سے ایمان لا کر اعمالِ صالحہ

بجا لائیں۔ پھر ایسے خلیفہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اسلام سے پہلے گزرے ہوئے خلفاء میں سے کسی کے مشابہ ہو جس پر کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کے الفاظ واضح دلالت کر رہے ہیں۔

عیسیٰ موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلَا اِنَّهٗ خَلِيْفَتِيْ فِيْ اُمَّتِيْ (طبرانی) کہکر امت میں اپنا خلیفہ قرار دیا ہے لہٰذا حضرت عیسیٰ بن مریم کے اصالتاً نازل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بننے میں یہ آیت روک ہے کیونکہ اس میں مشبّہ اور مثیل کے آنے کا وعدہ ہے نہ کہ پہلے خلفاء میں سے کسی کا جو مشبّہ بہ ہو۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اصالتاً آجائیں تو مشبّہ اور مشبّہ بہ کا عین ہونا لازم آتا ہے کیونکہ اس صورت میں خود عیسیٰ بن مریم کو عیسیٰ بن مریم کے مشابہ قرار دینا پڑتا ہے اور یہ محال ہے۔

پس پیشگوئیوں میں خبر مثیلِ عیسیٰ کے آنے کی تسلیم کرنی پڑے گی اور اصل عیسیٰ کو وفات یافتہ ماننا پڑے گا۔

۶- اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (الفاتحہ)

ترجمہ: - (اے اللہ) تو دکھا ہم کو سیدھا راستہ۔ راستہ ان لوگوں کا

جن پر تو نے انعام کیا۔ نہ انکا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔

استدلال :۔ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھائی ہے پس یہ دعا آپؐ کے حق میں اور آپؐ کی اُمت کے حق میں ضرور قبول ہوئی۔ اگر یہودیوں کے منصوبہ کے مقابلہ میں کہ حضرت مسیحؑ کو قتل کیا جائے یا صلیب دیا جائے خدا تعالیٰ نے انہیں زندہ خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیا ہوتا تو پھر خدا تعالیٰ ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس وقت زندہ آسمان پر اٹھا لیتا جب مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ یہ محال ہے کہ ایک دعا اللہ تعالیٰ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھائے اور پھر اسے قبول نہ کرے پس چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا معاملہ نہیں ہوا اس لیے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ایسا معاملہ نہیں ہوا تھا گویا نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو ہزار سال سے آسمان پر خاکی جسم کے ساتھ زندہ موجود ہیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سو سال سے آسمان پر خاکی جسم کے ساتھ زندہ موجود ہیں پس جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے ہاتھ سے بچا کر خدا تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں ہجرت کروا کر عزت دی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کشمیر میں ہجرت کروا کر عزت دی۔ بموجب آیت قرآنیہ

جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَا

اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ (المومنون: ۵۱)

ترجمہ :۔ یعنی ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو نشان بنایا اور ان دونوں کو ایک بلند زمین آرام والی اور چشموں والی میں پناہ دی۔

۷۔ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۙ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۙ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۙ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۠ (بنی اسرائیل: ۹۲:۹۴)

ترجمہ :۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز تیری کوئی بات نہیں مانیں گے جب تک ایسا نہ ہو کہ تو ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کرے۔ یا تیرا

کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو اور تو اس کے اندر نہریں جاری کرے یا جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرائے یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لاکھڑا کرے یا تیرا سونے کا کوئی گھر ہو یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے (آسمان پر) چڑھ جانے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے جب تک تو (اوپر جاکر) ہم پر کوئی کتاب نہ اتارے جسے ہم خود پڑھیں تو (انہیں) کہہ کہ میرا رب (ایسی بے ہودہ باتوں کے اختیار کرنے سے) پاک ہے میں تو صرف بشر رسول ہوں۔

استدلال: ۔ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مندرجہ بالا خود تجویز کردہ معجزات طلب کئے۔ آخری مطالبہ انکا یہ تھا کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے ان پر کتاب اتاریں۔ خدا تعالیٰ نے ان مطالبات کے جواب میں فرمایا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا کہ اے رسول! تو ان سے کہہ دے کہ خدا ہر عیب سے پاک ہے اور میں صرف ایک بشر رسول ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی بشر خاکی جسم کے ساتھ جیسا کہ کفار کا مطالبہ تھا آسمان پر نہیں چڑھ سکتا اور اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ کسی بشر کو خاکی جسم کیساتھ آسمان پر لے جائے اور پھر اسکے ذریعہ کتاب اتارے۔

حضرت مسیح بھی چونکہ بشر رسول تھے اسلئے انکا بھی خاکی جسم کیساتھ آسمان پر جانا محال ہے۔

اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ معراج نبوی ایک روحانی اور کشفی سیر تھا صحیح بخاری جلد ۴ کی روایت وَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (کہ آپ کی غنودگی جاتی رہی اور آپ مسجد حرام میں تھے) بھی اس بات پر روشن دلیل ہے کہ معراج نبوی ایک روحانی امر تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر کبیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ۔ سورۃ بنی اسرائیل۔

۸۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (آل عمران: ۸۲)

ترجمہ: ۔ اور جب خدا نے نبیوں کا عہد لیا کہ جو بھی کتاب اور حکمت میں تمہیں دوں پھر تمہارے پاس کوئی ایسا رسول آئے جو اس کلام کو پورا کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور ہی اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا اور فرمایا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف

سے ذمہ داری قبول کرتے ہو اور انہوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں
فرمایا اب تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں

استدلال :- اس آیت کے دو معنی کئے جاتے ہیں۔ اوّل یہ کہ تمام نبیوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد لیا گیا۔ دوم یہ کہ ہر پہلے نبی سے پچھلے نبی پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا۔

یہ عہد انبیاء سے ان کی قوموں کے لیے لیا گیا کہ وہ اپنی قوموں کو ہدایت کر جائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آئندہ آنے والے نبی پر ایمان لائیں اور اس کی نصرت کریں۔ کیونکہ نبی بوجہ امام ہونے کے قوم کا بھی نمائندہ ہوتا ہے اگر عہد کرنے والا نمائندہ خود موجود ہو تو اس کا اور اس کی قوم کا یہ اخلاقی اور شرعی فرض ہوتا ہے کہ اس عہد کی پابندی کریں اوپر کے دونوں معنوں کے لحاظ سے یہ امر واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کرنے کا ضرور عہد لیا گیا۔ پس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو اس عہد کے مطابق جو ان سے اللہ نے لیا تھا ان کا فرض تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں شامل ہو کر آپؐ کی مدد کرتے اور خدا کے لیے جس نے عہد لیا تھا یہ واجب تھا کہ وہ انہیں ضرور نصرت کے لیے بھجوا دیتا چونکہ وہ کسی

غزوہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ شامل نہیں ہوئے اس لیے یہ امر ان کے وفات یافتہ ہونے پر روشن دلیل ہے ورنہ معاذ اللہ انہیں بدعہد ماننا پڑیگا جو محال ہے اگر یہ کہا جائے کہ انہیں خدا تعالیٰ نے روک رکھا تھا تو پھر خدا پر الزام آتا ہے کہ نصرت کا عہد لینے کے بعد جب کہ ضرورتِ حقّہ موجود تھی اس نے مسیح کو کیوں روک رکھا۔

دوسرے انبیاء تو غزواتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس لیے شامل نہیں ہوئے کہ وہ وفات یافتہ تھے پس عیسیٰ علیہ السلام کے شامل نہ ہوسکنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ وہ بھی وفات [یافتہ]

اُن آیات کی تفسیر جن سے حیاتِ مسیح پر استدلال کیا جاتا ہے

(۱)

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ
مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ ج وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا
صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط وَإِنَّ الَّذِينَ
اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ ط مَا لَهُمْ
بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج وَمَا قَتَلُوهُ
يَقِينًا لا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ط وَكَانَ اللَّهُ

عَزِيْزًا حَكِيْمًا ٥ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ٥ (النساء ۱۵۸ : ۱۶۰)

ترجمہ:- اور ان کے اس قول کے سبب (انہیں سزا ملی) کہ یقیناً ہم نے قتل کر دیا ہے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو حالانکہ نہ انہوں نے اُسے قتل کیا اور نہ انہوں نے اسے صلیب پر لٹکا کے مارا بلکہ وہ ان کے لیے مقتول و مصلوب کے مشابہ بنایا گیا اور جن لوگوں نے اس معاملہ میں اختلاف کیا ہے وہ ضرور اس معاملہ میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں اس کے متعلق کوئی علم نہیں بجز وہم کی پیروی کے اور انہوں نے اسے یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنے حضور رفعت دی ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے اور اہل کتاب میں سے کوئی بھی نہیں مگر وہ اس واقعہ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لاتا رہے گا اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا۔

تفسیر:- یہودیوں نے یہ کہا تھا کہ بے شک ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ

کو قتل کر دیا ہے یہ فقرہ ان کا بطور طنز و تحقیر کے تھا کیونکہ وہ عیسیٰ بن مریم کو نہ مسیح مانتے تھے نہ رسول اللہ بلکہ اُن کی مراد یہ تھی کہ عیسیٰ بن مریم جو مسیح اور رسول اللہ بنا بیٹھا تھا اسے ہم نے مار ڈالا ہے کیونکہ وہ (معاذ اللہ) مفتری تھا اور تورات میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کی یہی سزا ہے۔ (استثناء باب ۱۳: آیت ۵)

بعض یہودی یہ کہتے تھے کہ مسیح کو سنگسار کر کے بعد میں صلیب پر لٹکایا گیا اور بعض یہ کہتے تھے کہ مسیح کو صلیب پر لٹکا کر مار دیا گیا ہے اور عیسائی بھی اسی دوسرے عقیدہ پر قائم ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کہکر مطلق قتل کیا جانے کی بھی تردید کر دی اور صلیب پر مارا جانے کی بھی تردید کر دی اور فرما دیا کہ یہودیوں نے نہ مسیح کو قتل کیا ہے نہ صلیب پر مارا ہے لیکن وہ ان کیلئے مقتول اور مصلوب کے مشابہ کئے گئے ہیں یعنی یہودیوں نے غلطی سے سمجھ لیا ہے کہ وہ مار ڈالے گئے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی موت واقع نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ یہودیوں کے لیے بوجہ غشی، مُردہ کے مشابہ دکھائی دیئے اور ان کی غشی سے انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ اُن کی موت واقع ہو گئی ہے اور پھر وہ ان کے مار ڈالنے کو یقینی کیسا تحذ بیان کرنے لگ گئے۔

واضح ہو کہ شُبِّهَ لَهُمْ جملہ فعلیہ خبریہ ہے اس میں شُبِّهَ فعل ماضی مجہول ہے جس کا اسناد سیاقِ کلام کے لحاظ سے یا مسیح کی طرف ہو سکتا ہے یا

قتل وصلب کے معاملہ کی طرف یعنی شُبِّہَ کی ضمیر واحد غائب مستتر یا حضرت مسیح کی طرف پھرتی ہے یا واقعۂ قتل کی طرف تیسرا کوئی امر یا شخص مذکور نہیں جو اس ضمیر کا مرجع بن سکے۔

دونوں صورتوں کا مآل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے قتل کا معاملہ یہود پر مشتبہ ہو گیا پہلی صورت میں تقدیر کلام وَلٰکِنْ شُبِّہَ الْمَسِیْحُ لَھُمْ ہو گی اور اس صورت میں مسیح مشبّہ ہوگا اور مطلق مقتول و مصلوب نہ کہ کوئی معیّن مقتول و مصلوب مشبّہ بہ اور دوسری صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی شُبِّہَ اَمْرُ الْقَتْلِ وَالصَّلْبِ لَھُمْ کہ قتل کئے جانے اور صلیب دیئے جانے کا معاملہ یہودیوں پر مشتبہ ہوگیا اور انہوں نے غیر مقتول اور غیر مصلوب کے مقتول و مصلوب ہونے کا گمان کر لیا۔

ایک غلط توجیہہ
بعض مفسرین نے جن میں مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی بھی شامل ہیں یہ توجیہہ کی ہے کہ شُبِّہَ لَھُمْ کے یہ معنی ہیں کہ کوئی اور آدمی مسیح کا ہم شکل اور مشابہ بنا دیا گیا اور اسے مقتول و مصلوب کر دیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نے زندہ آسمان پر اٹھا لیا اس تفسیر کے درست ہونے کے متعلق ان کی دلیل یہ ہے کہ ولٰکن سے پہلے اگر منفی جملہ آئے تو پہلے جملہ کا مثبت فعل ولٰکن کے بعد محذوف ماننا پڑیگا اور اس صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی ما قتلوہ وما صلبوہ ولٰکن قتلوا وصلبوا من

شُبِّہَ لَھُمْ (ملاحظہ ہو ان کی تصنیف شہادۃ القرآن ص۵) اس توجیہہ کا ترجمہ مولوی صاحب نے یوں لکھا ہے کہ "لیکن انہوں نے اس شخص کو قتل کیا اور صلیب پر چڑھایا جو ان کے لیے مسیح کے مشابہ بنایا گیا تھا"

توجیہہ کی تردید
مولوی صاحب کی یہ توجیہہ اور ان کے ساتھ بعض مفسرین کی اسی قسم کی توجیہات صرف اس وجہ سے ہیں کہ انہوں نے یہ عقیدہ اختیار کر رکھا تھا کہ نہ صرف یہ کہ مسیح کی موت صلیب پر واقع نہیں ہوئی بلکہ وہ صلیب پر چڑھائے بھی نہیں گئے اور اس روایت کو قبول کر لیا جو پرانے معدوم عیسائیوں کے ایک [illegible] (یعنی) مسیح کی جگہ دوسرا شخص شمعون قرینی یا یہوداہ اسکریوطی مسیح کا ہمشکل ہونے کی وجہ سے صلیب دیا گیا اور حضرت مسیح درمیان سے غائب ہوگئے اس روایت کی توثیق کسی حدیث نبوی یا مرفوع متصل سے نہیں ہوتی یہ روایت محض جعلی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر حضرت مسیح کو خدا نے بقول مولوی محمد ابراہیم صاحب آسمان پر زندہ اٹھا لیا ہوا تو پھر اللہ تعالیٰ کو کسی دوسرے شخص کو مسیح کا ہمشکل بنا کر صلیب دلوانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس طریق کے اختیار کرنے سے یہودی ہمیشہ کی گمراہی میں مبتلا رہ سکتے تھے کیونکہ انسان شکل ہی سے پہچانا جا سکتا ہے جب حضرت مسیح کی شکل دوسرے شخص کو دی گئی تو پھر خدا تعالیٰ نے خود ہمیشہ کے لیے یہود کی گمراہی کا سامان کیا کہ وہ کہتے رہیں کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم

کو مار ڈالا ہے ایسی چال خدا کی شان کے منافی ہے اگر خدا تعالیٰ نے بالفرض حضرت مسیحؑ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا ہوتا تو پھر وہ انہیں لوگوں کے دیکھتے ہوئے ان کے درمیان سے آسمان پر اٹھا لیتا تا یہ معجزہ دیکھکر یہود ایمان لے آتے اور کسی دوسرے شخص کو حضرت مسیحؑ کا ہمشکل بنا کر صلیب دینے کی ضرورت نہ ہوتی جس سے یہود کو حضرت عیسیٰ بن مریم کے مصلوب ہونے کا یقین پیدا ہوتا پھر اگر دوسرا شخص حضرت مسیحؑ کا ہمشکل بنا کر صلیب پر چڑھا دیا جاتا تو وہ اور اس کے اقرباء ضرور شور کرتے کہ وہ تو عیسیٰ نہیں۔ پھر وہ مارا بھی جاتا تو منظم رومی حکومت میں شور پڑ جاتا کہ اصل مجرم کی جگہ حکومت کے کارندوں نے دوسرا آدمی مار ڈالا ہے اور مقتول و مصلوب کے ورثاء حکومت سے اپیل کرتے اور تحقیقات پر حقیقت کھل جاتی کہ بے گناہ انسان مارا گیا ہے۔ حکومت کے کارندوں کو حکومت سزا دیتی اور وارثوں کو تاوان اور یہودیوں کا یہ شبہ مٹا دیا جاتا کہ حضرت عیسیٰؑ مقتول و مصلوب ہوئے۔ پھر اسرائیلیوں کی ایسی روایات میں بھی اختلاف ہے بعض شمعون قرینی کا صلیب دیا جانا بتاتے ہیں اور بعض یہوداہ اسکریوطی کا پس یہ خیال نہایت کمزور، باطل بلکہ سٹنٹ ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے مسیح علیہ السلام کے واقعہ صلیب کے متعلق ایسے ہی تمام اختلافات کے پیش نظر وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کے بعد خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ط

مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج

کہ یقیناً جن لوگوں نے بھی مسیحؑ کے قتل اور صلیب کے واقعہ میں اختلاف کیا ہے (خواہ یہ کہا کہ وہ مقتول ہوئے یا یہ کہا کہ وہ صلیب پر مارے گئے یا یہ کہا کہ کوئی دوسرا شخص ان کا ہمشکل مصلوب ہوا) وہ سب اصل واقعہ سے شک میں مبتلا ہیں۔ انہیں اس کا (یعنی اصل حقیقت کا) علم نہیں ہے وہ صرف ظن کی پیروی کر رہے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے مَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ لکھکر اس کے بعد معاملہ کو یہود پر مشتبہ قرار دیکر صاف طور پر بتا دیا ہے کہ یقینی بات یہی ہے کہ مسیحؑ کو قتل و صلیب سے بچا لیا گیا ہے اور اس واقعہ کے متعلق جسقدر بھی اختلافات ہیں جن سے لوگوں پر حضرت مسیحؑ کا معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے وہ محض اٹکل پچو خیالات کا نتیجہ ہیں ان کی بنیاد کسی یقینی بات پر نہیں۔ گویا یہودیوں اور عیسائیوں کے تمام اختلافات کو اس آیت کے ذریعہ مردود قرار دیا گیا ہے کہ مسیحؑ کی موت واقع ہو گئی یا کوئی دوسرا آدمی اُن کا ہمشکل صلیب پر مارا گیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مَا قَتَلُوهُ يَقِينًا کہہ کر مسیحؑ کے مارا جانے کے بارہ میں یہودیوں وغیرہ کے خیالات کو قطعاً غلط قرار دیدیا ہے۔ ما قتلوہ یقیناً کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ اوّل یہ کہ یہودیوں نے مسیحؑ کو یقیناً قتل نہیں کیا اس جگہ یہ نہیں کہا کہ انہوں نے

کسی دوسرے شخص کو قتل کیا ہے یہ معنی لفظ قتل کے حقیقی معنی کے لحاظ سے ہیں، لیکن اس آیت میں قتل کے مجازی معنی بھی مراد لیے گئے ہیں یعنی پورے طور پر جاننا چنانچہ مفردات راغب میں لکھا ہے۔

مَاقَتَلُوْہُ یَقِیْنًا اَیْ مَا عَلِمُوْا کَوْنَہٗ مَصْلُوْبًا عِلْمًا یَقِیْنًا۔

"یعنی حضرت مسیح کے مصلوب ہونے کو انہوں نے یقینی علم کیساتھ نہیں جانا۔"

یہ معنی بھی اختلافات کے وہم ہونے پر بطور دلیل موزوں معنی ہیں

اب رہ گئی یہ بات کہ مولوی ابراہیم صاحب کا یہ قاعدۂ نحو اس جگہ کیوں چسپاں نہیں ہو سکتا، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ منفی جملہ کے بعد جب وَلٰکِن آجائے تو پہلے فعل اد مثبت صورت میں اس وقت محذوف مانا جاتا ہے جبکہ اس کے بعد جملہ خبریہ نہ ہو بلکہ مفرد ہو یا مرکب ناقص ہو یا ایسا جملہ ہو جو بحکم مفرد ہو جیسے جملہ انشائیہ مقولہ کے طور پر واقع ہو۔

مولوی صاحب کی استشہاد میں پیش کردہ مثالیں یہ ہیں:۔

۱۔ مَا قَامَ زَیْدٌ وَلٰکِنْ عَمْرٌو میں (وَلٰکِنْ قَامَ عَمْرٌو)

۲۔ مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ میں (وَلٰکِنْ کَانَ رَسُوْلَ اللّٰہِ)

ان دونوں مثالوں میں واقعی مولوی صاحب کا پیش کردہ قاعدہ جاری ہے، کیونکہ پہلی مثال میں عَمْرٌو مفرد ہے اور دوسری مثال میں رَسُوْلَ اللّٰہِ مرکب اضافی ہے جو خود جملہ نہیں اسلئے پہلی مثال میں فعل قَامَ محذوف ہوگا اور دوسری مثال میں کَانَ فعل محذوف۔

لیکن وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ میں شُبِّہَ لَھُمْ جملہ خبریہ ہے لہٰذا ان دو مثالوں پر جو قاعدہ چسپاں ہے وہ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ پر چسپاں نہیں ہوتا۔

مولوی صاحب نے تیسری مثال قرآنی آیت مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَہُ اللّٰہُ الْکِتَابَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبَّانِیّٖنَ۔ (آل عمران: ۸۰) دی ہے اور وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبَّانِیّٖنَ کی تقدیر عبارت وَلٰکِنْ یَّقُوْلُ کُوْنُوْا رَبَّانِیّٖنَ لکھی ہے۔

اس جگہ بے شک وَلٰکِنْ کے بعد یَقُوْلُ فعل مقدر ماننا پڑتا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ کُوْنُوْا رَبَّانِیّٖنَ جملہ خبریہ نہیں بلکہ جملہ انشائیہ بصورت امر ہے کہ تم ربانی بن جاؤ۔ اسلئے اس سے قبل یَقُوْلُ فعل کا مقدر ماننا ضروری ہے اور یہ جملہ یَقُوْلُ کا مقولہ بن کر مفعول بہ ہو کر مفرد کے حکم میں ہے اور جملہ خبریہ نہیں۔

ماسوا اس کے وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ کی تقدیر کلام وَلٰکِنْ قَتَلُوْا وَصَلَبُوْا مَنْ شُبِّہَ لَھُمْ اس لیے بھی جائز نہیں کہ اس میں ایک لفظ مَنْ داخل کیا گیا ہے جس کو قَتَلُوْا وَصَلَبُوْا کا مفعول بنا کر مشبّہ قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن شریف میں اس جگہ کسی دوسرے آدمی کا ذکر نہیں صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن مجید نے ہماری پہلی توجیہہ کے لحاظ سے مشبّہ قرار دیا ہے نہ کہ مشبّہ بہٖ۔ قرآن مجید کے پیش کردہ مشبّہ کو مشبّہ بہٖ بنا دینا اور وہ بھی ایسے آدمی کو جس کا کوئی ذکر قرآن مجید میں موجود نہیں قرآن مجید کی معنوی تحریف کے مترادف ہے۔

قرآن کریم میں جن آیات میں وَلٰکِنْ کے بعد جملہ خبریّہ استعمال ہوا ہے ان میں پہلے منفی فعل کو وَلٰکِنْ کے بعد مثبت صورت میں محذوف نہیں مانا جاتا ذیل میں تین مثالیں دی جاتی ہیں

۱۔ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ (الشوریٰ : ۵۳)

اس آیت میں لٰکِنْ کے بعد جملہ خبریّہ مذکور ہے اور اس میں وَلٰکِنْ کے بعد كُنْتَ تَدْرِيْ محذوف نہیں مانا جاتا۔

۲۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ۔ (البقرۃ : ۲۵۴)

اس آیت میں بھی وَلٰکِنْ کے بعد اِخْتَلَفُوْا جملہ فعلیہ خبریّہ ہے۔ اس لیے وَلٰکِنْ کے بعد اِقْتَتَلَ کا فعل محذوف نہیں مانا جا سکتا۔

۳۔ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَجُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (حٰم السجدۃ : ۲۳)

اس آیت میں بھی وَلٰکِنْ کے بعد جملہ خبریّہ ہے۔ اس لیے وَلٰکِنْ کے بعد كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ کو محذوف نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اگر مولوی ابراہیم صاحب کا پیش کردہ قاعدۂ نحوی وَلٰکِنْ کے بعد جملہ خبریّہ آنے کی صورت میں پہلے منفی فعل کو وَلٰکِنْ کے بعد مثبت رنگ میں محذوف ماننا جائز ہوتا تو مندرجہ بالا تینوں قرآنی امثلہ میں بھی یہ قاعدہ جاری ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا طریق یہ ہے کہ اگر وہ وَلٰکِنْ سے پہلے منفی فعل استعمال کرے اور پھر وَلٰکِنْ اس جگہ استدراک کی خاطر اپنے بعد اس فعل کے مثبت صورت میں استعمال کا تقاضا کرے اور اس طرح وَلٰکِنْ کے بعد ایک جملہ فعلیہ کا تقاضا ہو تو پھر خدا تعالیٰ وَلٰکِنْ کے بعد مثبت فعل کو مقدر نہیں رکھتا بلکہ اس

کالفظاً ذکر کرتا ہے ایسے فعل کو مقدر وہاں کیا جاتا ہے جہاں وَلٰکِنْ کے بعد مفرد لایا جائے یا ایسا مرکب جو مفرد کے حکم میں ہو نہ کہ خود جملہ خبریہ ہو۔

۲- بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النساء: ۱۵۸)

یہودی اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ کہکر یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ چونکہ عیسیٰ (علیہ السلام) کو ہم نے قتل کر دیا ہے اس لیے وہ بموجب تورات دعویٰ نبوت میں مفتری تھا۔ جو گروہ مسیح کے مصلوب ہونے کا قائل تھا وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ یہودی علماء کے فتویٰ پر صلیبی موت سے مرنے والا خدا کا ملعون ہوتا ہے۔ چونکہ ملعون خدا سے دُور ہوتا ہے لہٰذا اس کے مرنے کے بعد خدا کی طرف اس کا رفع نہیں ہوتا۔ پس یہودی خواہ وہ مسیح کے مقتول ہونے کے قائل تھے خواہ مصلوب ہونے کے وہ اس کے نتیجہ میں حضرت مسیح کو ملعون قرار دینے میں ان کے روحانی رفع کے منکر تھے اور اب تک منکر ہیں کیونکہ وہ انہیں اپنے دعویٰ میں جھوٹا قرار دیتے ہیں لہٰذا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مومنوں کی طرح ان کا رفع خدا کی طرف نہیں ہوا۔

یہ وہ امر تھا جس کا فیصلہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں انکا یہ قول نقل کیا کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ان کے قول کے الفاظ کی تردید میں فرمایا۔ مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ

شُبِّهَ لَهُمْ کہ یہودی نہ مسیح کو قتل کر سکے اور نہ صلیب پر مار سکے بلکہ وہ درحقیقت خود شبہ میں ہیں۔ مسیح کو خدا نے بچا لیا مگر انہوں نے اسے مُردہ خیال کر لیا۔

اس کے بعد ان کے اس قول اور دعویٰ کے نتیجہ کی تردید کہ مسیح ملعون ہوا، وہ کافر تھا، گویا مومنوں کی طرح اس کا رفع نہیں ہوا یہ کہکر فرما دی بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ کہ یہودی حضرت مسیح کو مار نہیں سکے بلکہ طبعی موت کے بعد ان کا رفع الی اللہ مومنوں کی طرح ہوا جیسا کہ آیت يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ کے وعدہ الٰہی سے ظاہر ہے کہ طبعی وفات کے بعد ان کا رفع الی اللہ موعود تھا۔ یعنی یہودیوں کی تدبیر کے بالمقابل اس آیت میں یہ وعدہ تھا کہ خدا تعالیٰ حضرت مسیح کو اُن کے ہاتھ سے بچائے گا اور ان کی عمر پوری کر کے انہیں طبعی وفات دیگا اور پھر مومنوں کی طرح ان کا اپنی طرف رفع کریگا یعنی ان کی روح کو بعد از وفات اپنی حضوری کا شرف عطا فرمائے گا جیسا کہ اس کا طریق مومنوں کے متعلق ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہودی یہ کہتے تھے کہ عیسیٰ کافر و ملعون مر گیا ہے اور اس کے نتیجہ میں یہ سمجھتے تھے کہ اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے گویا اس کا یہ جواب دیا ہے بَلْ مَاتَ مُؤْمِنًا مَرْفُوْعًا اِلَى اللّٰهِ حسب آیت يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ ——— لہٰذا اس آیت

میں بَلْ کا لفظ یہودیوں کے اس غلط عقیدہ کی تردید میں ہے کہ مسیحؑ کے صلیب پر مرنے اور ملعون ہو جانے کی وجہ سے مومنوں کی طرح ان کا رفع الی اللہ نہیں ہوا کیونکہ یہود نے گمان کر لیا تھا کہ مسیحؑ درحقیقت ان کے علماء کے فتوے سے مارا گیا ہے اس لیے وہ رفع الی اللہ سے محروم رہ گیا ہے پس خدا تعالیٰ نے مسیحؑ کے مقتول و مصلوب ہونے کی نفی بھی فرما دی اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کہکر یہودیوں کے مزعومہ نتیجہ کی تردید بھی فرما دی کہ وہ ملعون ہو گیا ہے۔

یہودیوں کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ جو صلیبی موت سے بچ جائے اسکا جسم آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے اگر ایسا خیال ہوتا تو پھر بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے یہ معنی قرار دینے کا امکان ہوتا کہ خدا نے تو حضرت مسیحؑ کے جسم کو آسمان پر اٹھا لیا ہے۔

پس سیاق آیت اس بات پر روشن دلیل ہے کہ آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں مسیحؑ کے جسم کا اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھایا جانا مراد نہیں۔

جسمانی رفع اللہ تعالیٰ کی طرف محال ہے

ماسوا اس کے واضح رہے کہ کسی شخص کے جسم کا خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا جانا تو محال ہے کیونکہ اس صورت میں خدا تعالیٰ کو محدود المکان ماننا پڑتا ہے حالانکہ وہ جہات سے پاک ہے اور اس کو کسی جہت میں محصور قرار دینا

اسلامی تعلیم کے خلاف ہے اسلامی تعلیم کی رُو سے تو ہر وقت خدا تعالیٰ انسان کے ساتھ ہوتا ہے بموجب آیت نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (قٓ : ۱۷) خدا تعالیٰ اور بندے کے درمیان اس آیت کی روشنی میں کوئی بُعد یا فاصلہ اس لیے تجویز نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ جہاتِ ستّہ سے پاک اور منزّہ ہے اور اس کو کسی خاص جہت میں قرار دینا عقیدۂ کفریہ ہے اور رفع جسمی دو چیزوں میں فاصلے اور سفر طے کرنے کے بغیر متصور نہیں ہو سکتا چونکہ بموجب تعلیم اسلامی حضرت مسیحؑ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی فاصلہ اور بُعد تجویز نہیں کیا جا سکتا اس لیے حضرت مسیحؑ کا اللہ تعالیٰ کی طرف رفع جسمی مستلزم محال ہونے کی وجہ سے محال ہے کیونکہ رفع جسمی خدا تعالیٰ کے ذو جہت ہونے کو چاہتا ہے اور خدا کا ذو جہت ماننا عقیدۂ کفریہ ہے یہی وجہ ہے کہ محقق علمائے نے یہ لکھا ہے :-

(۱) امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں :-

"اِعْلَمْ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الرَّفْعَ "فِيْ رَافِعُكَ اِلَيَّ" هُوَ رَفْعُ الْمَنْقَبَةِ وَالدَّرَجَةِ لَا فِي الْمَكَانِ وَالْجِهَةِ -"

(تفسیر کبیر للامام فخر الدین الرازی)

یعنی اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ حضرت مسیح کو جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے رَافِعُكَ اِلَیَّ اس سے مراد رفع درجہ اور منزلت ہے کسی جہت اور جگہ کی طرف رفع مراد نہیں۔

(۲) **علامہ محمود شلتوت** مرحوم سابق مفتی مصر و ریکٹر ازہر یونیورسٹی لکھتے ہیں۔

"ظَاهِراً اَنَّ الرَّفْعَ الَّذِیْ بَعْدَ التَّوَفِّیْ هُوَ رَفْعُ الْمَكَانَةِ لَا رَفْعُ الْجَسَدِ۔" (الفتاویٰ ص۵۶)

ترجمۃ:۔ "ظاہر ہے کہ رفع جو توفّی کے بعد ہے وہ مرتبہ کا رفع ہے نہ جسم کا رفع"

(۳) **الاستاذ المصطفٰے المراغی** لکھتے ہیں:۔

"اَلتَّوَفِّیْ هُوَ الْاِمَاتَةُ الْعَادِیَةُ وَاعْلَمْ اَنَّ الرَّفْعَ بَعْدَهٗ لِلرُّوْحِ وَالْمَعْنٰی اِنِّیْ مُمِیْتُكَ وَجَاعِلُكَ بَعْدَ الْمَوْتِ فِیْ مَكَانٍ رَفِیْعٍ عِنْدِیْ۔" (تفسیر مراغی جلد ۳ ص۱۶۵)

یعنی توفّی مار دینے کو کہتے ہیں اور جان او رفع اس کے بعد رُوح کا ہے اور معنی آیت یہ ہیں میں تجھے مارنے والا ہوں اور تجھے موت کے بعد اپنے حضور بلند جگہ دینے والا ہوں۔

(۴) **علامہ رشید رضا** سابق مفتی مصر لکھتے ہیں:۔

"عَلَی الْقَوْلِ بِاَنَّ التَّوَفِّیْ الْاِمَاتَةُ لَا یَظْهَرُ لِلرَّفْعِ مَعْنًی اِلَّا رَفْعُ الرُّوْحِ۔" (تفسیر المنار)

اس بات کی وجہ سے کہ توفّی کے معنی مار دینے کے ہوتے ہیں رفع کے معنی صرف روح کا رفع ہی ہو سکتے ہیں۔

یہ امر بھی واضح رہے کہ جب خدا تعالیٰ الرَّافِع یعنی رفع دینے والا ہو تو اس سے ہمیشہ یہی مراد ہوتی ہے کہ خدا مومنوں کو سعادت عطا فرماتا ہے اور اپنے پیاروں کو اپنے قرب سے نوازتا ہے جیسا کہ لغت کی کتاب لسان العرب میں لکھا ہے:۔

"وَفِیْ اَسْمَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰی اَلرَّافِعُ هُوَ الَّذِیْ یَرْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْاِسْعَادِ وَاَوْلِیَآءَهٗ بِالتَّقْرِیْبِ۔"

یعنی اللہ کے ناموں میں سے ایک نام اَلرَّافِع ہے یہ وہ ذات ہے جو مومنوں کو خوش نصیبی اور اپنے پیاروں کو قرب دینے کے ذریعہ رفع دیتی ہے پس خدا کے مقرب ہونے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ قرب پانے والا کوئی مادی مسافت طے کر کے خدا کے پاس پہنچا ہے بلکہ اس سے مراد خدا تعالیٰ کے حضور میں درجہ کی بلندی ہوتی ہے لہٰذا کمالِ رفع کا حصول موت کے بعد ہی ممکن ہوتا ہے گو رفع کے ابتدائی درجے اس

دنیا میں بھی مومنین اور اولیاء کو حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے مطابق ان کی شان کے مطابق کامل رفع خدا تعالیٰ کے حضور ان کی وفات کے بعد ہی ہوا۔ حضرت اُنس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے :۔

اَكْرَمَ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ اَنْ يُّرِيَهٗ مَا يَكْرَهُ فِيْ اُمَّتِهٖ فَرَفَعَهٗ اِلَيْهِ وَبَقِيَتِ النِّقْمَةُ (بیہقی بحوالہ کیل الموفی)

کہ خدا تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یوں عزت افزائی فرمائی، کہ آپؐ کی موجودگی میں اُمّت کے لیے جو باتیں آپؐ کو ناپسند تھیں وہ ظاہر نہیں ہوئیں اور خدا نے آپؐ کو اپنی طرف اٹھا لیا اور موجب عذاب باتیں بعد میں وقوع پذیر ہوئیں۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں وہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو حضرت مسیحؑ کیلئے آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں وارد ہیں۔

حضرت انسؓ کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات باعزت رنگ میں ہوئی جس کی وجہ سے حضورؐ نے اپنی شان کے مطابق خدا تعالیٰ کی حضوری حاصل کی۔

ان معنوں میں رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے محاورہ کا استعمال اہل سنّت واہل تشیع میں معروف ہے۔ چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی تصنیف ماثبت بالسنّۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی ص ۹۲ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھا ہے :۔

كَانَ الْحِكْمَةُ فِيْ بَعْثِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِدَايَةَ الْخَلْقِ وَتَتْمِيْمَ مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَتَكْمِيْلَ مَبَانِى الدِّيْنِ فَحِيْنَ حَصَلَ هٰذَا الْاَمْرُ وَتَمَّ هٰذَا الْمَقْصُوْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّسِتِّيْنَ سَنَةً"

کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے کی حکمت مخلوق کی ہدایت مکارمِ اخلاق کو پورا کرنا اور دین کی تکمیل تھی جب یہ امر حاصل ہو گیا اور یہ مقصد پورا ہو گیا تو خدا نے آپؐ کو اپنی طرف اٹھا لیا اور آپؐ کو وفات دیدی۔ ۶۳ سال کی عمر میں۔

اسی طرح شیعہ کتب میں روایت ہے :۔

" دَعَا اللّٰهُ نَبِيَّهٗ وَرَفَعَهٗ اِلَيْهِ "

(الکافی کتاب الروضۃ وتفسیر صافی ص ۱۱۳)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بُلا لیا اور اسے اپنی طرف اٹھا لیا۔
یعنی باعزت وفات دیکر آپؑ کے مدارج کو بلند کیا۔

پس رفع کا کمال مومن کو وفات کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے خواہ قبل از وفات بھی اسے خدا تعالیٰ کے حضور میں مقاماتِ رفیعہ حاصل ہوں۔

قرآن کریم کی آیت أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ (الملک) کے پیشِ نظر مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی حضرت مسیحؑ کے متعلق رفع الی اللہ سے مراد تاویلاً رفع الی السماء قرار دیتے ہیں حالانکہ انہیں خود یہ مسلّم ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی جہت میں ماننا کفر ہے اور مَن فِي السَّمَاءِ کی تشریح میں لکھتے ہیں:-

"کہ اس کے لیے جہت فوق ماننا تقاضائے فطرت ہے"

جس کے یہ معنی ہوئے کہ حقیقت میں اس کے لیے جہت فوق بھی نہیں۔ مگر فطرت انسانی اس کو استعارۃً اوپر تصوّر کرتی ہے۔

واضح رہے رفع الی اللہ کی تاویل رفع الی السماء ماننے کی صورت میں بھی رفع کے معنوں میں رفعِ جسمی مراد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا جہت فوق میں ہونا ایک استعارہ ہے نہ کہ حقیقت، اور اسم الٰہی الرّافع کا تقاضا مراتب میں رفعت دینا ہے نہ کسی

کے جسم کا اٹھانا جیسا کہ قبل ازیں لغت کے حوالہ سے ثابت کیا جا چکا ہے۔

پس حضرت مسیحؑ کی روح کا رفع تو آسمان کی طرف مانا جا سکتا ہے تا اسے اللہ تعالیٰ سے قرب کا وہ مقام حاصل ہو جو پہلے انہیں حاصل نہ تھا یہ رفع الی السماء تو ہر نبی کو حاصل ہوا ہے چنانچہ اسی لیے معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام کو مختلف آسمانوں میں دیکھا اور بموجب حدیث صحیح بخاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی خالہ کے بیٹے حضرت یحییٰؑ کو اکٹھے دوسرے آسمان پر دیکھا جو وہاں برزخی زندگی گزار رہے ہیں اور حضرت موسیٰؑ کو ساتویں آسمان پر دیکھا اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مقام حضرت موسیٰؑ سے بھی آگے بڑھا ہوا مشاہدہ فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ ہونا جو شہید ہو کر دوسرے آسمان پر پہنچے ہوئے تھے اور عالم برزخ کی زندگی گزار رہے تھے خود اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بعد از وفات ہی عالم برزخ میں رکھے گئے عالم برزخ کا مشاہدہ انسان یا تو عالم خواب و کشف میں کرتا ہے یا وفات کے بعد وہاں پہنچ کر کرتا ہے عالم برزخ میں انسان کا مادی وجود ساتھ نہیں ہوتا بلکہ روح کو ایک لطیف روحانی جسم عطا کیا جاتا ہے جس کے ساتھ وہ عالم برزخ کا مشاہدہ کرتا ہے یا خود اس میں پہنچ جاتا ہے۔

حدیث نبویؐ میں رفع کے ساتھ الی السماء کا لفظ بھی موجود ہے۔ مگر

چونکہ خدا تعالیٰ انسان کو رفع صرف درجات کی بلندی کی صورت میں دیتا ہے اس لیے حدیث نبوی میں رفع الی السماء سے مراد کسی خاص آسمان میں درجہ کی بلندی ہوتا ہے نہ کہ رفع جسم۔ حدیث نبوی کے الفاظ یہ ہیں:-

اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَآءِ السَّابِعَةِ بِالسِّلْسِلَةِ۔ (کنز العمال جلد ۲ ص۲۵)

جب بندہ (خدا کے حضور) عاجزی اور انکسار کرتا ہے تو خدا اُسے ساتویں آسمان پر ایک زنجیر کے ساتھ اُٹھا لیتا ہے۔

یعنی تواضع اور انکساری سے سلسلہ وار انسان کو قربِ منزلت حاصل ہوتی ہے نہ یہ کہ انکساری کرنے والے کا جسم آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔ انکساری کرنے والا عبد تو بقیدِ حیات رُوح و جسم کیساتھ انکساری کرتا ہے مگر مراد حدیث میں روحانی رفعت ہی ہے نہ کہ عبد کا کسی آسمان پر جسمانی رفع ہوتا ہے۔

معراجِ نبوی کی حقیقت

ہماری اس بحث سے — کہ خدا کی طرف رفع جسمی محالات میں سے ہے کیونکہ اس سے خدا کا ذوجہت ہونا لازم آتا ہے — یہ بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج بھی مادی جسم کے ساتھ نہ تھا بلکہ ایک لطیف، نورانی، مثالی جسم کے ساتھ تھا

اور جو نظارے حضورؐ کو دکھائے گئے وہ بھی مثالی جسم کے ساتھ آپؐ کے سامنے پیش ہوئے جیسا کہ دنیا آپؐ کو ایک بڑھیا کی صورت میں دکھائی گئی اور دجلہ و فرات مثالی وجود میں آسمان پر دکھائے گئے اور جنّت و دوزخ کو مثالی وجود میں دکھایا گیا اور بعض روایات کی رُو سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپؐ نے جنّت میں مثالی وجود میں مشاہدہ فرمایا جبکہ بلالؓ خود زندہ زمین پر موجود تھے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سَیر روحانی ایک مثالی نورانی جسم کے ساتھ تھی اسی لیے شاہ ولی اللہ جیسے علماء محققین نے بھی معراج کے واقعات کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ نبوت میں ظاہر ہونے والے واقعات سے تعبیر کی ہے۔

اور چونکہ یہ لطیف ترین کشف تھا اسی لیے صحیح بخاری جلد ۴ میں واقعہ معراج کے بعد فَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے الفاظ ہیں کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ کشفی سے بیدار ہوئے اور آپ مسجد حرام میں تھے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت مسیحؑ کے رفع الی اللہ کی تعبیر رفع الی السماء کرنے سے بھی ان کا رفع جسمی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ رفع کا فاعل خدا ہے اور خدا تعالیٰ کے رفع دینے سے مراد رفع جسمی نہیں ہوتی بلکہ رفع روحانی ہی ہوتی ہے۔

مولوی ابراہیم صاحب کے استدلال کا ابطال

مولوی صاحب شہادۃ القرآن صـ۱۶۶ پر لکھتے ہیں:۔

"قتل وصلب کے قابل جسم ہے نہ روح اس لیے مزعوم یہود قتلِ جسد ہوا نہ قتلِ روح۔ بنا برآں وَمَا صَلَبُوْهُ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا میں نفی قتل وصلب جسم ہی سے کی گئی ہے پس چونکہ جملہ ضمائر منصوب ومتصل جو افعالِ منفیہ اور فعل مثبت کیساتھ ہیں یعنی جو مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ اور وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں واقع ہیں ان سب کا مرجع المسیح ہے اس لیے لامحالہ جسدِ مسیح مرفوع ماننا پڑے گا بنا بر اتحاد مرجع"

مولوی صاحب کی یہ بحث نہایت کمزور ہے قتل اور صلب کے فعل سے صرف جسم ہی متاثر نہیں ہوتا بلکہ روح بھی متاثر ہوتی ہے، لیکن رفع کا فعل جب خدا اس کا فاعل ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے رفع درجات کا مفہوم رکھتا ہے خواہ رفع درجات زندگی میں ہو یا بعد از ممات اور رفع درجات کا تعلق روح کی رفعت سے ہے نہ جسم سے۔

پس مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کی ضمائر کا مرجع خالی مسیحؑ کا جسم نہیں کیونکہ قتل اور صلب محض ایسے جسم پر وارد نہیں ہو سکتا جس میں روح موجود نہ ہو بلکہ ان کا اطلاق زندہ انسان (جو مجموعہ روح وجسم ہے) کے مارے جانے پر ہوتا ہے جس سے روح جسم سے الگ ہو جاتی ہے اور رفع کے خدا کا فاعل ہونے کی صورت میں رفع جسمی محالات میں سے ہے جیسا کہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔

لہٰذا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں رَفَعَهُ کی ضمیر کا مرجع گو المسیح ہے مگر مراد اس سے رفع الروح اور روحانی رفع ہے کیونکہ خالی ارواح بھی جب جسم سے الگ ہوں تو انہیں ان کے نیک اعمال کے مطابق ایک نورانی لطیف جسم دیا جاتا ہے اور پھر اس روح کا بھی وہی نام ہوتا ہے جو جسمانی مادی وجود میں رکھا گیا تھا۔

پس مولوی ابراہیم صاحب کا یہ کہنا پورے طور پر درست نہیں کہ "ارواح مجرّدہ بغیر تعلق بالبدن کے قابل تسمیہ نہیں ہوتے اور نہ جسم بے روح حامل اسم ہوتا ہے"۔ (شہادۃ القرآن صـ۱۶۷-۱۶۸)

اصل حقیقت یہ ہے کہ ارواح جب مادی بدن سے مجرّد ہوں تو انہیں اعمال کے مطابق فوراً ایک نورانی یا ظلمانی جسم عطا ہوتا ہے اور وہ ارواح مع اس جسم

جدید کے قابلِ تسمیہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ معراج کی حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھنا ان کے انہی لطیف اجسام کی صورت میں تھا اسی لیے آپؐ نے آدم، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ و یحییٰ علیہم السلام کے ناموں سے ہی ان کا ذکر نہیں کیا بلکہ حضرت ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے حلیے بھی بیان فرما دیئے۔ مجرّد روح تو کوئی حلیہ نہیں رکھتی۔

پس آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی تفسیر آیت یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ کے مطابق چونکہ حضرت مسیحؑ کا رفع کامل بعد از وفات ہوا لہٰذا رَفَعَهُ اللّٰهُ کی ضمیر کا مرجع حضرت مسیحؑ کی روح مع جسم لطیف ہے جو قابلِ تسمیہ ہے اور اسے انتشارِ ضمائر نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ یہ امر صنعتِ استخدام" کی ذیل میں آتا ہے جس سے کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے نہ نقص۔ آیت اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ میں اسی حقیقت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ دیکھئے موت جسم و روح کے مجموعہ پر وارد ہوئی اس کے بعد قبر میں صرف جسم کو رکھا جاتا ہے اور اگر برزخی قبر مراد ہو تو اس میں صرف روح کو رکھا جاتا ہے نہ کہ جسم مادی مع الروح کو۔

مولوی ابراہیم صاحب کا آخری نکتہ

یہ ہے کہ:۔

"چونکہ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں رفع کو بصیغۂ ماضی تعبیر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ زمانہ کی ماضویت و استقبال اضافی امور سے ہے ذاتی نہیں یعنی ایک ہی زمانہ بنسبت ایک کے ماضی ہو سکتا ہے اور بنسبت دوسرے کے استقبال۔ اس لیے رفع کی ماضویت بھی کسی کی نسبت سے ہوگی اور وہ ماقبلِ بَلْ ہے یعنی واقعۂ صلیبی ..... اور چونکہ واقعۂ صلیبی کے بیشتر حیاتِ مسیح علیہ السلام عند الخصم بھی مسلّمہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے جسدِ حضرت روح اللہ کو آسمان پر زندہ اٹھا لیا اور یہود کے ہاتھ میں ہرگز نہ آنے دیا اور یہی امتنانِ باری آیہ وافی ہدایہ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ میں مذکور ہے۔" (شہادۃ القرآن ص ١٩٦-١٩٧)

الجواب:۔

آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ میں رَفَعَ کی ماضویت کا اضافی ہونا ہمیں مسلّم ہے مگر رَفَعَ کی ماضویت کی اضافت اس جگہ واقعۂ صلیبی سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے قرآنی بیان وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ سے ہے اور خدا تعالیٰ کے اس بیان میں کہ مسیحؑ مقتول اور مصلوب نہیں ہوا اس بیان سے پہلے پہلے مسیح کا رفع الی اللہ

ہوجانا بیان ہوا ہے نہ کہ واقعۂ صلیب سے پہلے رفع الی اللہ ہونا

خدا یہ بتا رہا ہے کہ واقعہ صلیب کے پیش آنے سے یہود نے انکو (حضرت مسیحؑ کی) غشی کے مُردہ سے مشابہت شدیدہ کی وجہ سے مردہ سمجھ لیا اور یہ کہنا شروع کر دیا إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ اب خدا قرآن میں بتاتا ہے کہ مَا قَتَلُوهُ يَقِينًا کہ یہودی حضرت مسیحؑ کو قتل نہیں کر سکے۔ پس ان کا یہ قول بھی غلط ہے اور اس کا نتیجہ عدمِ رفع کا جو وہ نکالتے ہیں وہ بھی درست نہیں بلکہ واقعہ صلیبی کے بعد جس سے مسیحؑ کو بچا لیا گیا ہمارے اس تردیدی بیان سے پہلے پہلے کہ مسیحؑ مصلوب و مقتول نہیں ہوا، حضرت مسیح علیہ السلام کا رفع حسب آیت إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ ہو چکا ہے

آیت إِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْكَ میں اسی بات کا ذکر ہے کہ یہودی مسیحؑ کو قتل کرنے اور صلیب پر مارنے پر قادر نہیں ہو سکے خدا کی تدبیر نے ان کے قادر ہونے میں روک پیدا کر دی۔

اور خدا کی تدبیر کا ایک حصہ یہ تھا کہ مسیحؑ کو غشی کی حالت میں صلیب سے اتار لیا گیا اور یہودیوں نے غلطی سے انہیں مُردہ سمجھ کر یہ دعویٰ کر دیا کہ ہم نے مسیح کو مار دیا ہے اب قرآن کریم مَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ کہکر انہیں اس غلط عقیدے سے بچانا چاہتا ہے کہ (حضرت) عیسیٰ نے لعنتی موت کے بعد خدا کی حضوری اور

قرب کا شرف حاصل نہیں کیا۔

واضح رہے کہ لغت عرب میں صلب کے معنی صلیب پر مار دینا ہیں نہ کہ صرف صلیب پر لٹکانا۔ لغت عربی میں لکھا ہے اَلصَّلْبُ : اَلْقِتْلَةُ الْمَعْرُوفَةُ (لسان العرب) کہ صلب کے معنی ہیں معروف طریق پر مار دینا۔ اس پر قرآن کی آیت إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا (المائدۃ: ۳۴) بھی روشنی ڈالتی ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ اللہ و رسولؐ سے لڑنے والوں کو محض صلیب پر لٹکا کر زندہ ہی اتار لیا جائے بلکہ یہ مراد ہے کہ صلیب پر لٹکا کر مارا جائے۔

(۳) وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا (النساء: ۱۶۰)

یہ آیت بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ کے بعد آتی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اہل کتاب میں سے ہر ایک اس واقعۂ قتل و صلب کو مانتا رہے گا، اپنی موت سے پہلے پہلے —— اور قیامت کے دن مسیحؑ ایسا ماننے والوں پر گواہ ہو گا کہ وہ نہ اس کو قتل کر سکے تھے نہ صلیب پر ہی مار سکے تھے بلکہ وہ طبعی وفات کے بعد مرفوع الی اللہ ہوئے تھے نہ جیسا کہ ان کا زعم تھا کہ وہ مارے گئے اور ملعون ہوئے)۔

اس آیت میں سیاقِ کلام کے لحاظ سے ضمیر بہٖ کا مرجع یہودیوں کا مزعوم واقعہ قتل وصلیب ہے اور مَوْتِہٖ کی ضمیر کا مرجع ہر اہلِ کتاب ہے جو مَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ کے قرآنی اعلان کے سُن لینے کے بعد بھی ضد سے اپنی زندگی میں یہی عقیدہ رکھے کہ مسیح قتل ہوگیا ہے یا صلیب پر مارا گیا ہے۔ اور یَکُوْنُ کا فاعل مسیح علیہ السلام ہیں جو قیامت کے دن ان منکرین کے خلاف مندرجہ بالا شہادت دیں گے۔

بعض مفسّرین نے لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ میں بِہٖ اور مَوْتِہٖ ہر دو کی ضمیروں کا مرجع حضرت مسیحؑ کو قرار دیکر اِس آیت کے یہ معنی لیے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی موت اُس وقت تک واقع نہ ہو گی جب تک سب اہلِ کتاب ان پر ایمان نہ لے آئیں ـــ اور چونکہ ابھی کئی اہلِ کتاب ان پر ایمان نہیں لائے لہذا ابھی حضرت مسیح کی موت واقع نہیں ہوئی۔

یہ استدلال بدیں وجوہ باطل ہے:۔

اوّل۔ اگر مسیحؑ کی موت سے پہلے ہر اہلِ کتاب کے متعلق اس آیت میں حضرت مسیحؑ پر ایمان لانے کی پیشگوئی کی گئی ہے تو پھر اس آیت کے نزول کے بعد کیوں اب تک لاکھوں یہودی حضرت مسیحؑ پر ایمان لائے بغیر مر رہے ہیں؟

اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ اس پیشگوئی کا وقوع مسیحؑ کے آخری زمانہ میں نزول کے وقت ہوگا اور اُس وقت سب یہود بلا استثناء آپ پر ایمان لائیں گے تو یہ معنی بھی دیگر نصِّ قرآنی کے خلاف ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ پیشگوئی فرمائی ہے:۔

وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ (آل عمران)

کہ اے مسیح! مَیں تیرے متبعین کو تیرے منکرین پر قیامت کے دن تک غالب رکھنے والا ہوں۔

پس اس آیت کی رُو سے مسیحؑ کے منکرین کا وجود قیامت تک موجود رہنا موعود ہونے کی وجہ سے ضروری ہوا تو یہ بات باطل ہوئی کہ ان کے نزول کے وقت آخری زمانہ میں سب یہودی اُن پر ایمان لائیں گے۔

دوم۔ اس آیت کی دوسری قرأت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِهِمْ بھی حضرت ابیّ بن کعبؓ سے مروی ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ثنائی از مولوی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ودیگر تفاسیر)

انہوں نے اور بعض دوسرے مفسّرین نے بھی قرأتِ ثانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے

مَوْتِہٖ کی ضمیر کا مرجع ہر ہر اہلِ کتاب کو قرار دیا ہے پس جب مَوْتِہٖ کی ضمیر کا مرجع اہلِ کتاب ہوئے تو مسیح کی زندگی کا استدلال باطل ہوا۔ اور ویسے بھی کسی نبی پر ایمان لانے کیلئے اس نبی کی جسمانی زندگی بوقت ایمان ضروری نہیں ہوتی۔

سوم۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا اس بات پر نصِ صریح ہے کہ حضرت مسیح اب اِس دُنیا میں دوبارہ آکر اہلِ کتاب کے ان خیالات کو باطل نہیں کریں گے بلکہ وہ قیامت کو ہی اُن پر گواہی دیں گے کہ ان کے خیالات باطل تھے۔ پس جب حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کی اس آیت سے نفی ثابت ہوئی تو ان کی زندگی اور اصالتاً آمدِ ثانی کا خیال ہی باطل ثابت ہوا۔

چہارم۔ مفسّرین اس بات سے پریشان ہوئے ہیں کہ بِہٖ کا مرجع مسیح کو کس طرح قرار دیا جائے اس کے اصل مرجع واقعۂ قتل وصلیب کی طرف ان کا ذہن نہیں پھرا اس لیے انہوں نے یہ تاویل کی کہ اہلِ کتاب کی اس وقت تک جان نہیں نکلتی جب تک فرشتے ان سے یہ اقرار نہیں لے لیتے کہ میں عیسیٰ پر ایمان لایا ہوں مگر وہ ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ان یہودیوں کو یہ ایمان کوئی فائدہ نہیں دیگا اگر مفسّرین کی یہ توجیہہ درست مان لی جائے تو پھر بھی مَوْتِہٖ کا مرجع اہلِ کتاب کے ثابت ہو جانے کے بعد جیسا کہ قرأتِ ثانیہ سے ظاہر ہے اس آیت سے

حضرت مسیح کی حیاتِ جسمانی کا قطعاً استدلال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں ہر کتابی کے لیے اپنی اپنی موت سے پہلے حضرت مسیح پر ایمان لانا ضروری قرار پایا نہ کہ حضرت مسیح کی موت سے پہلے۔

مفسّرین کی اس تفسیر پر ثلجِ قلب حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہودیوں کا نزع کے وقت ایمان لانا انسانی مشاہدہ سے ثابت نہیں اس لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے اسکا ذکر بے فائدہ ثابت ہوتا ہے جبکہ یہ ایمان فائدہ بخش بھی تسلیم نہیں کیا گیا۔

لیکن اگر بِہٖ کا مرجع یہود و نصاریٰ کے زعم کے مطابق واقعۂ قتل و صلیب لیا جائے تو یہ حقیقت مشاہداتی ہے کہ یہودی اور عیسائی دونوں قومیں حضرت مسیح کو مقتول یا مصلوب مانتی ہیں اور عجیب بات ہے کہ دونوں قومیں آپؑ کو (معاذ اللہ) ملعون بھی مانتی ہیں۔ یہودی ہمیشہ کے لیے اور عیسائی وقتی طور پر۔

اِس سے قبل کی آیتِ قرآنیہ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ط مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ کی ضمائر کا واقعۂ قتل وصلیب کی طرف پھرنا مسلّمات میں سے ہے پس صحیح تفسیر یہ ہے کہ لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ کی ضمیر کا مرجع بھی یہی واقعۂ قتل وصلیب قرار دیا جائے گو مسیح کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر سے قتل وصلیب سے نجات دی یہ تفسیر واقعاتی شہادت سے

صحیح ثابت ہوتی ہے اور واقعات ہی بہترین تفسیر ہوتے ہیں۔

پس آیت ہذا کا ٹکڑا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا بطور اشارۃ النص حضرت مسیحؑ کی وفات پر ہی دلیل ہے نہ کہ زندگی پر۔ لہذا یہ آیت بھی مسیحؑ کی وفات پر ہی دلیل ہے نہ کہ حیات پر اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے بعد حیاتِ مسیحؑ کا ذکر یوں بھی بے محل تھا کیونکہ رفع کا کمال وفات کے بعد ہی ہوتا ہے اور قرآن کریم نے اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ یہ کمال حضرت عیسیٰ علیہ السلام مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کے اعلانِ قرآنی سے پہلے حاصل کر چکے ہیں۔

(۴) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۝ (المائدہ: ۱۸)

ترجمہ:۔ ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح بن مریم ہے تو کہہ دے کہ کون اللہ سے مقابلہ کی قدرت رکھتا ہے

اگر وہ ارادہ کرے کہ تباہ و برباد کرے مسیح بن مریم اور اس کی ماں کو اور ان سب کو جو زمین میں بستے ہیں۔

اس آیت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ مسیحؑ نے ابھی تک وفات نہیں پائی اور وہ بقیدِ حیات ہیں، لیکن یہ استدلال بدیں وجہ درست نہیں کہ پھر مریم علیہا السلام کو بھی زندہ اور بقید حیات ماننا پڑیگا حالانکہ کوئی مسلمان بلکہ عیسائی بھی مریم علیہا السلام کی زندگی کا قائل نہیں۔

پس اس آیت میں آئندہ مریم کے اِھلاک سے ارادۂ الٰہی میں مراد ان کی حیثیت کو مٹا دینا ہے جو رومن کیتھولک عیسائیوں نے انہیں خدا کی ماں قرار دیکر دے رکھی ہے کیونکہ جب مسیح اللہ ہوا تو مریم اللہ کی ماں ہوئی اب خدا تعالیٰ یہ بتاتا ہے کہ اگر میں مسیح کی الوہیت کی حیثیت اور مریم کے خدا کے بیٹے کی ماں کی حیثیت مٹا ڈالوں تو تم میں سے کون مجھے ایسی تباہی و بربادی پیدا کرنے سے روک دینے کی قدرت رکھتا ہے جبکہ میں زمین کے تمام لوگوں کی تباہی اور بربادی کی قدرت رکھتا ہوں۔

اس آیت کا پہلا فقرہ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اس بات پر روشن دلیل ہے کہ اس جگہ مسیحؑ کی جسمانی زندگی زیر بحث نہیں بلکہ مسیحؑ کی الوہیت زیر بحث ہے اس

لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مسیحؑ کی الوہیت کی تردید میں نازل فرمائی اور ایک پیشگوئی فرمائی کہ وہ دن آتا ہے جب روئے زمین سے مسیحؑ اور مریم کی معبودانہ حیثیت مٹا دی جائے گی خواہ قائلین کو عذاب میں مبتلا کر کے یا ان کے دلوں سے اس عقیدہ کو مٹا کر اور ان کی غلط استعدادوں پر فنا وارد کر کے۔

پس اس آیت میں حضرت مسیحؑ اور مریمؑ کی اس غلط حیثیت کو مٹانا ہی مراد ہے جو انہیں دینی صورت میں غلط طور پر دی گئی ہے کہ وہ دونو معبود ہیں۔

اس آیت سے مسیحؑ کی جسمانی حیات پر استدلال اس لیے جائز نہیں کہ حضرت مسیحؑ کی وفات تو آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي سے بھی ثابت ہے اور آیت مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اور آیت أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ بھی حضرت مسیحؑ کی وفات پر روشن دلائل ہیں جو قبل ازیں مذکور ہو چکے ہیں۔

(۲) إِهْلَاكٌ بروزن إِفْعَال مصدر مزید فیہ کے معنے عذاب سے تباہ و برباد کرنا ہوتے ہیں نہ کہ محض وفات دینا۔ البتہ ہلاکت کے معنی جو مصدر ثلاثی مجرّد ہے وفات کے ہوتے ہیں۔ اِھلاک کا یہ استعمال قرآن و احادیث کے محاورہ سے ثابت ہے لہٰذا اس آیت کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ

اگر خدا تعالیٰ مسیحؑ اور اس کی والدہ اور رُوئے زمین کے سب لوگوں کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو اسے کون روکنے کی قدرت رکھتا ہے پس اس طرح جب خود حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ اور رُوئے زمین کے تمام لوگ خدا تعالیٰ کی قدرت کے مقابلہ میں عاجز ہیں اور اس کے افعال میں روک نہیں ہوسکتے تو پھر ایک عاجز انسان کو خدا کا مقام اور اس کی والدہ کو خدا کی ماں کا مقام دینا کفر نہیں تو اَور کیا ہے اس طرح خدا تعالیٰ نے اس آیت میں تو عیسائیوں کو سمجھایا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ایسے کفریہ عقائد سے باز آجائیں۔

عیسائی اس کے جواب میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا تعالیٰ مسیحؑ کو عذاب میں مبتلا کرنے پر قادر نہیں جبکہ وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ مسیح مصلوب ہوا اور صلیبی موت کا مسیحؑ کے لیے ماننا لامحالہ اہلاک و تعذیب کی صورت ہے جو عیسائیوں کو پہلے سے مسلّم ہے۔

(۵) وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۝ (الزخرف: ۶۲)

ترجمہ:- یقیناً قرآن البتہ قیامت کا علم دینے والا ہے پس تم قیامت میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو۔

اس آیت میں اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے حضرت مسیحؑ کو قرار دیکر یہ معنی کئے ہیں کہ حضرت مسیح قیامت کی نشانی ہیں یعنی وہ زندہ ہیں اور قیامت سے پہلے دوبارہ آئیں گے یہ معنی بدیں وجوہ باطل ہیں۔

اوّل۔ عِلْمٌ کے معنی "نشان" کئے گئے ہیں حالانکہ اس کے لیے عَلَمٌ استعمال ہوتا ہے۔

دوم۔ اگر بالفرض مجازاً عِلْمٌ بمعنی عَلَمٌ ہو اور حضرت مسیحؑ کے آخری زمانہ میں دوبارہ آنے کو نشان قرار دینا مقصود ہوتا تو پھر فقرہ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا ان معنوں سے مناسبت نہیں رکھتا اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ نشان تو ابھی دکھایا نہیں اور زور یہ دیا جا رہا ہے کہ چونکہ حضرت مسیح قیامت کا نشان ہے اس لیے قیامت کا ابھی یقین کر لو۔ یہ محض تحکم کی راہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب نہیں لہٰذا یہ معنی باطل ہیں۔

سوم:۔ اگر بالفرض اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع حضرت مسیحؑ ہوں تو ان کی تعلیم کو ان کے زمانہ کے لوگوں کے لیے بلکہ بعد والوں کے لیے بھی جو حضرت مسیحؑ پر ایمان لے آئیں قیامت کے علم کا موجب قرار دیا گیا ہے لہٰذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دوسرے لوگوں کو بھی یہ تلقین کی گئی ہے کہ دیکھو مجھ سے پہلا نبی بھی قیامت کی تعلیم

دیتا رہا اس لیے تم قیامت میں شک نہ کرو۔ اس صورت میں عِلْمٌ جو مصدر ہے بطور مبالغہ حضرت مسیحؑ کے لیے بطور وصف سمجھا جائے گا جیسے کہتے ہیں زَيْدٌ عَدْلٌ یعنی زید بڑا عادل ہے۔

چہارم:۔ اَلسَّاعَة سے مراد نبیوں کے منکرین پر عذاب کی گھڑی بھی ہوتی ہے اگر اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع حضرت مسیح ہوں تو اس صورت میں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیح کی ولادت بنی اسرائیل کے لیے موعود عذاب کا نشان تھی۔ اور اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور آپؐ کے منکرین کے لیے بھی موعود عذاب کا نشان ہوگا۔ اس لیے آپؐ کے منکرین کو اپنے زمانہ میں آنے والی عذاب کی گھڑی پر یقین رکھنا چاہیئے اور اس عذاب کی گھڑی کے آنے میں کسی کو شک نہیں کرنا چاہیئے۔

پس ان توجیہات میں سے کسی توجیہہ میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جسمانی حیات کا کوئی ثبوت نہیں البتہ صحیح معنی اس آیت کے وہ ہیں جو حضرت حسن بصری اور ان کے تابعین نے بیان کئے ہیں کہ اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع اس جگہ مسیحؑ نہیں بلکہ قرآن مجید ہے اور قرآن مجید میں ساعت موعودہ کے علمی دلائل بیان ہوئے ہیں۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منکرین کو ساعتِ موعودہ کے متعلق کوئی شک نہیں کرنا چاہیئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنی چاہیئے۔

وفاتِ مسیحؑ از رُوئے حدیث

(۱) احادیث میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی معیّن عمر ایک سو بیس سال مذکور ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ لِفَاطِمَةَ اَنَّ جِبْرِيْلَ كَانَ يُعَارِضُنِي الْقُرْاٰنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَرَّةً وَاِنَّهُ عَارَضَنِي الْقُرْاٰنَ الْعَامَ مَرَّتَيْنِ، وَاَخْبَرَنِيْ اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ اِلَّا عَاشَ نِصْفَ الَّذِيْ قَبْلَهُ وَاَخْبَرَنِيْ اَنَّ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَاشَ عِشْرِيْنَ وَمِائَةَ سَنَةٍ وَلَا اَرَانِيْ اِلَّا ذَاهِبًا عَلٰى رَأْسِ السِّتِّيْنَ۔

(حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۸ نیز کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۲۰ روایت فاطمہؓ)

ترجمہ:۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس مرض میں جس میں آپؐ کی وفات ہوئی حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ جبریل ہر سال ایک مرتبہ میرے ساتھ قرآن کریم دُہراتے تھے اور اس سال انہوں نے دو دفعہ میرے ساتھ قرآن دُہرایا ہے اور انہوں نے مجھے خبر دی ہے ہر نبی اپنے سے پہلے نبی کی نصف عمر ضرور زندہ رہا ہے اور انہوں نے مجھے یہ بھی خبر دی کہ عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس سال زندہ رہے اور میں اپنے آپ کو نہیں سمجھتا مگر صرف ساٹھ سال کی عمر کے سرے پر جانے والا"۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں آکر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

اَنَّكُمْ تَخَافُوْنَ مَوْتَ نَبِيِّكُمْ هَلْ خُلِّدَ نَبِيٌّ قَبْلِيْ فِيْمَنْ بُعِثَ اِلَيْهِ فَاُخَلَّدُ فِيْكُمْ۔

(المواهب اللدنيه جلد ۲ صفحہ ۳۶۸)

کہ اے لوگو! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے ڈرتے ہو تو کیا مجھ سے پہلے کسی نبی نے ہمیشہ کی زندگی ان لوگوں

کے درمیان پائی ہے جن کی طرف وہ معبوث ہوئے کہ میں تم میں ہمیشہ
کی زندگی پاؤں گا۔"

ان روایات سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک سو بیس سال
زندہ رہے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

لَوْ کَانَ مُوْسیٰ وَعِیْسیٰ حَیَّیْنِ لَمَا
وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ۔

(الیواقیت والجواہر مصنفہ عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ)

"اگر موسیٰ اور عیسیٰ دونوں زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی
کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔"

اس حدیث کو ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ پر نقل کیا ہے۔
اور اسی حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:-

لَوْ کَانَ مُوْسیٰ وَعِیْسیٰ حَیَّیْنِ لَکَانَا مِنْ
اَتْبَاعِہٖ۔ (مدارج السالکین مصنفہ امام ابن قیم جلد ۲ صفحہ ۳۱۳ قلمی)

کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام زندہ ہوتے تو وہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے ہوتے۔

اِس حدیث کو اہل سنّت کے علماء کے علاوہ شیعہ علماء نے بھی قبول کیا
ہے۔ لکھتے ہیں:-

"نیز خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ است لَوْ کَانَ
مُوْسیٰ وَعِیْسیٰ فِیْ حَیَاتِہِمَا مَا وَسِعَهُمَا
اِلَّا اتِّبَاعِیْ۔ یعنی اگر موسیٰ و عیسیٰ در دنیا می بودند
ممکن نمی بود ایشاں را مگر آنکہ متابعت من کردندے"

(رسالہ بشارات احمدیہ مصنفہ علی حائری صفحہ ۲۴)

اور شرح فقہ اکبر مطبوعہ مصر حاشیہ صفحہ ۱۱۲ (مطبوعہ ۱۹۵۵ء) پر یہ حدیث
یوں لکھی ہے۔

لَوْ کَانَ عِیْسیٰ حَیًّا لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ۔

کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے
سوا چارہ نہ ہوتا۔

پہلی حدیثوں میں حضرت موسیٰ اور عیسیٰ دونو نبیوں کے زندہ نہ ہونیکا ذکر ہے اور
شرح اکبر مطبوعہ مصر کی حدیث میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ نہ ہونے والی حدیث بیان ہوئی ہے

علی حائری کا فی حَیَاتِہِمَا کا ترجمہ "در دنیا مے بودند" درست نہیں بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں حیات میں یعنی زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔

(۴) اختلافِ حُلیتین

صحیح بخاری میں دو احادیث ایسی ہیں جن میں عیسیٰ علیہ السلام کا حُلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

ایک حدیث تو وہ ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء گزشتہ کو کشفی رنگ میں دیکھا۔ اس میں حضور فرماتے ہیں:۔

رَأَیْتُ عِیْسیٰ وَمُوْسیٰ وَاِبْرَاهِیْمَ فَاَمَّا عِیْسیٰ فَاَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِیْضُ الصَّدْرِ وَاَمَّا مُوْسیٰ فَاٰدَمُ جَسِیْمٌ سَبْطُ الشَّعْرِ کَاَنَّهٗ مِنْ رِّجَالِ الزُّطِّ وَاَمَّا اِبْرَاهِیْمُ فَانْظُرُوْا اِلیٰ صَاحِبِکُمْ۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق)

کہ میں نے عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا

حضرت عیسیٰؑ سُرخ رنگ کے اور گھنگریالے بالوں والے اور چوڑے سینے والے تھے اور حضرت موسیٰؑ گندم گوں، جسیم اور سیدھے بالوں والے تھے گویا زط قبیلے کے مَردوں میں سے ہوں اور حضرت ابراہیمؑ کو دیکھنا ہو تو اپنے ساتھی کو یعنی مجھے دیکھو۔

اس سے پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کشف میں گزشتہ فوت شدہ انبیاء کو دیکھا تھا جن میں عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل تھے۔

دوسری حدیث میں ایسے کشف کا بیان ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ کے حالات دکھائے گئے اور حضورؐ نے دجّال وغیرہ کو دیکھا۔ اس میں حضورؐ نے اُمّت میں سے آنے والے مسیح موعود کو بھی دیکھا اور اس کا جو حُلیہ بیان فرمایا وہ پہلے حلیہ سے قطعی مختلف ہے اس سے ثابت ہوا کہ آنے والے مسیح موعود کو عیسیٰ بن مریم کا نام شدید مماثلت کی وجہ سے دیا گیا نہ یہ کہ پہلا مسیح اور وہ ایک ہی شخصیت ہے۔

حضور فرماتے ہیں:۔

بَیْنَمَا اَنَا نَائِمٌ اَطُوْفُ بِالْکَعْبَةِ فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ سَبْطُ الشَّعْرِ فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا هٰذَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ۔ (صحیح بخاری باب ذکر الدجّال)

کہ اس حالت میں کہ مَیں سویا ہوا تھا مَیں نے دیکھا کہ مَیں کعبہ کا طواف کر رہا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں، ایک آدمی گندم گوں، سیدھے بالوں والا ہے۔ مَیں نے پوچھا یہ کون ہے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ عیسیٰ بن مریم ہے۔

اسی حدیث میں آگے چل کر ذکر ہے کہ آنحضرتؐ نے دجّال کو بھی دیکھا جس سے واضح ہے کہ یہ حلیہ آنے والے مسیح کا ہے جیسا کہ واقعات نے ثابت بھی کر دیا۔

اجماعِ اُمّت

اہل اسلام کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن کریم، سنتِ نبوی اور حدیث کے بعد چوتھے درجہ پر اجماع ایک شرعی حجّت ہے جس کا ماننا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات صحابہؓ کے لئے ایک ناقابل برداشت صدمہ تھا اور ان میں سے بعض فرطِ محبّت سے اس حقیقت کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ ان صحابہ میں سے تھے جو آنحضرتؐ کو وفات یافتہ تصوّر ہی نہیں کر پائے تھے چنانچہ لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:۔

مَا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

وَلَا یَمُوْتُ حَتّٰی یَقْتُلَ اللّٰہُ الْمُنَافِقِیْنَ۔

(درمنثور للامام جلال الدین السیوطی جلد ۴ صفحہ ۳۱۸)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے اور اس وقت تک وفات نہیں پائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ منافقین کو قتل نہیں کر دیتا۔

اس نازک موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کھڑا کیا آپؓ نے تمام غمزدہ صحابہ کرامؓ کو ایک جگہ جمع فرمایا، منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا اور صحابہ کرامؓ کو عموماً اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خصوصاً مخاطب کر کے فرمایا۔

اَیُّھَا الرَّجُلُ اِرْبَعْ عَلٰی نَفْسِکَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ اَلَمْ تَسْمَعْ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ وَقَالَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَھُمُ الْخَالِدُوْنَ ثُمَّ تَلَا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ۔

(تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۳۱۸)

ترجمہ:- اے شخص! اپنے آپ پر قابو رکھ۔ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں کیا تم نے قرآن کریم کی یہ آیت نہیں سُنی اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (کہ تو بھی مرنے والا ہے اور یہ بھی مرنے والے ہیں) اور اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تُو تو وفات پائے اور وہ ہمیشہ (زندہ) رہیں۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت پڑھی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ الخ۔ کہ محمدؐ صرف اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے سب رسول گزر چکے ہیں۔ اگر آپؐ وفات پائیں۔ یا قتل ہوں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟

اور بخاری شریف میں اس واقعہ کا ذکر یوں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

اَمَّا بَعْدُ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اِلَى الشَّاكِرِيْنَ۔

(بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

کہ تم میں سے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتے تھے تو وہ سن لیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وفات پا گئے ہیں اور جو تم میں سے اللہ کی عبادت کرتے تھے تو اللہ زندہ ہے اور وہ نہیں مرتا۔ پھر آپؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہیں ہیں محمدؐ مگر ایک رسول ان سے پہلے سب رسول گزر چکے ہیں۔

بخاری میں آتا ہے کہ یہ آیت جب حضرت عمرؓ اور صحابہؓ نے سنی تو انہیں یوں محسوس ہوا کہ یہ آج نازل ہوئی ہے اور انہیں یقین ہو گیا کہ واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بشر تھے، ایک رسول تھے اور بشری تقاضے کے ماتحت آج تک جتنے رسول آئے وہ جب وفات پا گئے تو آنحضرت کیوں فوت نہیں ہو سکتے؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اس آیت سے استدلال کرنا صاف دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک تمام انبیاء گزشتہ بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اگر واقعہ یہ ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باوجود محض رسول ہونے کے اس وقت تک

زندہ ہوتے یا صحابہ کرامؓ انہیں زندہ سمجھتے تو ان کے سامنے یہ آیت قابل استدلال ہی نہ ہوتی اور وہ صحابہؓ جو آنحضرتؐ کی وفات کے صدمہ سے زخمی تھے وہ ضرور بول اٹھتے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام رسول ہو کر اب تک زندہ ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات پانا کیونکر ضروری ٹھہرا۔ مگر کسی صحابی کا اعتراض مروی نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"یہ دلیل جو حضرت ابوبکرؓ نے تمام گزشتہ نبیوں کی وفات پر پیش کی کسی صحابی سے اس کا انکار مروی نہیں۔ حالانکہ اس وقت سب صحابی موجود تھے اور سب سُن کر خاموش ہو گئے۔ اس سے ثابت ہے کہ اس پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا تھا اور صحابہ کا اجماع حجت ہے جو کبھی ضلالت پر نہیں ہوتا۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۲۸۵ حاشیہ)

یہ صحابہ کرامؓ کا پہلا اجماع ہے جو اس بات پر ہوا کہ رسول کریم صلعم سے پہلے تمام انبیاء وفات پا گئے ہیں۔ سو رسول کریم صلعم بھی وفات پا چکے ہیں۔ نہ کہ ان پر کوئی خاص حالت زندگی میں طاری ہے جس سے ان کی وفات پانے کا شبہ ہو سکتا ہے۔

وفاتِ مسیحؑ کے متعلق

بزرگانِ اُمّت

کے

اقوال

(۱) حضرت حسن رضی اللہ عنہ

آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات پر فرمایا:۔

أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ قُبِضَ اللَّيْلَةَ رَجُلٌ لَمْ يَسْبِقْهُ الْأَوَّلُوْنَ وَلَا يُدْرِكُهُ الْآخِرُوْنَ.... ....وَلَقَدْ قُبِضَ فِي اللَّيْلَةِ الَّتِيْ عُرِجَ فِيْهَا بِرُوْحِ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ لَيْلَةَ سَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ

مِنْ رَمَضَانَ۔ (طبقاتِ کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۶)

ترجمہ:۔ لوگو! آج رات ایک ایسے شخص کی روح قبض کی گئی ہے جس سے پہلے بھی آگے نہ بڑھ سکے اور پچھلے بھی اس کے مقام کو نہ پا سکیں گے .... اور آپ کی روح اس رات قبض کی گئی ہے جس رات عیسیٰ بن مریم کی روح اٹھائی گئی یعنی رمضان کی ستائیسویں رات کو۔

اس روایت سے ثابت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ستائیسویں رمضان کو عیسیٰ علیہ السلام مع جسم آسمان پر نہیں چڑھائے گئے بلکہ صرف آپ کی روح کو اُٹھایا گیا۔

(۲) ابن عبّاس رضی اللہ عنہ

آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ کی تفسیر میں لکھا ہے:۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَعْنَاهُ اِنِّیْ مُمِیْتُكَ

(تفسیر خازن مصنّفہ علّامہ علاء الدین علی بن محمد جلد ۱ صفحہ ۲۸۵)

نیز بخاری کتاب التفسیر میں لکھا ہے مُتَوَفِّیْكَ مُمِیْتُكَ

کہ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ میں تجھے مار دینے والا ہوں۔

(۳) امام مالک رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے۔

وَالْاَکْثَرُ اَنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ وَقَالَ مَالِكٌ مَاتَ (مجمع البحار)

کہ اکثر کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی، لیکن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔

(۴) امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یوں لکھا ہے:۔

تَمَسَّكَ ابْنُ حَزْمٍ بِظَاهِرِ الْاٰیَةِ وَقَالَ بِمَوْتِهٖ۔ (جلالین حاشیہ زیر آیت فلما توفیتنی)

کہ علامہ ابن حزمؒ نے آیت کے ظاہری معنوں کو اختیار کیا ہے اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل تھے۔

(۵) حافظ ابن القیّم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

وَاَمَّا مَا یُذْکَرُ عَنِ الْمَسِیْحِ اَنَّهٗ رُفِعَ اِلَی

السَّمَاءِ وَلَهٗ ثَلَاثَةٌ وَّثَلَاثُوْنَ سَنَةً فَهٰذَا لَا يُعْرَفُ لَهٗ اَثَرٌ مُّتَّصِلٌ يَجِبُ الْمَصِيْرُ اِلَيْهِ۔ (زاد المعاد جلد اول صفحہ ۲۰ مطبوعہ مطبعۃ المیمنیۃ مصر۔ نیز دیکھئے فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۹ مؤلفہ صدیق بن حسن القنوجی)

"کہ یہ جو حضرت مسیحؑ کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے اور ان کی عمر ۳۳ سال تھی اس کی کوئی متصل سند ایسی نہیں ملتی جس کی طرف رجوع واجب ہو۔"

نیز آپ زاد المعاد مصری جلد ۱ صفحہ ۳۰۴ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

لَمَّا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَقَامِ خَرْقِ الْعَوَائِدِ حَتّٰى شُقَّ بَطْنُهٗ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَتَأَلَّمُ بِذٰلِكَ عُرِجَ بِذَاتِ رُوْحِهِ الْمُقَدَّسَةِ حَقِيْقَةً مِّنْ غَيْرِ اِمَاتَةٍ وَمَنْ سِوَاهُ لَا يَنَالُ بِذَاتِ رُوْحِهِ الصُّعُوْدَ اِلَى السَّمَاءِ اِلَّا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْمُفَارَقَةِ فَالْاَنْبِيَاءُ اِنَّمَا اسْتَقَرَّتْ اَرْوَاحُهُمْ هُنَاكَ بَعْدَ

مُفَارَقَةِ الْاَبْدَانِ وَرُوْحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَعِدَتْ اِلٰى هُنَاكَ فِيْ حَالِ الْحَيَاةِ ثُمَّ عَادَتْ وَبَعْدَ وَفَاتِهٖ اسْتَقَرَّتْ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى مَعَ اَرْوَاحِ الْاَنْبِيَاءِ۔

چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خرقِ عادات کے مقام پر تھے یہاں تک کہ آپؐ کا پیٹ پھاڑا گیا اس حال میں کہ آپؐ زندہ رہے اور اس سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچی اور پھر حضورؐ کو اپنی مقدس روح کے ساتھ حقیقتاً موت کے بغیر معراج ہوا اور آپؐ کے سوا کوئی اور شخص اپنی روح کے ساتھ آسمان کی طرف صعود صرف موت اور مفارقتِ بدن کے بعد ہی حاصل کرتا ہے۔ پس تمام انبیاء کی ارواح نے آسمان پر موت اور مفارقتِ بدن کے بعد ہی قرار پکڑا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس روح نے زندگی کے عالم میں ہی آسمان پر صعود کیا۔ پھر واپس آئی اور آپ کی وفات

کے بعد رفیق اعلیٰ میں نبیوں کی روحوں کیساتھ متمکن ہو گئی۔

(۶) علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ زیر آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي لکھتے ہیں:-

قِيلَ هٰذَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ تَوَفَّاهُ قَبْلَ اَنْ يَّرْفَعَهٗ (فتح القدیر قلمی صـ۴)

ترجمۃ:- کہا گیا ہے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کا رفع کرنے سے پہلے انہیں وفات دیدی تھی۔

(۷) ابو عبداللہ محمد بن یوسف زیر آیت ہذا لکھتے ہیں:-

قَالَ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ تَوَفَّاهُ وَفَاتَ الْمَوْتِ قَبْلَ اَنْ يَّرْفَعَهٗ۔ (بحر محیط جزء ۴ صـ۶۱)

(۸) علامہ جبائی مشہور شیعہ مفسر زیر آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي لکھتے ہیں:-

96

وَفِي هٰذِهِ الْاٰيَةِ دَلَالَةٌ اَنَّهٗ اَمَاتَ عِيْسٰى وَتَوَفَّاهُ ثُمَّ رَفَعَهٗ اِلَيْهِ۔ (تفسیر مجمع البیان جلد اوّل زیر آیت ہذا)

ترجمہ:- اس آیت میں یہ دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو موت دی اور پھر ان کا رفع اپنی طرف کیا۔

(۹) شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ الخ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:-

رَفْعُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اتِّصَالُ رُوْحِهٖ عِنْدَ الْمُفَارَقَةِ عَنِ الْعَالَمِ السُّفْلِيِّ بِالْعَالَمِ الْعُلْوِيِّ وَكَوْنُهٗ فِي السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ اِشَارَةٌ اَنَّ مَصْدَرَ فَيَضَانِ رُوْحِهٖ رُوْحَانِيَّةُ فَلَكِ الشَّمْسِ الَّذِيْ هُوَ بِمَثَابَةِ قَلْبِ الْعَالَمِ وَمَرْجِعُهٗ اِلَيْهِ وَتِلْكَ الرُّوْحَانِيَّةُ نُوْرٌ يُحَرِّكُ ذٰلِكَ الْفَلَكَ بِمَعْشُوْقِيَّتِهٖ وَاِشْرَاقُ اَشِعَّتِهٖ عَلٰى نَفْسِهِ الْمُبَاشَرَةِ لِتَحْرِيْكِهٖ وَلَمَّا كَانَ مَرْجِعُهٗ

97 اِلَى مُقَرِّهِ الْاَصْلِيِّ وَلَمْ يَصِلْ اِلَى الْكَمَالِ
الْحَقِيْقِيِّ وَجَبَ نُزُوْلُهٗ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ
بِتَعَلُّقِهٖ بِبَدَنٍ اٰخَرَ۔" (تفسیر حضرت ابن عربیؒ صـــ۶۵)

کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے رفع کا مطلب یہ ہے کہ مفارقت کے وقت آپ کی روح عالمِ سفلی سے نکل کر عالمِ علوی سے متصل ہوگئی اور ان کے چوتھے آسمان پر ہونے میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کی روح کے فیضان کا جائے صدور اس سورج کے آسمان کی روحانیت ہے جو دنیا جہان کے دل سے مشابہ ہے اور آپکا مرجع بھی اسی کی طرف ہے اور وہ روحانیت ایک نور ہے جو اس آسمان کو اپنے عشق سے منور کرتا ہے اور اس کے نفس پر شعاعوں کا چمکنا اسی کی تحریک سے ہے اور چونکہ حضرت عیسٰیؑ کا مرجع اس کی اصل جائے قرار کی طرف ہے اور اپنے کمالِ حقیقی تک رسائی نہیں پا سکتا لہذا آپ آخری زمانہ میں کسی دوسرے وجود کے ساتھ نزول فرمائیں گے۔

وفاتِ مسیحؑ

اور

علماءِ مصر

(۱) علامہ رشید رضا سابق مفتی مصر و ایڈیٹر رسالہ المنار

اَلْقَوْلُ بِهِجْرَةِ الْمَسِيْحِ اِلَى الْهِنْدِ وَمَوْتِهٖ فِيْ بَلْدَةِ سِرِيْنَكَر فِيْ كَشْمِيْر کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

"فَفِرَارُهٗ اِلَى الْهِنْدِ وَمَوْتُهٗ فِيْ ذٰلِكَ الْبَلْدَةِ لَيْسَ بِبَعِيْدٍ عَقْلًا وَنَقْلًا۔"

(رسالہ المنار جلد ۵ صـــ۹۰۰-۹۰۱)

ترجمہ:- مسیح کا ہندوستان جانا اور ان کی اس شہر (سرینگر) میں موت عقل و نقل کی رُو سے بعید نہیں۔

(۲) علامہ مفتی محمد عبدہٗ

آپ نے آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کے معنوں کی تائید میں لکھا ہے:-

اَلتَّوَفِّیْ ھُوَ الْاِمَاتَۃُ کَمَا ھُوَ الظَّاھِرُ الْمُتَبَادِرُ (المنار)

کہ یہاں توفی سے موت مراد ہے اور ظاہر اور متبادر الفہم یہی معنی ہیں۔

(۳) الاستاذ محمود شلتوت سابق مفتی مصر و ریکٹر الازہر

یونیورسٹی۔ قاہرہ نے اپنے فتویٰ میں تفصیلی طور پر وفاتِ مسیحؑ کے تمام پہلوؤں پر بحث کی ہے اور بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ وفات مسیح کے قائل مسلمانوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کرنا قطعاً جائز نہیں بحث کے آخر پر لکھتے ہیں:-

۱- اِنَّہٗ لَیْسَ فِی الْقُرْاٰنِ الْکَرِیْمِ وَلَا فِی السُّنَّۃِ الْمُطَھَّرَۃِ مُسْتَنَدٌ یَصْلَحُ لِتَکْوِیْنِ عَقِیْدَۃٍ یَطْمَئِنُّ اِلَیْھَا الْقَلْبُ بِاَنَّ عِیْسٰی رُفِعَ بِجَسَدِہٖ اِلَی السَّمَاءِ وَاِنَّہٗ اِلَی الْاٰنِ فِیْھَا

۲- اِنَّ کُلَّ مَا تُفِیْدُ الْاٰیَاتُ الْوَارِدَۃُ فِیْ ھٰذَا الشَّاْنِ ھُوَ وَعْدُ اللّٰہِ عِیْسٰی بِاَنَّہٗ مُتَوَفِّیْہِ اَجَلَہٗ وَرَافِعُہٗ اِلَیْہِ وَعَاصِمُہٗ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَاَنَّ ھٰذَا الْوَعْدَ قَدْ تَحَقَّقَ فَلَمْ یَقْتُلْہُ اَعْدَاءُہٗ وَلَمْ یَصْلِبُوْہُ وَلٰکِنْ وَفَّاہُ اللّٰہُ اَجَلَہٗ وَرَفَعَہٗ اِلَیْہِ۔

(یہ فتویٰ سب سے پہلے الرسالۃ ۵ ا مئی ۱۹۴۲ء جلد ۱۰ صفحہ ۶۴۲ میں شائع ہوا اور بعد میں الفتاوی کے نام سے مجموعہ فتاوی علامہ شلتوت میں الادارۃ العامۃ للثقافۃ الاسلامیۃ بالازھر کے زیر اہتمام شائع ہوا۔)

ترجمہ:- ۱- قرآن کریم اور سنّت مطہرہ میں کوئی ایسی مستند نص نہیں ہے جو اس عقیدہ کی بنیاد بن سکے اور جس پر دل مطمئن ہو سکے کہ عیسیٰ علیہ السلام مع اپنے جسم کے آسمان پر اُٹھائے گئے اور وہ اب تک وہاں موجود ہیں۔

۲- اس بارے میں جتنی آیات (قرآن کریم میں) وارد ہیں انکا مفاد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ تھا کہ وہ خود ان کی عمر پوری کر کے وفات دیگا اور ان کا اپنی طرف رفع کریگا اور انہیں ان کے منکرین سے محفوظ رکھے گا اور یہ وعدہ پورا ہو چکا ہے چنانچہ ان کے دشمنوں نے انہیں نہ قتل کیا نہ صلیب دے سکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مقدر عمر پوری کی اور پھر ان کا رفع اپنی طرف کیا۔

نوٹ:- اس فتویٰ کے علاوہ علامہ موصوف نے مسیح علیہ السلام کی وفات اور رفع کے متعلق ایک مبسوط مضمون ازہر یونیورسٹی کے رسالہ "مجلۃ الازھر" فروری ۱۹۶۰ء کے انگریزی حصہ میں THE ASCENSION OF JESUS کے عنوان سے شائع کروایا تھا۔

جسکا ترجمہ نظارت اصلاح وارشاد نے "رفع عیسیٰ" کے نام سے شائع کیا ہے۔

(۴) **الاستاذ احمد العجوز** اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں جس کا عکس ہمارے پاس موجود ہے۔

إِنَّ السَّيِّدَ الْمَسِيْحَ قَدْ مَاتَ فِي الْأَرْضِ حَسْبَ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى إِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ أَيْ مُمِيْتُكَ وَالْمَوْتُ أَمْرٌ كَائِنٌ لَا مَحَالَةَ إِذْ قَالَ اللّٰهُ عَنْ لِسَانِهِ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوْتُ۔

ترجمہ:- یقیناً سیّدنا مسیح زمین میں وفات پا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قول اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے مطابق (اور اس کے معنی ہیں) کہ میں تجھے موت دینے والا ہوں اور موت بہرحال واقع ہونے والی چیز ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسیح کی زبان سے فرمایا کہ سلامتی ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مرونگا۔

(۵) الأستاذ مصطفی المراغی اپنی تفسیر میں زیر آیت یٰعیسیٰ اِنّی مُتَوَفِّیکَ لکھتے ہیں :-

"وَفِی هٰذَا بِشَارَةٌ بِنَجَاتِهٖ مِنْ مَکْرِهِمْ وَابْتِغَاءِ اَجَلِهٖ وَاَنَّهُمْ لَا یَنَالُوْنَ مِنْهُ مَا کَانُوْا یُرِیْدُوْنَ بِمَکْرِهِمْ وَخُبْثِهِمْ وَاَنَّ التَّوَفِّیْ هُوَ الْاِمَاتَةُ الْعَادِیَةُ وَاَنَّ الرَّفْعَ بَعْدَهٗ لِلرُّوْحِ وَالْمَعْنٰی اِنِّیْ مُمِیْتُکَ وَجَاعِلُکَ بَعْدَ الْمَوْتِ فِیْ مَکَانٍ رَفِیْعٍ عِنْدِیْ کَمَا قَالَ فِیْ اِدْرِیْسَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَرَفَعْنَاهُ مَکَانًا عَلِیًّا۔"

(تفسیر المراغی الجزء الثالث صـ ۱۶۵)

ترجمہ :- اس آیت میں اس امر کی بشارت ہے کہ مسیح (اپنے دشمنوں کی) تدابیر سے نجات پائے گا اور اپنی عمر کی مدت حاصل کرلے گا اور یہ کہ اس کے دشمن اپنے خبث اور

تدابیر کے بل پر اس سے جو حاصل کرنا چاہتے تھے اس میں وہ کامیاب نہیں ہونگے اور توفّی سے روزمرّہ کی موت مراد ہے اور رفع موت کے بعد روح کے لیے ہے اور معنی یہ ہیں کہ میں تجھے موت دونگا اور موت کے بعد تجھے اپنے حضور بلند مرتبہ پر فائز کرونگا جیسا کہ ادریس علیہ السلام کے بارے میں بھی فرمایا ہے "وَرَفَعْنَاهُ مَکَانًا عَلِیًّا" کہ ہم نے اُس کو بلند مقام دیا۔

(۶) الاستاذ عبدالکریم الشریف تحریر فرماتے ہیں :-

"وَالْمَسِیْحُ عَلَیْهِ السَّلَامُ طَبْعًا کَمَا یَذْکُرُ الْقُرْاٰنُ قَدْ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ وَرَفَعَهٗ اِلَیْهِ وَطَهَّرَهٗ مِثْلَ مَا یَتَوَفَّانَا وَیَرْفَعُنَا اِلَیْهِ"۔

(النفحة من التاویل)

ترجمہ :- اور مسیح علیہ السلام بھی طبعاً جیسا کہ قرآن کریم نے ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دی اور پھر ان کا اپنی

طرف رفع فرمایا اور ان کو پاک کیا جیسا کہ وہ ہمیں وفات
دیتا ہے اور ہمیں اپنی طرف اٹھاتا ہے ۔

(۷) الاُستاذ عبدالوہاب النجار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی
سوانح میں آیت قرآنی وَکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ
فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کا ذکر کرکے لکھتے ہیں :-

وَاِنَّهٗ کَانَ یُرَاقِبُهُمْ وَیُسَدِّدُهُمْ بِالنَّصَائِحِ
اِلٰی وَفَاتِهٖ وَبَعْدَ ذٰلِکَ کَانَ اللّٰهُ رَقِیْبَهُمْ ۔

(قصص الانبیاء ایڈیشن چہارم ۱۹۵۶ء)

ترجمہ :- اور مسیح علیہ السلام اپنی وفات تک اپنی قوم کی نگرانی
فرماتے رہے اور نصائح کے ذریعہ اپنی وفات تک انہیں
سیدھا کرتے رہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر
نگران تھا ۔

(۸) ڈاکٹر احمد زکی ابوشادی ارجنٹائن کے مشہور عربی رسالہ

المواہب میں اپنے تحقیقی مضمون "ہل القرآن معجزة ؟" میں
لکھتے ہیں :-

وَالْاِسْلَامُ یَعْرِفُ اَنَّ اللّٰهَ فِیْ کُلِّ مَکَانٍ
وَاَنَّهٗ نُوْرُ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَعِبَارَةُ
"رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ" لَیْسَتْ بِمَعْنَاهَا
الْمَادِیِّ اَیْ رَفْعُهٗ اِلَی السَّمَاءِ حَسْبَ
تَفْکِیْرِ الْمَسِیْحِیِّیْنَ .... فَالرَّفْعُ
هُنَا بِمَعْنِی الْاَخْذِ وَالتَّکْرِیْمِ خُفْیَةً
بِعَکْسِ حِقَارَةِ الْمَوْتِ صُلْبًا کَمَا یَقْتُلُ
الْمُجْرِمُوْنَ وَالتَّفَاسِیْرُ الْاُخْرَی الَّتِیْ
اَخَذَ بِهَا بَعْضُ شُرَّاحِ الْمُسْلِمِیْنَ هِیَ
اَقْرَبُ اِلَی التَّفَاسِیْرِ الشِّعْرِیَّةِ مِنْهَا
اِلَی الْمَنْطِقِ السَّلِیْمِ لِاَنَّ ثَقَافَةَ
اَصْحَابِهَا الْعِلْمِیَّةَ مَحْدُوْدَةٌ ۔

(المواہب ۱۹۵۵ء)

ترجمہ :- اسلام کا معروف عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے اور وہ آسمان وزمین کا نور ہے پس رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ اپنے مادّی معنوں میں نہیں ہے کہ اللہ نے مسیحؑ کو آسمان پر عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق اٹھا لیا ....
بلکہ رفع کے معنی یہاں بچانا اور اعزاز دینا ہے برعکس حقیر صلیبی موت کے جو مجرموں کو دی جاتی ہے۔
اور دوسری تفاسیر جنہیں بعض مسلمان مفسّرین نے بھی اختیار کیا ہے وہ منطقِ سلیم کی بجائے شاعرانہ تفاسیر ہیں! وران مفسّرین کی ثقاہت علمی نہایت محدود ہے۔

وفاتِ مسیحؑ

اور

علمائے ہند و پاکستان

(۱) حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

"پیغمبرؐ گفت اندر شبِ معراج آدم صفی اللہ و یوسف صدّیق و موسیٰ کلیم اللہ و ہارون حلیم و عیسیٰ روح اللہ و ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہم اجمعین علی نبیّنا و علیہم اندر آسمان ھا دیدم لامحالہ آں ارواحِ ایشاں بود۔"

(کشف المحجوب مطبوعہ مطبع پنجابی لاہور صفحہ ۱۵۹)

اس کا مطبوعہ ترجمہ یوں کیا گیا ہے :-

" اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات آدم صفی اللہ اور یوسف صدّیق۔ موسیٰ کلیم اللہ اور ہارون اور عیسیٰ روح اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کو آسمان پر دیکھا۔ ضرور وہ ان کی روحیں ہوں گی "

(کشف المحجوب مترجم اُردو فصل ششم روح کے بیان میں صفحہ ۲۹۴ مطبوعہ مطبع عزیزی لاہور سنہ ۱۳۲۲ھ)

(۲) مولانا عبیداللہ سندھی تحریر فرماتے ہیں :-

وَمَعْنیٰ مُتَوَفِّیْكَ مُمِیْتُكَ وَاَمَّا مَاشَاعَ بَیْنَ النَّاسِ مِنْ حَیَاةِ عِیسیٰ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَهِیَ اُسْطُوْرَةٌ یَهُوْدِیَّةٌ وَصَابِیَّةٌ ......

...... وَلَا یَخْفیٰ اَنَّ مَرْجِعَ الْعُلُوْمِ الْاِسْلَامِیَّةِ ...... هُوَ الْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ

وَلَیْسَ فِیْهِ اٰیَةٌ تَدُلُّ صَرَاحَةً عَلیٰ اَنَّ عِیْسیٰ لَمْ یَمُتْ وَاَنَّهٗ حَیٌّ سَیَنْزِلُ اِلَّا الْاِسْتِنْبَاطَاتِ وَتَفْسِیْرَاتِ مِنَ الْبَعْضِ وَلَا یَخْلُوْ ذٰلِكَ مِنْ شُکُوْكٍ وَشُبَهٍ وَمَا کَانَ بِهٰذِهِ الْمَثَابَةِ کَیْفَ یُمْکِنُ اَنْ نَتَّخِذَهٗ مَبْنیٰ بِعَقِیْدَةٍ اِسْلَامِیَّةٍ -

(الہام الرحمان فی تفسیر القرآن الجزء الثانی ص ۴۹)

ترجمہ :- مُتَوَفِّیْكَ کے معنی ہیں میں تجھے موت دوں گا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بارہ میں جو کچھ لوگوں میں مشہور ہے وہ ایک یہودی اور صابی افسانہ ہے .... یہ بات مخفی نہیں کہ علوم اسلامی کا مرجع قرآن عظیم ہے اور اس میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جو صراحت کے ساتھ ثابت کرتی ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی اور کہ وہ زندہ ہیں اور عنقریب نازل ہوں گے۔ سوائے (بعض لوگوں کے) استنباط اور استدلالات اور تفاسیر کے اور یہ آراء و

استدلالات شک وشبہ سے بالا نہیں ہیں۔ پس انکو ایک اسلامی عقیدہ کی بنیاد کس طرح مانا جا سکتا ہے۔

(۳) نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب لکھتے ہیں:۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ

دو طرح سے آدمیوں کو مار ڈالنے کا دستور تھا۔ ایک صلیب پر لٹکا رہنے دینے سے۔ یہ سزا سنگین جرائم کے مرتکبوں اور غلاموں کو دی جاتی تھی۔ جو تین چار روز صلیب پر لٹکے ہوئے بھوک پیاس کی شدت اور زخموں کے درد اور دھوپ کی تپش اور دورانِ خون کی سوء مزاجی سے مر جاتے تھے اور دوسری قسم دفعۃً جان سے مار ڈالنے کی تھی اور وہ دو طرح سے تھی:۔

۱۔ سنگسار کرنا۔
۲۔ تلوار سے قتل کرنا۔

مگر صورت بنا دی گئی اور اس طور کہ حضرت عیسیٰؑ ان لوگوں کو جو صلیب کا اہتمام کر رہے تھے مردہ نظر آئے کیونکہ وہ تمام شب کے جاگنے اور صدمات کی برداشت اور میخوں کی اذیّت سے غشی یا بے ہوشی میں آ گئے تھے۔ اس سے انہوں نے سمجھا کہ یہ مر گئے مگر چونکہ اس وقت موسم اچھا تھا یعنی ابر چھا رہا تھا (متی ۲۷/۴۵ مارق ۱۵/۳۴ لوق ۲۳/۴۴) دھوپ کی تکلیف نہ تھی اور پھر وہ جلدی ہی اُتار لیے گئے اس وجہ سے زیادہ صدمہ نہیں پہنچا۔

حشویہ اور عامہ مفسّرین نے اس جملے کی تفسیر میں یہ معنی لگائے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی صورت ایک اَور شخص پر القاء کی گئی یہ محض ایک سفسطہ ہے ورنہ ہم اپنے مخاطبوں یا مخالفوں کو ایسا ہی سمجھ سکتے ہیں کہ جب ہم ان میں ایک شخص مخصوص کو دیکھیں اور وہ دراصل وہ نہ ہو بلکہ کسی اَور کی صورت اس پر القاء ہوئی ہو تو اس سے تو معاملات پر سے اعتبار جاتا رہتا ہے اور نکاح وطلاق اور ملک پر وثوق نہیں رہتا۔ اگر ہم شُبِّہَ

اس لیے قرآن مجید میں دونوں قسموں کی موت سے انکار ہوا ہے ——— کہ نہ تو حضرت عیسیٰؑ کو پتھراؤ کر کے یا تلوار سے مارا اور نہ صلیب پر چڑھا کے مارا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ یہود کا ایسا بیان ہے کہ پہلے حضرت عیسیٰ سنگسار کر دیئے گئے۔ چنانچہ یہود کی کتاب مشنا اور تالمود یوروشلم اور تالمود بابل سنہدریم کے بیان میں ایسا ہی لکھا ہے۔ (دیکھو اربسط بیان کا تذکرۂ مسیحؑ باب ۲۵ صفحہ ۲۸۴) اور عیسائیوں کا بیان ہے کہ وہ صلیب پر مارے گئے اس لیے قرآن میں ان دونوں باتوں پر اشارہ ہے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ یعنی نہ قتل بذریعہ سنگساری ہوا اور نہ قتل بذریعہ صلیب ہوا۔ نہ یہ کہ وہ مطلق صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے کیونکہ مطلق صلیب کی نفی کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ صلیب پر ہاتھوں میں میخ ٹھوکنے اور پیر باندھ دینا اور پھر تین گھنٹے بعد اُتار لینا مار ڈالنے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ تصلیب کی نفی سے صلیبی موت مراد ہے۔

وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ

کو مسیحؑ کی طرف مُسند کرتے ہیں جیسا کہ عامہ مفسّرین کرتے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ وہ مشبّہ بہ ہیں نہ کہ مشبّہ اور اگر اس خیالی اور غیر واقعی شخص کی طرف، جو مقتول ہوا بتلاتے ہیں، مُسند کرتے ہیں تو اس کا ذکر کچھ قرآن میں نہیں۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۔

اور جو لوگ اس میں یعنی ان کی صلیبی موت کی نسبت باتیں نکالتے ہیں وہ اس جگہ شبہ میں پڑ جاتے ہیں اور کچھ نہیں ان کو اس کی خبر مگر اٹکل پر چلنا۔ ہم نے دفعہ ۱۶ میں بیان کیا ہے کہ یہ اختلاف کیا تھا۔ یعنی ایک تو یہود کا قول کہ ہم نے قتل کیا۔ دوسرے عام عیسائیوں کا عقیدہ کہ وہ قتل ہوئے۔ تیسرے فرقہ باسالیدیان اور سرن تھیان کا قول کہ ان کی جگہ یوسف شمعون قتل ہوئے تھے چوتھے برنباس کا قول کہ ان کی جگہ یہودا سکریوطی قتل ہوا۔ ان سب کو قرآن نے فرمایا ہے کہ اٹکل پر چلتے ہیں۔ اس میں سے کسی بات کا ان کو قطعی علم

نہیں ہے چنانچہ حضرت مسیحؑ کا صلیب پر نہ مرنا تو ہم نے مقدمات
۷-۸-۹ میں ثابت کیا ہے اور کسی اَور کا اُن کی جگہ مصلوب
ہو جانا ایک بے ثبوت بات ہے اور قرائن اس کے خلاف ہیں۔
کیونکہ شمعون قرینی بعد میں عرصہ تک زندہ رہا اور عیسائیوں
کی جماعت میں شامل اور شریک رہا اور یہودا اسکریوطی کا
حال بھی معلوم ہے کہ وہ بعد میں مر گیا۔

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا

اور اس کو اچھی طرح سے قتل نہیں کیا یعنی جیسا قتل کرنے
کا حق تھا ویسا قتل نہیں کیا یا یقیناً قتل نہیں کیا۔ اور کیونکہ
وہ یقیناً قتل ہو سکتے تھے حالانکہ وہ صرف تخمیناً تین گھنٹے
صلیب پر رہے اور وہ موت کے لیے کافی نہیں ہے۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ

بلکہ خدا نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ خدا کی طرف جانا یا اُٹھا
لیا جانا ایسا ہی ہے جیسے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا :-

اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ (صٰفٰت : ۹۷)

اور مہاجروں کی نسبت کہا وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ
مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ (نساء : ۱۰۱)
یہ بات تعظیم و تشریف و تفخیم کے طور پر کہی جاتی ہے نہ یہ کہ
وہ درحقیقت آسمان کی طرف بادلوں میں اُڑتے ہوئے نظر آئے
اور کسی آسمان پر جا بیٹھے۔ ان باتوں کی ہمارے ہاں کوئی اصل
نہیں ہے بعد میں حضرت عیسیٰ یقیناً مر گئے، جس کی خبر قرآن
مجید میں دوسری جگہ دی گئی ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَ
رَافِعُكَ اِلَيَّ۔ (آل عمران : ۴۸)

جس کی تفسیر میں مفسرین نے بہت کچھ پس و پیش کیا ہے بلکہ
اس کو بالکل الٹ دیا ہے۔ وہ یوں پڑھتے ہیں :-

رَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُتَوَفِّيْكَ

مگر اصلی قرآن کی تو یہ عبارت نہیں ہے اگر مفسرین نے کوئی
نیا قرآن بنایا ہو تو اس میں ہو گی۔ پھر دوسری جگہ اَور بھی صاف ہے :-

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ

عَلَيْهِمْ (المائدہ: ۱۱۷)

کہ حضرت عیسیٰؑ جناب باری سے عرض کریں گے کہ جب تُو نے مجھے وفات دے دی تب تو اُن پر نگہبان رہا ان دونوں آیتوں میں وفات کا ذکر ہے اور یہ موت کی دلیل ہے۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا۔ (زمر: ۴۳)

پس ان کی وفات کی خبر بہت صاف ہے مگر یہ بات کہ وہ کب مرے اور کہاں مرے معلوم نہیں۔ جیسے کہ حضرت مریم کا حال پھر کچھ معلوم نہ ہوا حالانکہ حضرت عیسیٰؑ نے ان کو یوحنّا حواری کے سپرد کیا تھا اور یوحنّا حواری صاحبِ تصنیف بھی تھے پھر بھی کچھ حال ان کا نہیں لکھا اور حضرت مسیحؑ تو دشمنوں سے پوشیدہ دُور کے دیہات میں چلے گئے تھے۔"

(انتخاب مضامین تہذیب الاخلاق جلد سوم ص۲۱۱ تا ص۲۲۲ مطبوعہ سنہ ۱۸۹۶

(۴) سر سیّد احمد خان بانیٔ علی گڑھ یونیورسٹی

آپ اپنی تفسیر میں وفاتِ مسیحؑ پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے تحر

فرماتے ہیں:۔

"اب ہم کو قرآن مجید پر غور کرنا چاہیئے کہ اس میں کیا لکھا ہے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے متعلق چار جگہ ذکر آیا ہے ...... پہلی تین آیتوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا طبعی موت سے وفات پانا ظاہر ہے مگر چونکہ علماء اسلام نے بہ تقلید بعض فرق نصاریٰ کے قبل اس کے کہ قرآن پر غور کریں یہ تسلیم کر لیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں اس لیے انہوں نے ان آیتوں کے بعض الفاظ کو اپنی غیر محقق تسلیم کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔"

(پوری تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر احمدی مصنّفہ سر سیّد احمد خان جلد ۲ ص۴۸)

(۵) مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم

آپ ڈاکٹر انعام اللہ خان سالاری، بلوچستان کے ایک استفسار مرقومہ ۶ را پریل ۱۹۵۶ء کے جواب میں لکھتے ہیں۔

"وفاتِ مسیح کا ذکر خود قرآن مجید میں ہے مرزا صاحب کی تعریف اور برائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

(ملفوظاتِ آزاد مرتبہ محمد اجمل خان صٓ ۱۲۹، صٓ ۱۳۰ مطبوعہ مکتبۂ ماحول کراچی)

(۶) شاعرِ مشرق علامہ اقبال

"جہاں تک مَیں نے اس تحریک کی منشاء کو سمجھا ہے۔ احمدیوں کا یہ اعتقاد کہ مسیح کی موت ایک عام فانی انسان کی موت تھی اور رجعتِ مسیح گویا ایسے شخص کی آمد ہے جو روحانی حیثیت سے اس کا مشابہ ہو، اس خیال سے یہ تحریک معقولی رنگ رکھتی ہے۔"

(خطباتِ مدراس)

(۷) علامہ محمد عنایت اللہ المشرقی بانیٔ خاکسار تحریک

آپ اپنی مشہور تصنیف "تذکرہ" میں تفصیل سے وفاتِ مسیح علیہ السلام پر تاریخی شہادات پر بحث کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس میں یہ عبرت انگیز سبق موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ کی موت

بھی اسی سنتِ الٰہی کے مطابق ہوئی۔ جس کی بابت قرآن نے کہا ہے۔ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔"

(تذکرہ جلد اوّل حاشیہ صٓ ۱۶-۱۷)

(۸) غلام احمد صاحب پرویز ایڈیٹر ماہنامہ طلوعِ اسلام

آپ نے وفاتِ مسیح پر اپنی تصانیف میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ "شعلۂ مستور" میں آپ لکھتے ہیں۔

۱۔ "تصریحاتِ بالا سے یہ حقیقت سامنے آگئی کہ قرآن کریم نے کس طرح یہودیوں اور عیسائیوں کے اس خیال اور باطل عقیدہ کی تردید کردی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب دیا گیا تھا باقی رہا عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ آپ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے تھے تو قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ اس میں ایسے شواہد موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے دوسرے رسولوں کی طرح اپنی مدتِ عمر پوری کرنے کے بعد وفات پائی"۔

(شعلۂ مستور شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام کراچی صٓ ۴۷)

۲۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے زندہ آسمان پر اُٹھائے جانے کا تصوّر مذہب عیسائیت میں بعد کی اختراع ہے یہودیوں نے مشہور کر دیا اور بظاہر نظر بھی ایسا ہی لگتا تھا، کہ انہوں نے حضرت مسیحؑ کو صلیب پر قتل کر دیا ہے حواریوں کو معلوم تھا کہ حقیقتِ حال یہ نہیں لیکن وہ بھی بہ تقاضائے مصلحت اس کی تردید نہیں کر سکتے تھے۔ (ص ۸۳

(۹) سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے وفاتِ مسیحؑ کا اقرار تو نہیں کیا، لیکن

وہ لکھتے ہیں :۔

" قرآن کی رُو سے زیادہ مطابقت اگر کوئی طرزِ عمل رکھتا ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ رفع جسمانی کی تصریح سے بھی اجتناب کیا جائے اور موت کی تصریح سے بھی — بلکہ مسیح علیہ السلام کے اٹھائے جانے کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کا ایک غیر معمولی ظہور سمجھتے ہوئے اس کی کیفیت کو اسی طرح مجمل چھوڑ دیا جائے جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے مجمل چھوڑ دیا ہے۔ (مولانا مودودی پر اعتراضات کا علمی جائزہ مصنّفہ مولوی محمد یوسف حصّہ اوّل ص ۱۶۹)

نزولِ مسیح و ظہورِ مہدی

احادیثِ نبویّہ میں ابن مریم کے نزول کی جو پیشگوئی وارد ہے ہمارے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ اُمّتِ محمدیہؐ کا امام مہدی آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے رنگ میں رنگین ہو کر دُنیا کی اصلاح کے لیے آنے والا تھا۔ گویا ابن مریم کا لفظ احادیثِ نبویہ میں اس بات کے لیے ایک استعارہ تھا کہ ایک شخص امّتِ محمدیہؐ میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم صفت اور مثیل ہو کر ظاہر ہوگا۔ کسی لفظ کے بطور استعارہ استعمال کے اگر ضروری قرائن موجود ہوں تو اس لفظ کو مستعار سمجھا جائیگا اور اگر قرائن موجود نہ ہوں تو اس کا استعمال بطور حقیقت ہوگا نہ کہ بطور استعارہ۔

نزولِ مسیح کی چند حدیثیں درج ذیل ہیں :۔

۱۔ بخاری شریف۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :۔
كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَ اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ۔ (بخاری جلد ۱ ص ۴۹۵ باب نزول عیسیٰ مسند احمد جلد ۲ ص ۲۳۶ مطبوعہ مصر)

ترجمہ:- اے مسلمانو! تمہاری کیسی حالت ہوگی جب تمہارے درمیان
ابن مریم نازل ہوگا اس حال میں کہ وہ تم میں سے تمہارا
امام ہوگا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے ہی مروی ہے:۔

(۲) لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا
عَدْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ
وَيَضَعُ الْحَرْبَ۔

(بخاری جلد اوّل باب
نزول عیسیٰ مطبوعہ مطبع مجتبائی)

ترجمہ:- قریب ہے کہ تم میں ابن مریم حکم و عدل کی حیثیت میں نازل
ہو اور صلیب کو توڑے اور خنزیر کو قتل کرے اور جنگ کو روکے۔

۳- صحیح مسلم۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ فَأَمَّكُمْ
مِنْكُمْ۔

(صحیح مسلم مع شرح النووی جلد اوّل صـ۸۷)

دوسری روایت میں جو اس روایت سے بعد درج ہے متنِ حد

کے یہی الفاظ ظاہر کر کے لکھا ہے:۔

قَالَ ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ تَدْرِي مَا أَمَّكُمْ مِنْكُمْ
قُلْتُ تُخْبِرُنِي قَالَ فَأَمَّكُمْ بِكِتَابِ رَبِّكُمْ
عَزَّ وَجَلَّ وَسُنَّةِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ:- ابن ابی ذئبؓ نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ فَأَمَّكُمْ
مِنْكُمْ کے کیا معنی ہیں؟ مَیں نے کہا آپ ہی بتائیں تو انہوں
نے کہا کہ مسیح تمہارے ربّ کی کتاب اور تمہارے نبی کی سنّت
کے مطابق امامت کریں گے۔

۴- ابوہریرہؓ کی یہ روایت بھی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

لَيَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَلَيَكْسِرَنَّ
الصَّلِيبَ وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيرَ وَلَيَضَعَنَّ
الْجِزْيَةَ وَلَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعَى
عَلَيْهَا۔

(صحیح مسلم جلد ۱ مع شرح النووی صـ۸۷
مسند احمد جلد ۲ صـ۴۹۴)

ترجمہ:- ضرور نازل ہوگا ابن مریم حکم وعدل کی حیثیت میں پھر وہ
صلیب کو ضرور توڑے گا اور خنزیر کو ضرور قتل کریگا اور
جزیہ کو ضرور موقوف کر دے گا اور اونٹنیوں کو ضرور چھوڑ دیا
جائے گا پس وہ ضروری مہمات کے لیے استعمال نہیں کی جائیں
گی۔ (گویا نئی سواریاں نکل آئیں گی اس لیے تیز رفتاری کا کام
اونٹنیوں سے نہیں لیا جائے گا)۔

صحیح مسلم میں نواس بن سمعان سے روایت میں آنے والے مسیح کے لیے
عیسیٰ نبی اللہ کے الفاظ چار مرتبہ استعمال ہوئے ہیں فَیَھْبِطُ
نَبِیُّ اللّٰہِ عِیْسٰی۔

۵۔ مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:۔

یُوْشِکُ مَنْ عَاشَ مِنْکُمْ اَنْ یَّلْقٰی عِیْسَی
بْنَ مَرْیَمَ اِمَامًا مَّھْدِیًّا حَکَمًا عَدْلًا
فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ...... الخ

(جلد ۲ صفحہ ۴۱۱ مطبوعہ مصر)

ترجمہ:- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو زندہ رہے

گا قریب ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کرے درآنحالیکہ
وہ امام مہدی اور حکم وعدل ہوگا پس وہ صلیب کو توڑے گا
اور خنزیر مارے گا۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ امام مہدی اور مسیح موعود ایک ہی شخص ہوگا
اور اس کے مختلف کاموں کے لحاظ سے اس کے دو نام ہوں گے۔

۶۔ محمد بن خالد الجندی سے مروی ہے:۔

لَا یَزْدَادُ الْاَمْرُ اِلَّا شِدَّۃً وَلَا الدُّنْیَا اِلَّا
اِدْبَارًا وَلَا النَّاسُ اِلَّا شُحًّا وَلَا الْمَھْدِیُّ
اِلَّا عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ:- "معاملات میں شدت اور دنیا میں ادبار اور لوگوں میں
بخل بڑھ جائے گا اور عیسیٰ بن مریم کے سوا کوئی مہدی نہیں"۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مہدی اور عیسیٰ موعود دو شخص نہیں۔
لیکن ان دو احادیث کے باوجود ابن مریم یا عیسیٰ بن مریم کے الفاظ سے
بعض علماء میں یہ غلط فہمی ہوئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے خاکی جسم کے ساتھ
آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آخری زمانہ میں اتریں گے اور اسی غلط فہمی کی وجہ

سے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وفات کے معنی پر مشتمل الفاظ مُتَوَفِّيْكَ اور تَوَفَّيْتَنِيْ کی تاویل کی اور ان کے معنی روح اور جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اُٹھا لینا کر لئے حالانکہ یہ آیات وفاتِ مسیحؑ پر نصِّ صریح ہیں خود مفسرین کو انہی احادیث کی بناء پر وفات کی یہ تاویل کرنا مسلّم ہے:۔

اِنَّمَا احْتَاجَ الْمُفَسِّرُوْنَ اِلٰی تَاْوِيْلِ الْوَفَاةِ بِمَا ذُكِرَ لِاَنَّ الصَّحِيْحَ اَنَّ اللّٰهَ رَفَعَهٗ اِلَى السَّمَاءِ مِنْ غَيْرِ وَفَاةٍ (فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۹)

ترجمہ:۔ مفسرین (مسیحؑ کے بارے میں) الوفاۃ کی تاویل کرنے میں مجبور تھے۔ جیساکہ ذکر ہو چکا ہے۔ کیونکہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو آسمان پر بغیر وفات کے اٹھا لیا ہے۔

ایک دوسرا گروہ جس نے آیاتِ قرآنیہ کی تاویل نہ کی اور ان کو اصل معنی پر رکھکر یہ گروہ وفاتِ مسیحؑ کا قائل تھا اس نے آیاتِ قرانیہ کی تاویل کی بجائے احادیث نبویہ کی تاویل کی اور عیسیٰ بن مریم کے نزول سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک ہم صفت شخص کا ظہور تسلیم کیا۔ یا نزولِ عیسیٰ بن مریم سے مراد امام مہدی میں مسیح کا بروزی ظہور تسلیم کیا۔ چنانچہ امام سراج الدین ابن الوردی نے مسیحؑ کے اصالتاً

نزول کی تصدیق کے بعد ایک دوسرے گروہ کا عقیدہ یوں لکھا ہے:۔

"قَالَتْ فِرْقَةٌ مِنْ نُزُوْلِ عِيْسٰى خُرُوْجُ رَجُلٍ يُشْبِهُ عِيْسٰى فِي الْفَضْلِ وَالشَّرَفِ كَمَا يُقَالُ لِلرَّجُلِ الْخَيْرِ مَلَكٌ وَلِلشِّرِّيْرِ شَيْطَانٌ تَشْبِيْهًا بِهِمَا وَلَا يُرَادُ الْاَعْيَانُ۔" (خریدۃ العجائب وفریدۃ الرغائب ص ۲۱۴ مطبوعہ التقویم العلمی مصر)

ترجمہ:۔ ایک گروہ نے نزول عیسیٰؑ سے ایک ایسے شخص کا ظہور مراد لیا ہے جو فضل و شرف میں عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہوگا۔ جیسے تشبیہہ دینے کے لیے نیک آدمی کو فرشتہ اور شریر کو شیطان کہتے ہیں مگر اس سے مراد فرشتہ یا شیطان کی ذات نہیں ہوتی۔

واضح رہے کہ جماعت احمدیہ کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ محمد اکرم صاحب صابری اقتباس الانوار میں لکھتے ہیں:۔

"بعضے بر آنند کہ روح عیسیٰ در مہدی بروز کند و نزول عبارت از ہمیں بروز است مطابق ایں حدیث لا

مہدی الّا عیسیٰ بن مریم (صہ ۵۲)

ترجمہ:۔ بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰؑ کی روحانیت مہدی میں بروز (ظہور) کرے گی اور حدیث میں لفظ نزول سے مراد یہ بروز ہی ہے مطابق اس حدیث کے کہ نہیں ہے مہدی مگر عیسیٰ بن مریم۔

علاّمہ میبذی نے بھی شرح دیوان میں لکھا ہے :۔

"روحِ عیسیٰ علیہ السلام در مہدی علیہ السلام بروز کند و نزولِ عیسیٰ ایں بروز است" (غایۃ المقصود صہ ۲۱)

حضرت محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں :۔

"وَجَبَ نُزُوْلُہٗ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِہٖ بِبَدَنٍ اٰخَرَ" (تفسیر عرائس البیان جلد ۱ صہ ۲۶۲)

کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول آخری زمانہ میں ایک دوسرے بدن (وجود) کے ساتھ ضروری ہے۔

بُروز کی حقیقت

۱۔ شیخ محمد اکرم صابری اسی جگہ بروز کے معنی یہ بیان فرماتے ہیں :۔

"روحانیتِ کُمّل گاہے بر اربابِ ریاضت چناں تصرّف می فرماید کہ فاعلِ افعالِ شاں می گردد و ایں مرتبہ را صوفیاء بروز می گویند" (اقتباس الانوار صہ ۵۲)

ترجمہ:۔ کامل لوگوں کی روحانیت اربابِ ریاضت پر ایسا تصرّف کرتی ہے کہ وہ روحانیت ان کے افعال کی فاعل ہو جاتی ہے اس مرتبہ کو صوفیاء بروز کہتے ہیں۔

۲۔ خواجہ غلام فرید آف چاچڑاں شریف فرماتے ہیں :۔

وَالْبُرُوْزُ اَنْ یَّفِیْضَ رُوْحٌ مِنْ اَرْوَاحِ الْکُمَّلِ عَلٰی کَامِلٍ کَمَا یُفِیْضُ عَلَیْہِ التَّجَلِّیَاتُ وَھُوَ یَصِیْرُ مَظْھَرَہٗ وَیَقُوْلُ اَنَا ھُوَ۔ (اشاراتِ فریدی حصّہ دوم صہ ۱۱۰)

ترجمہ: بروز یہ ہے کہ کاملین کی ارواح میں سے کوئی روح کسی کامل انسان پر افاضہ کرے جیسا کہ اس پر تجلیات کا افاضہ ہوتا ہے اور وہ اس کا مظہر بن جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں وہی ہوں۔

۳۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز قرار دیکر کہتے ہیں :۔

هٰذَا وُجُوْدُ جَدِّیْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا وُجُوْدُ عَبْدِ الْقَادِرِ۔

(گلدستہ کرامات مؤلفہ مفتی غلام سرور صاحب مطبوعہ افتخار دہلوی صٖ۸)

ترجمہ :۔ میرا وجود میرے دادا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے عبد القادر کا وجود نہیں۔

اس عبارت میں حضرت شیخ عبد القادر علیہ الرحمۃ نے اپنا فنا فی الرسول ہونے کا مقام بیان کیا ہے گویا کہ فنا فی الرسول کا مقام حاصل کرنے کی وجہ سے آپکا وجود بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود بن گیا نہ کہ اصالتاً"۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ثابت ہے اس لیے یہ امر استعارہ کے لیے قرینہ حالیہ ہے کہ حضرت شیخ عبد القادر علیہ الرحمۃ نے اپنے آپ کو فنا فی رسول ہونے کی وجہ سے بروزی طور پر استعارۃً محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا ہے۔

مسیح موعود علیہ السّلام کا بروزی نزول

اسی طرح چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نصوص قرآنیہ وحدیثیہ سے ثابت ہے اس لیے نزول ابن مریم کا مفہوم یہی ہو سکتا ہے کہ اُمّتِ محمدیہ کا امام مہدی ہی عیسیٰ علیہ السلام کا بروز ہوگا اور اسے حدیثوں میں

عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ اور مثیل ہونے کی وجہ سے ابن مریم اور عیسیٰ بن مریم کا نام دیا گیا۔

امام مہدیؑ کے لیے ابن مریم کا نام بطور استعارہ

مسند احمد بن حنبل اور ابن ماجہ کی ہر دو احادیث اس بات کی مؤید ہیں کہ عیسیٰ بن مریم اُمّتِ محمدیہ کے امام مہدی کا ہی صفاتی نام ہے جو اسے بطور استعارہ دیا گیا۔

امام فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے :۔

اِطْلَاقُ اِسْمِ الشَّیْءِ عَلٰی مَا یُشَابِھُہٗ فِیْ اَکْثَرِ خَوَاصِہٖ وَصِفَاتِہٖ جَائِزٌ حَسَنٌ (تفسیر کبیر جلد ۲ صٖ۶۸۹)

یعنی کسی چیز کا نام دوسری چیز پر جو اس کی اکثر خواص اور صفات میں مشابہت رکھے اطلاق کرنا جائز اور مستحسن ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن مجید میں وارد ہے :۔

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ (الطلاق: ۱۱)

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول کی خبر دی گئی ہے جبکہ آپؐ اپنی والدہ کے بطن سے پیدا ہوئے، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مبعوث فرمایا اس لیے اجلال اور اکرام کے طور پر آپؐ کے لیے نزول کا لفظ استعمال فرمایا۔ اسی طرح احادیثِ نبویہ میں مثیل عیسٰی کے لیے نزول کا لفظ اکراماً استعمال کیا گیا ہے جبکہ بحیثیتِ امام مہدی اُمّت میں وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہونے والا تھا۔

دوسری بات اس آیت سے یہ ظاہر ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم سے مشابہ ہونے کی وجہ سے استعارۃً "ذِکْرٌ" قرار دیا گیا ہے۔

علامہ محمد اسماعیل حقی اپنی تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں :-

"اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "ذکر" سے جو قرآن مجید میں ہے شدید ملابست (شدید تعلق) کی وجہ سے تشبیہہ دی گئی ہے فَاُطْلِقَ عَلَيْهِ اِسْمُ الْمُشَبَّهِ بِهٖ اِسْتِعَارَةً تَصْرِيْحِيَّةً۔ اس طرح مشبّہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مشبّہ بہ کا نام استعارہ تصریحیہ کے طور پر دیا گیا ہے۔"

اس سے یہ واضح ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتاً ذِکْر نہیں۔ استعارہ اور مجاز کے طور پر آپؐ کو ذکر قرار دیا گیا ہے۔ ویسے ہی پیشگوئی میں عیسیٰ بن مریم کا لفظ امّتِ محمدیہ کے مسیح موعود کے لیے استعارہ ہے۔ حقیقتاً مسیح بن مریم کا آسمان سے اُترنا مراد نہیں۔

کنیت بھی بطور استعارہ استعمال ہو سکتی ہے علامہ زمخشری نے آیت هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ کی تفسیر میں لکھا ہے :-

"مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ قیامت کو جو رزق ملے گا یہ اس رزق کی مانند ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا (نہ کہ حقیقتاً وہی رزق ناقل) اور دلیل (یعنی قرینہ) اس کا وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ہے (یعنی وہ دنیا کے رزق سے ملتا جلتا رزق دیئے جائیں گے۔ ناقل)

اس کی مثال میں علامہ زمخشری لکھتے ہیں :-

"هٰذَا كَقَوْلِكَ اَبُوْ يُوْسُفَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ تُرِيْدُ اَنَّهٗ لِاِسْتِحْكَامِ الشَّبَهِ كَاَنَّ ذَاتَهٗ ذَاتُهٗ۔"

(تفسیر الکشاف جلد ۱ صـ۲۰۲)

ترجمہ:۔ قیامت کے رزق کو دنیا کا رزق قرار دینا تیرے اس قول کی مانند ہے کہ ابو یوسف ابو حنیفہ ہیں اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ دونوں کے درمیان مستحکم مشابہت کی وجہ سے گویا ابو یوسف کی ذات کو ابو حنیفہ کی ذات ہی قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے ابو یوسف کہنے کی بجائے ابو حنیفہ کہکر مراد ابو یوسف لیا جاتا ہے۔

علامہ عبید اللہ بن مسعود حنفی اپنی کتاب التوضیح میں لکھتے ہیں۔

کَاسْتِعَارَةِ اِسْمِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی لِرَجُلٍ عَالِمٍ فَقِیْہٍ مُتَّقٍ۔ (التوضیح ص۱۸۴)

یعنی ایک عالم متقی فقیہ شخص کو استعارہ کے طور پر ابو حنیفہ کہا جاتا ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری کی حدیث میں مذکور ہے کہ ہرقل قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ فقرہ کہا۔

لَقَدْ اَمِرَ اَمْرُ ابْنِ اَبِیْ کَبْشَةَ یَخَافُہٗ مَلِکُ بَنِی الْاَصْفَرِ۔ (بخاری)

کہ ابن ابی کبشہ کا کام تو خوب بن گیا کہ رومیوں کا بادشاہ

بھی اس سے ڈرتا ہے۔

اس فقرہ میں اعلانِ توحید میں ابن ابی کبشہ سے مشابہت کی وجہ سے ابوسفیان نے استعارہ کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ قرار دیا ہے حالانکہ آپؐ محمدؐ بن عبد اللہ تھے۔

یحییٰ علیہ السلام ایلیا کے بروز

بائیبل میں ایلیا (الیاس علیہ السلام) کے آنے کی پیشگوئی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کے وجود میں پورا ہونا قرار دیا ہے۔ جس سے یہی مراد ہے کہ وہ یحییٰ علیہ السلام کو ایلیا کا بروز قرار دیتے ہیں۔

تفصیل اس کی یوں ہے :۔

کتاب ملاکی باب ۴، آیت ۵ میں لکھا ہے :۔

”دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیا نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا“

اس سے یہودی یہ سمجھتے تھے کہ ایلیا کا مسیح سے پہلے آسمان سے آنا ضروری ہے۔ کتاب سلاطین کے مطابق ان کا عقیدہ تھا کہ ایلیا رتھ سمیت بگولے میں سوار ہو کر آسمان پر چلا گیا۔ (۲۔ سلاطین باب ۲، آیت ۱۲)

مسیحؑ سے سوال کیا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو ایلیا کہاں ہے؟ مسیحؑ نے یوحنّا کو ایلیا قرار دیتے ہوئے جواب دیا:۔

"سب نبیوں اور توریت نے یوحنا کے وقت تک آگے کی خبر دی اور ایلیا جو آنے والا تھا یہی ہے چاہو تو قبول کرو جس کے کان سُننے کے ہوں سُنے۔ (متی باب ۱۱ آیت ۱۳۔ ۱۴)

نزول کی حقیقت

ہم بتا چکے ہیں کہ نزول کا لفظ مجازاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور اکرام استعمال کیا گیا۔ قرآن کریم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل ہوتی ہے مراد یہ ہے کہ آسمانی یعنی خدائی فیصلے کے نتیجہ میں ہی سب اشیاء کا ظہور ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات اس پر شاہد ہیں:۔

۱۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔ (الحجر: ۲۲)

اس آیت میں ہر چیز کا آسمان سے نازل ہونا مذکور ہے۔

۲۔ یُنَزِّلُ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا (المومن: ۱۴)

اس آیت میں رزق کا آسمان سے نزول مذکور ہے۔ حالانکہ بظاہر

رزق زمین پر پیدا ہوتا ہے۔

۳۔ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰکِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ۔ (الشوریٰ: ۲۸)

اس آیت میں بھی رزق کا نزول مذکور ہے۔

۴۔ وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ (الزمر: ۷)

اس آیت میں چار پایوں کا نزول مذکور ہے۔

۵۔ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا۔ (الاعراف: ۲۷)

اس آیت میں لباس کا نزول مذکور ہے حالانکہ وہ زمین پر تیار ہوتا ہے۔

۶۔ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ۔ (الحدید: ۲۶)

اس آیت میں لوہے کا نزول مذکور ہے حالانکہ وہ زمینی کانوں سے نکلتا ہے۔

کسی صحیح حدیث میں عیسیٰ بن مریم کے لیے نزول کے ساتھ سَمَاء کا لفظ موجود نہیں، لیکن اگر سَمَاء کا لفظ مذکور بھی ہوتا تب بھی اس سے مراد ابن مریم کا اصالتاً آنا نہ لیا جا سکتا کیونکہ عیسیٰ بن مریمؑ کی وفات نصوصِ قرآنیہ سے ثابت ہے جو اس بات کے لیے قرینہ حالیہ ہے کہ وہ اصالتاً نازل نہیں ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ (الزمر: ۴۳) کہ جس روح کو موت کے ذریعہ قبض کر لیا جائے اُسے خدا روکے رکھتا ہے یعنی دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجتا۔

ویسے ہر شے اور بالخصوص "موعود اشیاء" آسمان سے ہی آتی ہیں ان معنی میں کہ ان کے ظہور میں آسمانی اسباب کا دخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذاریات: ۲۳)

کہ آسمان میں تمہارا رزق ہے اور ہر وہ شے جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو۔

پس وہ مسیح جس کے آخری زمانہ میں آنے کا وعدہ دیا گیا وہ ایک رنگ میں آسمان سے ہی آیا ہے۔

ابن مریم کے استعارہ کیلئے قرینۂ لفظیہ

ابن مریم کے بروزی نزول کے متعلق وفاتِ مسیح کے حالیہ قرینہ کی موجودگی کے علاوہ احادیثِ نبویہ میں قرینہ لفظیہ بھی موجود ہے جو اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ اور فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ اور عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اِمَامًا مَهْدِيًّا کے الفاظ ہیں اور پھر طبرانی کی حدیث کے یہ الفاظ بھی کہ اَلَا اِنَّهٗ خَلِيْفَتِيْ فِيْ اُمَّتِيْ کہ وہ میری اُمّت میں میرا خلیفہ ہے۔

اِن سب حدیثوں میں یہ مذکور ہے کہ مسیح موعود اُمّتِ محمدیہ کا امام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوگا، لیکن ہوگا اُمّت سے۔ باہر سے نہیں آئے گا۔ کیونکہ آیتِ استخلاف میں یہ وعدہ ہے کہ اس اُمّت کے ائمہ و خلفاءِ اُمّت میں سے ہی ہوں گے البتہ وہ اِس اُمّت سے پہلے گزرے ہوئے خلفاء سے مشابہ ہوں گے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ تو کوئی خلیفہ آ سکتا ہے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصالتاً نزول آیت استخلاف کی رُو سے محال اور ممتنع ہے کیونکہ اس سے مشبّہ اور مشبّہ بہ کا عین ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے۔

حیاتِ مسیحؑ پر اجماع کا دعویٰ باطل ہے

اوپر کی بحث سے ثابت ہو چکا ہے کہ مسیحؑ کی حیات

اور وفات کے متعلق دو خیال مسلمانوں میں موجود رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ حیاتِ مسیحؑ کے عقیدہ پر اُمّت میں کبھی اجماع نہیں ہوا۔ البتہ جیسا کہ ہم نے ثابت کر دیا ہے وفاتِ مسیح پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ثابت ہے پس وفاتِ مسیحؑ کے عقیدہ کو ہی اجماعی دلیل ہونے کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح نزول ابن مریم کے بارہ میں بھی دو خیال کے مسلمان موجود رہے ہیں۔ ایک گروہ ابن مریمؑ کے اصالتاً نزول کا قائل رہا اور دوسرا بروزی صورت کا قائل۔ لہٰذا حضرت مسیح علیہ السلام کے اصالتاً آسمان سے نازل ہونے پر بھی اجماع ثابت نہیں۔

لہٰذا مفسّرین کے جو اقوال اس بارہ میں منفردانہ حیثیت کے ہیں وہ حجّت اور دلیل نہیں بن سکتے ماسوا اس کے فقہ حنفیہ کی رُو سے آئندہ ہونے والے امور کے متعلق جو پیشگوئیاں ہوں اُن کے کسی خاص معنی اور مفہوم پر اجماع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ شیخ محبّ اللہ بن عبد الشکور اپنی کتاب مسلّم الثبوت میں لکھتے ہیں

اَمَّا فِی الْمُسْتَقْبِلَاتِ کَاَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَاُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ فَلَا (اِجْمَاعَ) عِنْدَ الْحَنَفِیَّةِ لِاَنَّ الْغَیْبَ لَا مَدْخَلَ فِیْهِ لِلْاِجْتِهَادِ۔ (مسلّم الثبوت مع شرح صفحہ ۲۴۲)

ترجمہ:۔ یعنی جو باتیں مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں جیسے علاماتِ قیامت (جن میں نزول ابن مریم بھی شامل ہے۔ ناقل) اور امورِ آخرت ان میں حنفیوں کے نزدیک اجماع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ امورِ غیبیہ میں اجتہاد اور رائے کو کوئی دخل نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:۔

"مسیح موعود کا آسمان سے اترنا محض جھوٹا خیال ہے۔ یاد رکھو کوئی آسمان سے نہیں اتریگا ہمارے سب مخالف جو اَب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی اُن میں سے عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا۔ پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مریگی اور ان میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کا بھی گزر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آ گئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ اب تک آسمان سے نہ

اُترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نا امید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا، اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو تخمریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

(تذکرۃ الشہادتین صہ ۹۵)
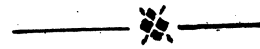
مسئلۂ ختمِ نبوّت

جماعت احمدیّہ کا اس بات پر ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی سورۃ الاحزاب کے مطابق خاتم النبیّین ہیں اور یہ وصف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کے سوا کسی اور نبی کو نہیں ملا۔

مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]اتم النبیّن قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے:۔

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ وُلْدِ اٰدَمَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ۔ (تذکرہ صہ ۷۹ مطبوعہ ۱۹۵۶ء)

ترجمہ: [illegible] درود بھیج محمد اور آلِ محمد پر جو سردار ہے آدم کے بیٹوں کا اور خاتم الانبیاء ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

پس بانیٔ سلسلۂ احمدیّہ کے متعلق اگر کوئی یہ کہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کو خاتم النبیّین نہیں مانتے تو اس کا یہ محض اتّہام ہوگا جس کی تغلیط آپؑ کے الہامات اور وہ سینکڑوں حوالہ جات کرتے ہیں جن میں آپؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّین قرار دیا ہے۔ چنانچہ ازالہ اوہام میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لبّ لباب یہ ہے کہ
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہمارا اعتقاد
جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم
بفضل و توفیقِ باری تعالیٰ اس عالمِ گزران سے کُوچ کریں
گے یہ ہے کہ حضرت سیّدنا و مولانا محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ
وسلم "خاتم النبیّین و خیر المرسلین" ہیں جن کے ہاتھ سے اکمالِ
دین ہو چکا اور وہ نعمت بمرتبۂ اتمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے
انسان راہِ راست کو اختیار کر کے خدائے تعالیٰ تک پہنچ سکتا
ہے۔" (ازالہ اوہام حصّہ اول صفحہ ۱۳۷)

پھر اپنی جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"عقیدہ کی رُو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا
ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء

ہے اور سب سے بڑھکر ہے۔ اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں
مگر وہی جس پر بروزی طور پر محمدیت کی چادر پہنائی گئی۔
(کشتی نوح صفحہ ۱۶)

ان دونوں عبارتوں سے ظاہر ہے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور آپؑ کی جماعت خاتم النبیّین کی آیت کی نصّ کی مصدّق ہے نہ کہ مکذّب۔

خاتم النبیّین کے معنی

آیتِ خاتم النبیّین کے دو۲ معنی ہیں:۔

۱۔ ایک معنی بلحاظ لغت و محاورۂ عرب و سیاقِ کلام۔
۲۔ دوسرے معنی وہ عرفی معنی ہیں جو دراصل حقیقی لغوی معنی کو لازم ہیں۔

لازم المعنی کی وضاحت اور تعیین

فقہ حنفیہ کے جلیل القدر امام و محدث حضرت امام علی القاری یوں فرماتے ہیں:۔

اَلْمَعْنٰی اَنَّہٗ لَایَأْتِیْ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ یَنْسَخُ
مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِہٖ ۔ (موضوعات کبیر صفحہ ۵۹)

ترجمہ:۔ (خاتم النبیّین کے) معنی یہ ہیں کہ آپؐ کے بعد کوئی ایسا

نبی نہیں آئے گا جو آپؐ کی ملت (شریعت) کو منسوخ کر دے
اور آپؐ کی اُمّت میں سے نہ ہو"

اس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نئی شریعت لانے والا نبی آسکتا ہے جو پہلی شریعت کو منسوخ کرے اور نہ امّتِ محمدیہؐ سے باہر عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں وغیرہ میں کوئی نبی آسکتا ہے یہ معنی خاتمیتِ زمانی کہلاتے ہیں۔

وَلَمْ يَكُنْ مِنْ اُمَّتِهٖ کے الفاظ میں اشارہ ہے کہ اُمّت میں سے نبی کا ہونا آیتِ خاتم النبییّن کے منافی نہیں۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی کا یہ مفہوم ہوا کہ آپؐ آخری شارع اور آخری مستقل نبی ہیں۔ ان معنی پر ساری اُمّت کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری شارع نبی اور آخری مستقل نبی ہیں، اور جماعت احمدیّہ ان معنوں سے پُورا اتفاق رکھتی ہے یہ معنی خاتم النبییّن کے حقیقی لغوی معنی کو لازم ہیں۔

اہلسنّت کے تمام فرقوں نے انہی معنوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانا ہے۔ ان فرقوں میں سے کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق آخری نبی نہیں مانا۔ کیونکہ ان سب کا عقیدہ ہے کہ آخری زمانہ میں حضرت

عیسٰی علیہ السلام بحیثیت نبیّ اللہ اور امتی کے نازل ہوں گے۔ چنانچہ اس عقیدہ کی نمائندگی میں امام علی القاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

لَا مُنَافَاةَ بَيْنَ اَنْ يَّكُوْنَ نَبِيًّا وَّاَنْ يَّكُوْنَ مُتَابِعًا لِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيَانِ اَحْكَامِ شَرِيْعَتِهٖ وَاِتْقَانِ طَرِيْقَتِهٖ وَلَوْ بِالْوَحْيِ اِلَيْهِ كَمَا يُشِيْرُ اِلَيْهِ قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِيْ اَيْ مَعَ وَصْفِ النُّبُوَّةِ وَالرِّسَالَةِ وَاِلَّا مَعَ سَلْبِهِمَا فَلَا يُفِيْدُ زِيَادَةَ الْمَزِيَّةِ۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۵۶۴)

ترجمہ:- حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نبی ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہونے میں کوئی منافاۃ (تضاد) نہیں اس صورت میں کہ وہ آپؐ کی شریعت کے احکام بیان کریں اور اس شریعت کی طریقت کو پختہ کریں خواہ وہ یہ کام اپنی

وحی کے ذریعہ کریں جیسا کہ حدیث لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا
لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ (اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے
تو انہیں میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا) اس طرف
اشارہ کر رہی ہے (کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نبی کا
آنا ممتنع نہیں۔ ناقل) مراد اس حدیث سے رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی یہ ہے کہ موسیٰ وصفِ نبوّت اور رسالت کے ساتھ زندہ
ہوتے ورنہ نبوّت اور رسالت چھن جانے کے ساتھ (ان کا
تابع ہونا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو کوئی فائدہ
نہیں دیتا۔

پس جماعت احمدیہ اہل سنّت کے تمام فرقوں سے اس بات میں اصولی
طور پر متفق ہے کہ اُمّتِ محمدیہ کا مسیح موعود نبی اللہ ہوگا۔ اگر اختلاف ہے تو اس پہلو
میں کہ جماعت احمدیہ اور بعض اور لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آیت استخلاف کے الفاظ
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور: ۵۶) کے مطابق
حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُمّتِ محمدیہ میں اصالتاً نہیں آسکتے بلکہ ان کا مثیل نبی
اللہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہونے والا ہے اور یہ اختلاف جزوی

ہے۔ جن لوگوں پر وفاتِ مسیحؑ کی حقیقت کھل جائے ان کو بالآخر ہمارے ساتھ اتفاق
کرنا پڑتا ہے کہ حدیثوں کا موعود عیسیٰ اُمّتِ محمدیہ کا ایک فرد ہونا چاہیئے۔

امام علی القاریؒ کی طرح حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ بھی فرماتے ہیں:۔
"شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا
ہے مگر وہی جو پہلے اُمّتی ہو۔" (تجلیاتِ الٰہیہ ص۲۵)

خاتم النبیّین کے لغوی معنی

مفرداتِ راغب میں جو قرآن مجید کی مستند لغت ہے۔ لفظ ختم کے نیچے
لکھا ہے:۔

اَلْخَتْمُ وَالطَّبْعُ يُقَالُ عَلٰى وَجْهَيْنِ مَصْدَرُ خَتَمْتُ
وَطَبَعْتُ وَهُوَ تَاثِيْرُ الشَّيْءِ كَنَقْشِ الْخَاتَمِ
وَالطَّابَعِ وَالثَّانِيْ اَلْاَثَرُ الْحَاصِلُ مِنَ
النَّقْشِ وَيُتَجَوَّزُ بِذٰلِكَ تَارَةً فِي الْاِسْتِيْثَاقِ
مِنَ الشَّيْءِ وَالْمَنْعِ مِنْهُ اِعْتِبَارًا بِمَا
يَحْصُلُ مِنَ الْمَنْعِ بِالْخَتْمِ عَلَى الْكُتُبِ
وَالْاَبْوَابِ نَحْوُ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَعَلٰی قَلْبِهٖ وَتَارَةً فِیْ تَحْصِيْلِ اَثَرٍ عَنْ شَیْءٍ اِعْتِبَارًا بِالنَّقْشِ الْحَاصِلِ وَتَارَةً يُعْتَبَرُ مِنْهُ بُلُوْغُ الْاٰخِرِ۔ مِنْهُ قِيْلَ خَتَمْتُ الْقُرْاٰنَ اَیْ اِنْتَهَيْتُ اِلٰی اٰخِرِهٖ۔

(مفردات راغب مصنّفہ امام راغب اصفہانی زیر لفظ ختم)

ترجمہ:۔ ختم اور طبع کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت (جو حقیقی لغوی معنی کی صورت ہے) یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ مصدر ہیں اور ان کے معنے خاتم (مہر) کے نقش پیدا کرنے کی طرح تاثیر الشئ ہیں یعنی دوسری شیئ میں کسی شئ کا اپنے اثرات پیدا کرنا) اور دوسری صورت ختم اور طبع کی اس نقش کی تاثیر کا اثر حاصل ہے اور یہ لفظ مجازاً کبھی تو ختم علی الکتب والابواب (کتابوں اور بابوں پر مُہر لگنے) کے لحاظ سے شئے کی بندش اور روک کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے ختم اللّٰہ علی قلوبھم و ختم علی سمعہٖ وقلبہٖ (میں) اس کا استعمال

مجازی معنی میں ہوا ہے اور کبھی اس کے مجازی معنی نقش حاصل کے لحاظ سے کسی شے سے اثر پیدا کرانا ہوتے ہیں (جیسے خَتَمَ الزِّرَاعَةَ جبکہ بیج ڈالنے اور پانی دینے پر کھیتی اُگ آئے) اور کبھی اس کے مجازی معنی آخر کو پہنچنے کے ہوتے ہیں اور انہی معنی میں خَتَمْتُ الْقُرْاٰنَ کہا گیا ہے کہ میں تلاوتِ قرآن میں اس کے آخر تک پہنچ گیا۔

ماحصل اس کا یہ ہے کہ ختم اور طبع کے پہلے معنی جو تاثیر الشئ اور اثر حاصل ہیں لغوی مصدری معنی ہیں اور باقی سارے معنی مجازی ہیں جن پر يُتَجَوَّزُ کا لفظ دلالت کرتا ہے واضح رہے کہ اثر نقش حاصل بھی حقیقی معنی نہیں بلکہ مجازی معنی ہیں۔ جن کے آگے تَحْصِيْلُ اَثَرٍ عَنْ شَیْءٍ کے معنوں کا قیاس کیا گیا ہے اگر اثر نقش حاصل امام راغب کے نزدیک حقیقی معنی ہوتے تو ایک مجازی معنی کا ان پر قیاس نہ ہوتا۔

لفظ خَاتَم، ختم سے اسم آلہ ہے اور خَاتِم اسم فاعل ہے خَاتَم کے معنی ہوں گے تاثیر کا ذریعہ یا آلہ اور خَاتِم کے معنی ہوں گے تاثیر کرنے والا۔ مآل دونوں معنوں کا مؤثر وجود ہوگا۔

جب اسے جمع کی طرف مضاف کیا جائے جیسے خاتم الاولیاء، خاتم الشعراء۔ خاتم الحکام وغیرہ تو معنی اس کے ہوں گے ایسا وجود جس کی تاثیر سے اولیاء یا شعراء یا حاکم وجود میں آئیں۔ اس لحاظ سے خاتم النبیین کے بلحاظ لغتِ عربی ومحاورۂ زبان عربی معنی ہوں گے ایسا نبی جس کی مُہر یعنی تاثیر سے انبیاء ظہور میں آئیں۔

ایسے نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرتبہ میں تمام انبیاء سے بڑھکر ہو۔ ان معنی کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تسلیم کرکے خاتمیّتِ مرتبی قرار دیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"عوام کے خیال میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپؐ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدّم و تأخّر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقامِ مدح میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ فرمانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔" (تحذیر الناس ص۲)

صحیح معنی آپ کے نزدیک یہ ہیں:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موصوف بوصفِ نبوّت بالذات

ہیں اور سوا آپؐ کے اور نبی موصوف بوصف نبوّت بالعرض۔ اوروں کی نبوّت آپؐ کا فیض ہے مگر آپؐ کی نبوّت کسی اور کا فیض نہیں۔ اس طرح آپؐ پر سلسلۂ نبوّت مختتم ہو جاتا ہے۔ غرض جیسے آپؐ نبی اللہ ہیں ویسے ہی نبی الانبیاء بھی۔" (تحذیر الناس ص۳-۴)

پھر مولانا موصوف سیاقِ آیت اور لغتِ عربی کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاتم النبیین کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جیسے خاتَم بفتح التاء کا اثر مختوم علیہ میں ہوتا ہے ایسے موصوف بالذات (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا اثر موصوف بالعرض (دوسرے تمام انبیاء) میں ہوگا۔ حاصل مطلب آیت کریمہ (وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ) اس صورت میں یہ ہوگا کہ ابوّتِ معروفہ (جسمانی باپ ہونا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر ابوّتِ معنوی (روحانی باپ ہونا) اُمّتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے اور انبیاء کی نسبت بھی۔ انبیاء کی نسبت تو فقط آیت خاتم النبیین شاہد ہے کیونکہ اوصاف معروض (مثلاً دیگر انبیاء کی نبوتیں)

اور موصوف بالعرض (مثلاً دیگر انبیاء) موصوف بالذات (مثلاً خاتم النبیین) کے فرع ہوتے ہیں اور موصوف بالذات اوصافِ عرضیہ کا اصل ہوتا ہے اور وہ اس کی نسل۔۔۔۔ اور النبیوں کی نسبت لفظ رسول اللہ میں غور کیجئے۔" (تحذیر الناس ص۱)

خاتم النبیین کے ان مرتبی معنوں کا نتیجہ مولانا موصوف یہ بیان کرتے ہیں۔

"ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے جیسا کہ اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے تو سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کو افراد مقصود بالخلق میں مماثل نبوی نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس صورت میں انبیاء کے افراد خارجی (انبیاء سابقین۔ ناقل) ہی پر آپؐ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی۔ افراد مقدرہ (جن انبیاء کا آئندہ آنا تجویز کیا جائے۔ ناقل) پر بھی آپؐ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی بلکہ بالفرض اگر بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا۔"

(تحذیر الناس ص۲۸)

استدلال:۔ خاتمیتِ محمدی، خاتمیت زمانی اور خاتمیتِ مرتبی دونوں کی جامع ہے۔ خاتمیت مرتبی کا تقاضا یہ ہے کہ آئندہ بھی نبی پیدا ہو سکتا ہے! اگر خاتمیتِ زمانی کے ان کے نزدیک یہ معنی ہوتے کہ آئندہ کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا تو پھر وہ یہ فقرہ نہ لکھتے کہ "تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔" کیونکہ اس صورت میں تو خاتمیتِ زمانی ٹوٹ جاتی اور خاتمیتِ محمدی میں فرق آ جاتا اور مولانا کا یہ فقرہ محض جھوٹ قرار پاتا اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں خاتم النبیین کے دو متضاد معنی پائے جانے کے قائل قرار پاتے جبکہ وہ دونوں معنی ایک دوسرے کے نقیض ہوتے چونکہ اجتماع النقیضین یا اجتماع الضدین محال ہے اس لیے خاتمیتِ زمانی مولانا کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلق آخری نبی ہونے کا مفہوم نہیں رکھتی بلکہ آخری شارع اور آخری مستقل نبی ہونے کا مفہوم رکھتی ہے اور اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نبی پیدا ہو سکتا ہے اس سے خاتمیت مرتبی بھی قائم رہتی ہے اور خاتمیتِ زمانی بھی اور اجتماع النقیضین لازم نہیں آتا جو محال ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دَنیٰ فَتَدَلّٰی کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کائنات کا نقطۂ مرکزیہ قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

۱- "بجز ایک نقطۂ مرکز کے اور جس قدر نقاطِ وتر ہیں ان میں دوسرے انبیاء و رسل و ارباب صدق و صفا بھی شریک ہیں اور نقطۂ مرکز اس کمال کی صورت ہے جو صاحب وتر کو بہ نسبت جمیع دوسرے کمالات کے اعلیٰ و ارفع و اخصّ و ممتاز طور پر حاصل ہے جس میں حقیقی طور پر مخلوق میں کوئی اس کا شریک نہیں، ہاں اتّباع و پیروی سے ظلّی طور پر شریک ہو سکتا ہے۔ اب جاننا چاہیئے کہ دراصل اسی نقطۂ وسطی کا نام حقیقتِ محمدیہؐ ہے جو اجمالی طور پر جمیع حقائقِ عالم کا منبع و اصل ہے.........
غرض سرچشمۂ رموزِ غیبی و مفتاح کنوزِ لاریبی اور انسانِ کامل دکھلانے کا آئینہ یہی نقطہ ہے اور تمام اسرارِ مبدا و معاد کی علّتِ غائی اور ہر ایک زیر و بالا کی پیدائش کی لمیّت یہی ہے جس کے تصور بالکُنہ و تصور بکنہہ سے تمام عقول و افہام بشریہ عاجز ہیں اور جس طرح ہر ایک حیات خدا تعالیٰ کی حیات سے مستفاض اور ہر یک وجود اس کے وجود سے ظہور پذیر اور ہر یک تعیین اسکی تعیین سے خلعت پوش ہے ایسا ہی نقطۂ محمدیہؐ جمیع مراتب

اکوان و حظائرِ امکان میں باذنہٖ تعالیٰ حسب استعدادات مختلفہ و طبائع متفاوتہ مؤثر ہے اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ تمام انبیاء و اولیاء بلکہ تمام کائنات کی علّتِ غائی ہیں"۔
(سرمہ چشم آریہ صفحہ ۱۸۵ تا ۱۸۸)

نیز تحریر فرماتے ہیں:-

۲- "اللہ جلّشانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا یعنی آپؐ کو افاضۂ کمال کے لیے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی اسی وجہ سے آپؐ کا نام خاتم النبیّین ٹھہرا۔ یعنی آپؐ کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجۂ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوتِ قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی"۔
(حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۷ حاشیہ)

نیز تحریر فرماتے ہیں:-
"اور وہ خاتم الانبیاء ہے مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ اس سے کوئی روحانی فیض نہیں ملے گا بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے بجز اسکی مہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا

ہے ۔۔۔۔۔ سو خدا نے ان معنوں سے آپؐ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا لہٰذا قیامت تک یہ بات قائم ہوئی کہ جو شخص سچی پیروی سے اپنا اُمّتی ہونا ثابت نہ کرے اور آپؐ کی متابعت میں اپنا تمام وجود محو نہ کرے ایسا انسان قیامت تک نہ کوئی کامل وحی پا سکتا ہے اور نہ کامل ملہم ہو سکتا ہے کیونکہ مستقل نبوّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے مگر ظلّی نبوّت جس کے معنی ہیں کہ محض فیضِ محمدیؐ سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی تا انسانوں کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو اور تا یہ نشان دنیا سے مٹ نہ جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت نے قیامت تک یہی چاہا ہے کہ مکالمات اور مخاطباتِ الٰہیہ کے دروازے کُھلے رہیں اور معرفتِ الٰہیہ جو مدارِ نجات ہے مفقود نہ ہو جائے۔"

(حقیقۃ الوحی صـ۲۸)

بلحاظ سیاقِ آیت خاتم النبیّین تحریر فرماتے ہیں:۔

۳۔ "خدا تعالیٰ نے جس جگہ یہ وعدہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اسی جگہ یہ اشارہ بھی فرمایا ہے۔ کہ

آنجنابؐ اپنی روحانیت کی رُو سے اُن صلحاء کے حق میں باپ کے حکم میں ہیں جن کی بذریعہ متابعت تکمیلِ نفوس کی جاتی ہے اور وحی الٰہی اور شرف مکالمات اُن کو بخشا جاتا ہے جیسا کہ وہ جلشانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مَردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ ہے اور خاتم الانبیاء ہے اب ظاہر ہے کہ لٰكِنْ کا لفظ زبان عرب میں استدراک کے لیے آتا ہے یعنی تدارکِ مافات کے لیے۔ سو اس آیت کے پہلے حصّے میں جو امر فوت شدہ قرار دیا گیا تھا یعنی جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نفی کی تھی وہ جسمانی طور سے کسی مرد کا باپ ہونا تھا سو لٰكِنْ کے لفظ سے فوت شدہ امر کا اس طرح تدارک کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا جس کے یہ معنی ہیں کہ آپؐ کے بعد براہِ راست فیوضِ نبوّت منقطع ہو گئے اب کمالِ نبوّت

صرف اُسی شخص کو ملے گا جو اپنے اعمال پر اتّباعِ نبوی کی مہر رکھتا ہوگا۔"
(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی صفحہ ۱۲، ۱۳)

آیاتِ قرآنیہ خاتم النبیّین کی تفسیر میں

قرآن مجید کی یہ شان ہے کہ وہ اپنی تفسیر آپ کرتا ہے لہٰذا جب آیت خاتم النبیّین کی تفسیر آیاتِ قرآنیہ سے تلاش کی جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی لغوی معنی میں بھی خاتم النبیّین نظر آتے ہیں جنہیں مولانا محمد قاسم خاتمیت مرتبی قرار دیتے ہیں اور خاتمیتِ زمانی کے معنی بھی خاتمیت مرتبی کو لازم دکھائی دیتے ہیں۔

آیت قرآنیہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدہ رکوع ۱) سے ظاہر ہے کہ اسلام ایک کامل شریعت ہے اور پھر شریعتِ قرآنیہ کے متعلق فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر رکوع ۱) کہ بے شک ہم نے ہی ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

پس قرآنی شریعت کامل بھی ہے اور تا قیامت محفوظ بھی لہٰذا کوئی نئی شریعت لانے والا نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں آسکتا۔ آپؐ آخری

شارع نبی ہیں اور یہ خاتمیتِ زمانی کے مفہوم کا پہلو ہے جو خاتم النبیّین کے حقیقی معنی (نبیوں کے لیے مؤثر وجود) کو لازم ہے۔

خاتم النبیّین کے حقیقی معنی از رُوئے قرآن کریم

۱۔ سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے دُعا سکھائی ہے:۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

ترجمہ:۔ ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔ ان لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے انعام کیا نہ اُن کی راہ پر جن پر غضب نازل کیا گیا اور نہ گمراہوں کی راہ پر۔

استدلال:۔ اس آیت میں مغضوب علیھم اور الضّالّین کے رستے سے بچنے کی دُعا سکھائی گئی ہے تاکہ ہم مغضوب اور ضالّ نہ بن جائیں اور انعام یافتہ لوگوں کے رستے پر چلنے کی دعا سکھائی گئی ہے تاکہ ہم بھی انعام یافتہ بن جائیں۔

انعام یافتہ خدا تعالیٰ کے نزدیک چار گروہ ہیں۔ چنانچہ سورہ النساء

رکوع ۹ میں فرماتا ہے أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ۔ اس آیت میں نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے چار گروہوں کو انعام یافتہ قرار دیا گیا ہے۔ پس اس دعا کے سکھانے میں ایک پیشگوئی مدنظر ہے کہ اُمّتِ محمدؐیہ میں چاروں گروہ کے افراد پیدا ہو سکتے ہیں۔ نبی بھی، صدّیق بھی، شہید بھی اور صالح بھی۔

۲۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ (النساء رکوع ۹)

ترجمہ:۔ جو لوگ اللہ اور اس رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی نبیوں، صدّیقوں، شہداء اور صالحین میں اور یہ لوگ بہت ہی اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ بہت جاننے والا ہے۔

استدلال:۔ اس آیت میں آئندہ نبی، صدّیق، شہید اور صالح بننے کیلئے اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو شرط قرار دیا گیا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت، صدّیقیت، شہادت اور صالحیت کی چاروں نعمتیں آپؐ کی اطاعت سے وابستہ ہیں اور نبی، صدّیق، شہید اور صالح بننے کے لیے آپؐ کی اطاعت شرط ہے گو یہ چاروں مرتبے ملنے خدا کے فضل سے ہی ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا مستقل نبی نہیں آسکتا جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت شرط نہ ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی رُو سے جہاں نبیوں کے آنے کے لیے مؤثر وجود قرار دیئے گئے ہیں وہاں آپؐ کی اطاعت کو شرط قرار دیکر مستقل اور شارع انبیاء کا انقطاع بھی بطور اشارۃ النص بیان کر دیا گیا ہے گویا اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتمیتِ مرتبی اور خاتمیتِ زمانی دونوں کا مصداق قرار دیا گیا ہے٭ آخری شارع اور آخری مستقل نبی ہونے کا ثبوت بطور اشارۃ النص بیان کیا گیا ہے۔

٭ ہاں نبیوں کیلئے مؤثر وجود بطور عبارۃ النص اور ٭

لفظ مَعَ لفظ مَعَ عربی زبان میں فِيْ اور مِنْ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس کا مفہوم اگلے گروہ میں شامل کرنا ہوتا ہے چنانچہ امام راغب الاصفہانی اپنی لغت مفردات القرآن میں فَاكْتُبْنَا

مَعَ الشّٰہِدِیْنَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

اَیْ اِجْعَلْنَا فِیْ زُمْرَتِہِمْ اَیْ اِشَارَۃٌ اِلٰی قَوْلِہٖ اُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ ۔ (مفردات زیر لفظ کتب ص۴۳۵)

ترجمہ :" فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰہِدِیْنَ کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں شاہدین کے زمرہ میں داخل کردے اور شاھدین کے لفظ میں خدا کے قول اُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ کی طرف اشارہ ہے۔"

گویا چاروں قسم کے مراتب پانے کا امت میں امکان ہے۔ نبی بھی، صدیق بھی، شہداء بھی اور صالحین بھی۔

قرآن مجید میں ذیل کی آیات میں لفظ مَعَ ، مِنْ یا فِیْ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۱- تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران رکوع ۲۰)

ہمیں ابرار کے زمرہ میں داخل کرکے وفات دینا۔

۲- اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ج وَلَنْ تَجِدَ لَہُمْ نَصِیْرًا ہ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰہِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَہُمْ لِلّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ط

(النساء رکوع ۲۱)

ترجمہ :- بے شک منافق جہنم کی گہرائی کے سب سے نچلے حصہ میں ہوں گے اور تو ہرگز کسی کو اُن کا مددگار نہیں پائے گا سوائے ان منافقوں کے جنہوں نے توبہ کرلی اور اصلاح کرلی اور اللہ کے ذریعہ حفاظت چاہی اور اپنی عبادت کو اللہ کے لیے خالص کر دیا سو یہ لوگ مومنوں کیساتھ ہیں (یعنی مومنوں میں شامل ہیں)

اُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ جملہ اسمیہ ہے پہلی آیت میں اُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ بھی جملہ اسمیہ ہے جملہ اسمیہ استمرار پر دلالت کرتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جس طرح توبہ کرنے والے اسی دنیا میں مومنوں میں شامل ہوجاتے ہیں اسی طرح اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے اسی دنیا میں ان چاروں گروہوں میں سے کسی نہ کسی گروہ

میں شامل ہوں گے۔ پس اس جگہ نہ معیّتِ مکانی مراد ہو سکتی ہے نہ معیّتِ زمانی کیونکہ یہ اطاعت کرنے والے اس دنیا میں نہ پہلے گزرے ہوئے نبیوں، صدیقوں شہیدوں اور صالحین کا زمانہ پا سکتے ہیں اور نہ اس دنیا میں اُن کے ساتھ ایک جگہ اکٹھے ہو سکتے ہیں پس معیّتِ زمانی و مکانی تو اس جگہ محال ہے اور یہ بات قرینہ ہے کہ اس جگہ معیّت فی الدرجہ مراد ہے یعنی وہی درجہ پانا مراد ہے۔

تفسیر بحر المحیط میں زیر آیت ہذا علامہ ابو حیّان لکھتے ہیں:-

"وَالظَّاهِرُ اَنَّ قَوْلَهٗ مِنَ النَّبِيّٖنَ تَفْسِيْرٌ لِلَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَكَاَنَّهٗ قِيْلَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ مِنْكُمْ اَلْحَقَهُ اللّٰهُ بِالَّذِيْنَ تَقَدَّمَهُمْ مِمَّنْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔"

یہاں تک قول علامہ ابو حیّان کا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:-

"یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول "مِنَ النَّبِيّٖنَ" "اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ" کی تفسیر ہے گویا یہ کہا گیا ہے کہ جو تم میں سے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرے اللہ تعالیٰ نے اُسے اُن

لوگوں سے ملا دیا ہے جو انعام یافتہ لوگوں میں سے ان سے پہلے بھیجے۔"

اس سے آگے امام راغب اصفہانی کا قول لکھتے ہیں:-

قَالَ الرَّاغِبُ مِمَّنْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ الْفِرَقِ الْاَرْبَعِ فِي الْمَنْزِلَةِ وَالثَّوَابِ اَلنَّبِيَّ بِالنَّبِيِّ وَالصِّدِّيْقَ بِالصِّدِّيْقِ وَالشَّهِيْدَ بِالشَّهِيْدِ وَالصَّالِحَ بِالصَّالِحِ۔"

(البحر المحیط جلد ۳ صـ۲۸۷)

ترجمہ:- راغب نے کہا ہے یعنی ان چار گروہوں میں درجہ اور ثواب میں شامل کر دیگا جن پر اس نے انعام کیا ہے اس طرح کہ اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر کے نبی بننے والے کو نبی کیساتھ شامل کر دیگا اور اطاعت کر کے صدّیق بننے والے کو صدّیق کیساتھ شامل کر دیگا اور اسی طرح شہید کو شہید کے ساتھ ملا دیگا اور صالح کو صالح کے ساتھ ملا دیگا۔"

پس اگر اس آیت کا یہ مفہوم قرار دیا جائے کہ یہ اطاعت کرنے والے نبی نہیں بن سکتے تو چونکہ النّبیّین اور الصّدّیقین اور الشّہداء اور الصالحین ایک دوسرے کے ساتھ واؤ عاطفہ سے وابستہ ہیں اس لیے معیت کا مفہوم چاروں کے لیے ایک ہی لینا پڑے گا۔ لہٰذا آیت کا مفہوم یہ بن جائے گا کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرنے والے نبی نہیں بن سکتے بلکہ صرف بظاہر نبیوں کے ساتھ ہوں گے، صدیق نہیں بن سکتے بلکہ بظاہر صدّیقوں کیساتھ ہوں گے، شہداء کا مرتبہ نہیں پا سکتے بلکہ بظاہر شہیدوں کے ساتھ ہوں گے اور صالحین کا مرتبہ نہیں پا سکتے صرف بظاہر صالحین کے ساتھ ہوں گے۔

ایسے معنی اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ بزرگ کے منافی ہیں۔ کیونکہ اِس طرح آیت کے یہ معنی بن جاتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے کوئی آدمی نیک بھی نہیں بن سکتا صدّیق، شہید تو کجا۔

اس آیت کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں نبوّت، صدّیقیت، شہادت اور صالحیت کے چاروں درجے مل سکتے ہیں۔ نبوت کی نعمت قومی ہے اور صدّیقیت، شہادت اور صالحیت شخصی

افضال ہیں۔ نبوّت کی نعمت قومی اس لیے ہے کہ نبی دنیا میں ضرورت پر آتا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں اس دنیا میں مقام نبوت نہ مل سکتا ہوتا بلکہ صرف صدّیقیت، شہادت اور صالحیت کا مقام ہی حاصل ہو سکتا تو پھر خدا یوں فرماتا۔ اُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِنَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ یا یہ فرماتا اُولٰٓئِکَ مِنَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ۔

۳۔ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (الاعراف رکوع ۴)

ترجمہ:۔ ”اے بنی آدم! جب آئندہ تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں اور بیان کریں تم پر میری آیتیں تو جو لوگ تقویٰ اختیار کریں اور اپنی اصلاح کر لیں نہ انہیں آئندہ کے متعلق کوئی خوف ہوگا نہ وہ ماضی کے متعلق غمگین ہونگے۔“

استدلال:۔ لفظ یَاْتِیَنَّ پر نون تاکید رسولوں کے بھیجا جانے کو زمانہ مستقبل سے وابستہ کر رہا ہے اِمَّا حرفِ شرط تاکید کا فائدہ دے رہا ہے۔ یہ خطاب

آئندہ زمانہ کے بنی آدم کو ہے۔ پہلی ساری آیات مستقبل کے لیے قرینہ ہیں۔ چنانچہ ایک آیت میں ہے :- یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ۔ (اعراف : ۳۲)

ترجمہ :- اے بنی آدم! ہر عبادت کے وقت زینت اختیار کرو (لباس پہن کر عبادت کرو) اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو کیونکہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

واضح ہو کہ عرب کے لوگ ننگے بدن طوافِ کعبہ کرتے تھے اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ تفسیر اتقان میں لکھا ہے۔ ھٰذَا خِطَابٌ لِاَھْلِ ذٰلِکَ الزَّمَانِ وَلِکُلِّ مَنْ بَعْدَھُمْ کہ یہ خطاب اس زمانہ کے لوگوں کے لیے ہے اور ان لوگوں کے لیے بھی جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔ اس جگہ رُسُلٌ کا لفظ عام مخصوص بالبعض ہے کیونکہ آیت وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ (النساء ع ۹) آئندہ رسول کے لیے امتی ہونا شرط قرار دیتی ہے پس لفظ رُسُل اِس آیت میں اُمتی نبی کے لیے مخصوص ہوگا۔

۴- اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ

اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ (الحج رکوع ۱۰)

ترجمہ :- اللہ چنتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور لوگوں میں سے بھی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

استدلال :- اس آیت میں فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول بھیجے جانے کے متعلق خدائی قانون بیان ہوا ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا (خدائی سنت میں تم ہرگز تبدیلی نہیں پاؤگے۔)

یَصْطَفِیْ مضارع کا صیغہ ہے جو اس جگہ قانون بیان کرنے کی وجہ سے استمرارِ تجددی کا فائدہ دیتا ہے۔ مضارع کے معنی حال کے بھی ہوتے ہیں اور مستقبل کے بھی۔

۵- وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ ۝ (آل عمران : ۸۲)

ترجمہ:۔ یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا البتہ میں نے تم
کو کتاب اور حکمت دی ہے پس اگر کوئی رسول تمہاری تعلیمات کا
مصدّق تمہارے پاس آئے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور
ضرور اس کی مدد کرنا۔ خدا نے پوچھا کیا تم اقرار کرتے ہو؟
انہوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
تم گواہ رہو میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

استدلال:۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ ہر نبی سے قوم کی نمائندگی
میں بعد میں آنے والے نبی کے متعلق ایمان لانے اور نصرت کرنے کے لیے عہد لیا
گیا یا یہ عہد ہر نبی سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے
کہ اسی قسم کا عہد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی لیا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ
وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ
مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ
لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (الاحزاب ع۱)

ترجمہ:۔ یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے ان کا پختہ عہد لیا اور تجھ
سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام
سے بھی اور ہم نے ان سب سے مضبوط عہد لیا تاکہ خدا تعالیٰ
صادقوں سے ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے اور اس نے
کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی نبیوں
والا عہد لیا گیا ہے تا مسلمان آئندہ آنے والے رسول پر ایمان لائیں اور اس
کی مدد کریں۔

تفسیر حسینی میں ہے:۔

"وَاِذْ اَخَذْنَا یاد رکھو۔ لیا ہم نے مِنَ النَّبِيّٖنَ نبیوں
سے مِيْثَاقَهُمْ عہد اُن کا اس بات پر کہ خدا کی عبادت
کریں اور خدا کی عبادت کی طرف بلائیں اور ایک دوسرے
کی تصدیق کریں یا ہر ایک کو بشارت دیں اس پیغمبر کی کہ
اُن کے بعد ہوگا۔ اور یہ عہد پیغمبروں سے روزِ الست میں لیا
گیا۔ وَمِنْكَ اور لیا ہم نے تجھ سے بھی عہد اے محمدؐ۔"
(تفسیر حسینی اُردو مطبوعہ نولکشور جلد ۲ صفحہ ۲۵۶)

۶- وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ٥

(17:16) (بنی اسرائیل رکوع ۲)

ترجمہ:- خدا فرماتا ہے، ہم اُس وقت تک عذاب بھیجنے والے نہیں جب تک ہم رسول مبعوث نہ کریں۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ط كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ٥

:59) (بنی اسرائیل رکوع ۶)

ترجمہ:- قیامت سے پہلے ہم ہر بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں یا سخت عذاب دینے والے ہیں۔ یہ امر کتاب (تقدیر الٰہی) میں مقرر ہے۔

استدلال:- پہلی آیت سے ظاہر ہے کہ عذاب سے پہلے اتمام حجّت کیلئے رسول کا آنا ضروری ہے اور دوسری آیت بتاتی ہے کہ قیامت سے پہلے عالمگیر عذاب آئے گا پس اس موقعہ پر ایک رسول کا آنا ضروری ثابت ہوا تا حجّت پوری ہو اور نافرمان لوگ یہ نہ کہہ سکیں رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ

قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ٥ (طٰہٰ رکوع ۸) یعنی اے ہمارے ربّ! تُو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رُسوا ہوں۔

۷- وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ۔

(النور رکوع ۷)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو لوگ تم میں سے ایمان لاکر نیک عمل کریں گے وہ ضرور ان لوگوں کو خلیفہ بنائیگا جیساکہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا جو اُن سے پہلے گزر چکے اور ضرور ان کے لیے ان کا دین (خلافت کے ذریعہ) مضبوط کرے گا۔

استدلال:-

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس

اُمّت کے خلفاء پہلی اُمتوں میں گزرے ہوئے خلفاء کے مثیل اور ان کے مشابہ ہونگے ۔ چونکہ پہلے گزرے ہوئے خلیفے دو قسم کے ہوئے ہیں بعض نبی اور بعض غیر نبی لہذا اس خلافتِ موعودہ منصوصہ میں بھی دونوں قسم کے خلفاء ہونے ضروری ہیں ۔ غیر نبی خلفاء تو خلفائے راشدین اور مجدّدین اُمّت ہیں ۔ مگر عیسیٰ موعود کو حدیث میں نبی اور رسول بھی قرار دیا گیا ہے اور اَلَا اِنَّہٗ خَلِیْفَتِیْ فِیْ اُمَّتِیْ کہہ کر اُمت میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بھی قرار دیا گیا ہے ۔

(ملاحظہ ہو طبرانی فی الکبیر والاوسط)

اُمّت میں

اِمکانِ نبوّت

از رُوئے حدیثِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم

حضرت خاتم النبییّن محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

(۱)- اَبُوْبَکْرٍ اَفْضَلُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ - (کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق ص۴)

ترجمہ :- ابوبکرؓ اِس اُمّت میں سب سے افضل ہیں بجز اس کے کہ کوئی نبی اُمّت میں پیدا ہو۔

(۲)- اَبُوْبَکْرٍ خَیْرُ النَّاسِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ - (الجامع الصغیر للسیوطی علیہ الرحمۃ)

ترجمہ:- ابوبکر رضی اللہ عنہ (آئندہ کے لیے) سب لوگوں سے بہتر ہیں
سوائے اس کے کہ کوئی نبی پیدا ہو۔

استدلال:- یَکُوْنُ کا مصدر کَوْنٌ ہے جس کے معنی ہیں نیست سے ہست ہونا یا عدم سے وجود میں آنا حسب آیت۔

اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ
فَيَكُوْنُ ۝ (یٰس رکوع ۵)

ترجمہ:- خدا کا حکم تو ایسا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے
تو اُسے کہتا ہے کُنْ (ہو جا) تو وہ نیست سے ہست ہو جاتی ہے۔

استدلال:- اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ کا استثناء اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اُمّت میں نبی پیدا ہونے کا امکان تھا۔ اگر امکان نہ ہوتا تو استثناء کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں کَانَ تامّہ ہے نہ کہ ناقصہ۔ اسی لیے نَبِیٌّ کا لفظ استعمال ہوا ہے نہ کہ نَبِیًّا۔ کَانَ تامّہ ہونا آئندہ نبی کے امکان پر روشن دلیل ہے۔

(۴۳) حدیث نبوی میں وارد ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خواہش کی انہیں آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کا نبی بنا دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے خدا کے حضور عرض کی:-

اِجْعَلْنِیْ نَبِیَّ تِلْكَ الْاُمَّةِ۔ "مجھے اس امت کا نبی بنا دیجئے"۔
خدا تعالیٰ نے جواب میں فرمایا۔
نَبِیُّهَا مِنْهَا۔
کہ اس اُمّت کا نبی اس اُمّت میں سے ہی ہوگا۔

پس اُمّتِ محمدیہ میں نہ موسیٰ علیہ السلام بطور امتی نبی کے آسکتے ہیں۔ نہ عیسیٰ علیہ السلام بلکہ صرف امّت میں سے ہی نبی ہونے کا امکان بیان کیا گیا ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھئے "کفایۃ اللبیب فی خصائص الحبیب المعروف بالخصائص الکبریٰ"۔ مرتبہ امام جلال الدین السیوطی بروایت حضرت انس بن مالکؓ) نیز المواھب اللدنیہ للقسطلانی جلد صـ ۴۲۵)

اس حدیث کو مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی نشر الطیب کے صـ ۲۶۲ پر درج کیا ہے اور ترجمان السنّۃ میں مولوی بدر عالم میرٹھی نے اسے درج کر کے اس کی توثیق کی ہے۔ کتاب الرحمۃ المھداۃ میں بھی یہ حدیث آئی ہے ۔ صـ ۳۳۶

(۴۲) حدیث نبوی میں اپنے بیٹے صاحبزادہ ابراہیم علیہ السلام کی وفات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے حق میں فرمایا۔

"لَوْعَاشَ (اِبْرَاهِيْمُ) لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا۔"

(رواہ ابن ماجہ جلد ۱ کتاب الجنائز)

ترجمہ:۔ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو ضرور سچا نبی ہوتا۔

یہ فقرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا جبکہ اس سے پانچ سال پہلے آیت خاتم النبیین نازل ہو چکی تھی۔ اس فقرہ سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آیتِ خاتم النبیین صاحبزادہ ابراہیم کے بالفعل نبی بننے میں روک نہ تھی بلکہ صاحبزادہ موصوف کی وفات ان کے بالفعل نبی بننے میں روک ہوئی اگر آیت خاتم النبیین اُن کے نبی بننے میں روک ہوتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس فقرہ کی بجائے یہ فرماتے:۔

"لَوْعَاشَ اِبْرَاهِيْمُ لَمَا كَانَ نَبِيًّا لِاَنِّيْ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ۔"

یعنی اگر ابراہیم زندہ بھی رہتا تو بھی نبی نہ ہوتا کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فقرہ لوعاش لکان صدیقاً نبیاً ظاہر کرتا ہے کہ آیت خاتم النبیین ان کے نبی بننے میں روک نہ تھی۔ دیکھئے اگر بالفرض یونیورسٹی ایم۔ اے کا امتحان بند کر دے اور ایک شخص کا لائق لڑکا بی۔ اے تک پہنچ جائے اور وفات پا جائے تو اس وقت اس کا باپ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر میرا بیٹا زندہ رہتا تو وہ ایم۔ اے ہوتا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ فقرہ جھوٹ بن جاتا کیونکہ اگر وہ زندہ بھی رہتا تو ایم۔ اے نہ ہوسکتا۔ پس مخبرِ صادق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقرہ بھی اسی وجہ سے صحیح قرار پاتا ہے کہ خاتم النبیین کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک نبی کا آنا ممکن تھا اور آیت خاتم النبیین آپؐ کے ماتحت نبی کے آنے میں روک نہ تھی۔

حدیث کی صحت و قوت

بعض لوگوں نے اِس حدیث کو ضعیف قرار دے کر رد کرنے کی کوشش کی ہے اور بعض نے اس کے یہ معنی بیکر کہ گویا صاحبزادہ ابراہیم اسی لیے فوت ہو گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا تھا۔ ان معنی میں اسے قبول کیا ہے حضرت امام علی القاریؒ ان لوگوں کے خیالات کو رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

لَوْعَاشَ وَصَارَ نَبِيًّا وَكَذَا لَوْصَارَ عُمَرُ نَبِيًّا

لَكَانَا مِنْ اَتْبَاعِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ"۔

ترجمہ:۔ اگر صاجزادہ ابراہیم زندہ رہتے اور نبی ہو جاتے اور اسی طرح اگر حضرت عمرؓ نبی ہو جاتے تو وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے ہوتے۔

یہ لکھکر آگے اس اعتراض کا جواب کہ کیا ان کا نبی ہو جانا خاتم کے خلاف نہ ہوتا یوں دیتے ہیں:۔

"فَلَا يُنَاقِضُ قَوْلَهٗ تَعَالٰى خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ اِذِ الْمَعْنٰى اَنَّهٗ لَا يَأْتِيْ نَبِيٌّ بَعْدَهٗ يَنْسَخُ مِلَّتَهٗ وَلَمْ يَكُنْ مِّنْ اُمَّتِهٖ"۔ (موضوعات کبیر ص۵۸)

ترجمہ:۔ "صاحبزادہ ابراہیم کا نبی ہو جانا آیتِ خاتم النبیین کے خلاف اس لیے نہ ہوتا کیونکہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپؐ کی امت میں سے نہ ہو"۔

(گویا امتِ محمدیہ میں نبی ہونے میں آیت خاتم النبیین مانع نہیں۔

اُمتوں میں نبی ہونے میں مانع ہے یا شارع نبی کے آنے میں مانع ہے۔)

ضعفِ روایت کی تردید

ضعفِ روایت کی تردید میں وہ لکھتے ہیں:۔

"لَهٗ طُرُقٌ ثَلَاثٌ يُقَوِّىْ بَعْضُهَا بِبَعْضٍ"۔

(موضوعات کبیر ص۵۸)

کہ یہ حدیث تین طریقوں سے مروی ہے جو آپس میں ایک دوسرے کو قوت دے رہے ہیں۔

نیز اُوپر کے معنی کو مدّ نظر رکھتے ہوئے جن سے امکان نبوّت ثابت ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"يُقَوِّيْهِ حَدِيْثُ لَوْكَانَ مُوْسٰى حَيًّا لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِيْ"۔ (موضوعات کبیر ص۵۹)

یعنی ان معنی کو قوّت وہ حدیث بھی دے رہی ہے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر موسیٰ زندہ ہوتا تو اُسے میری پیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔

بعض نے راوی ابن ابی شیبہ کو ضعیف قرار دیکر اس حدیث کو ردّ کرنے کی کوشش

کی ہے، لیکن تہذیب التہذیب اور الکمال الاکمال میں اس راوی کے متعلق لکھا ہے:۔

" قَالَ يَزِيْدُ ابْنُ هَارُوْنَ مَا قَضٰى رَجُلٌ اَعْدَلَ
فِى الْقَضَاءِ مِنْهُ وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ لَهٗ اَحَادِيْثُ
صَالِحَةٌ وَّهُوَ خَيْرٌ مِّنْ اَبِىْ حَيَّةَ ۔"

(تہذیب التہذیب جلد ۱ صـ۳۵
والکمال الاکمال من اسماء الرجال صـ۲۰)

ترجمہ:۔ "ابن ہارون نے کہا ہے کہ راوی ابن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان
عبسی سے بڑھکر کسی نے قضاء میں عدل نہیں کیا اور ابن عدی
کہتے ہیں کہ اس کی احادیث اچھی ہیں اور وہ ابی حیہ سے بہتر راوی ہے"۔

ابو حیہؓ کے متعلق لکھا ہے:۔

" وَثَّقَهٗ دَارقُطْنِىُّ وَقَالَ النَّسَائِىُّ ثِقَةٌ ۔"

(تہذیب التہذیب جلد ۱ صـ۱۳)

ترجمہ:۔ دارقطنی نے ابو حیہؓ کو ثقہ راوی قرار دیا ہے اور نسائی بھی
اسے ثقہ کہتے ہیں۔

بیضاوی کے حاشیہ الشہاب علی البیضاوی میں اس حدیث کے

کے متعلق لکھا ہے:۔

" اَمَّا صِحَّةُ الْحَدِيْثِ فَلَا شُبْهَةَ فِيْهَا ۔"

ترجمہ۔ لیکن اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔

نوویؒ نے اِس حدیث کو باطل قرار دیا تھا، لیکن علامہ شوکانی نووی کے
خیال کو یہ کہہ کر رد کرتے ہیں:۔

" هُوَ عَجِيْبٌ مِّنَ النَّوَوِىْ مَعَ وُرُوْدِهٖ عَنْ ثَلَاثَةٍ
مِّنَ الصَّحَابَةِ وَكَاَنَّهٗ لَمْ يَظْهَرْ لَهٗ تَاْوِيْلُهٗ ۔"

(الفوائد المجموعہ صـ۱۴۱)

ترجمہ۔ نووی کا اس حدیث کو باطل قرار دینا حیران کن بات ہے
باوجودیکہ یہ حدیث تین صحابہ سے وارد ہوئی ہے (گویا تین
صحابہؓ کے طریق سے ثابت ہے) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نووی
پر اس کی تاویل نہیں کھلی۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث تعلیق بالمحال کے طور پر ہے اور حرف
لَوْ سے یہ مسئلہ فرضی طور پر بیان کیا گیا ہے۔

الجواب | یہ تو ٹھیک ہے کہ مسئلہ فرضی طور پر بیان ہوا ہے لیکن امر محال کو فرض نہیں کیا گیا بلکہ امر ممکن کو فرض کیا گیا ہے اور صاحبزادہ ابراہیم کا نبی ہونا زندگی کی شرط نہ پایا جانے کی وجہ سے محال قرار دیا گیا ہے ورنہ اپنی ذات میں اُمتی نبی کا ہونا آیت خاتم النبیین کے منافی نہیں جیسا کہ امام علی القاری ؒ نے بیان کیا ہے۔ بے شک آیت لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء آیت ۲۳) میں اٰلِهَةٌ کا ہونا محال ہے اور آیت میں تعلیق بالمحال کی صورت ہے۔ اسی طرح لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الانعام آیت ۸۸) میں انبیاء سے شرک سرزد نہ ہونے کی وجہ سے تعلیق بالمحال ہے، لیکن حدیث زیر بحث میں تعلیق بالمحال نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول آیت قرآنیہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ (البقرۃ : ۱۰۴) کی طرح ہے یعنی اگر یہود ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ان کے لئے بہتر ثواب ہوتا۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ وہ ایمان نہیں لائے اس لئے ثواب سے محروم ہیں۔ ورنہ ان کے ایمان نہ لانے سے دوسرے ایمان لانے والے ثواب سے محروم نہیں۔ پس اپنی ذات میں ثواب پانے کا امکان ہے، لیکن اس آیت میں یہودیوں کیلئے جو ایمان نہ لائیں بہتر ثواب پانا محال قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح حدیث ہذا کی رُو سے اپنی ذات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمتی نبی کا ہونا آیت خاتم النبیین کے منافی نہیں۔ بلکہ

ممکن ہے اور صاحبزادہ ابراہیم کی زندگی کے محال ہونے پر ان کے لیے بالفعل نبی ہونا محال قرار دیا گیا ہے نہ اپنی ذات میں۔

(۵) احادیث نبویہ سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درود بھیجنے کا طریق یہ بتایا ہے:۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

ترجمہ:۔ اے اللہ! محمد رسول اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی آل پر رحمت بھیج جس طرح تُو نے ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی آل پر رحمت بھیجی۔ بیشک تُو تعریف کیا گیا اور بزرگ شان والا ہے اور اے اللہ تو محمدؐ رسول اللہ اور آپؐ کی آل کو برکت دے جس طرح تُو نے ابراہیمؑ اور اُن کی آل کو برکت دی۔ بے شک تُو

تعریف کیا گیا اور بزرگ شان والا ہے۔

استدلال:- چونکہ آلِ ابراہیمؑ کو ولایت، امامت اور نبوّت کی برکات سے حصّہ ملتا رہا اس لیے ضروری ہے کہ درودِ شریف کی دُعا کی برکت سے آلِ محمدؐ کو بھی ولایت، امامت اور نبوّت سے حصّہ ملتا رہے۔

آل سے مراد متّبعین بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت محی الدین ابنِ عربیؒ لکھتے ہیں:-

"وَاعْلَمْ اَنَّ اٰلَ الرَّجُلِ فِیْ لُغَةِ الْعَرَبِ هُمْ خَاصَّتُهُ الْاَقْرَبُوْنَ اِلَیْهِ وَخَاصَّةُ الْاَنْبِیَاءِ وَاٰلُهُمْ هُمُ الصَّالِحُوْنَ الْعُلَمَاءُ بِاللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔" (فتوحاتِ مکیّہ جلد اوّل صـ۵۶۹)

ترجمہ:- جان لو کہ عربی زبان میں ایک آدمی کی آل سے مراد اُس کے خاص اقارب ہوتے ہیں اور انبیاء کے خواص اور اُن کی آل، مومنوں میں سے علماءِ صالحین ہوتے ہیں۔

درود شریف کی تشریح میں شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں:-

فَکَانَ مِنْ کَمَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَنْ اَلْحَقَ اٰلَهٗ بِالْاَنْبِیَاءِ فِی الرُّتْبَةِ وَزَادَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ بِاَنَّ شَرْعَهٗ لَا یُنْسَخُ۔

ترجمہ:- یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہے کہ آپؐ نے دُرود شریف کی دُعا کے ذریعہ اپنی آل کو رُتبہ میں انبیاء سے ملا دیا اور حضرت ابراہیمؑ سے بڑھکر آپؐ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپؐ کی شریعت منسوخ نہ ہو گی۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:-

"قَطَعْنَا اَنَّ فِیْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ مَنْ لَحِقَتْ دَرَجَتُهٗ دَرَجَةَ الْاَنْبِیَاءِ فِی النُّبُوَّةِ عِنْدَ اللّٰهِ لَا فِی التَّشْرِیْعِ۔"

فتوحاتِ مکیّہ جلد اوّل صـ۵۶۹-۵۷۰

ترجمہ:- ہم نے دُرود شریف سے قطعی طور پر جان لیا ہے کہ اس اُمّت میں وہ شخص بھی ہیں جن کا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبوّت میں انبیاء سے مل گیا ہے نہ کہ شریعت لانے میں۔

۶- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

وَاشَوْقَاهُ اِلٰی اِخْوَانِی الَّذِیْنَ یَأْتُوْنَ بَعْدِیْ۔

(الانسان الکامل جلد ۲ ص۹۴)

اس حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ آنے والی اُمّت کو جس نے آپؐ کو نہیں دیکھا۔ بھائی قرار دیتے ہوئے اُن کے متعلق اشتیاق کا اظہار فرمایا ہے۔ سیّد عبدالکریم جیلانی علیہ الرحمۃ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

"فَھٰؤُلَآءِ اَنْبِیَآءُ الْاَوْلِیَاءِ یُرِیْدُ بِذٰلِکَ
نُبُوَّۃَ الْقُرْبِ وَالْاِعْلَامِ وَالْحُکْمِ الْاِلٰھِیْ
لَا نُبُوَّۃَ التَّشْرِیْعِ لِاَنَّ نُبُوَّۃَ التَّشْرِیْعِ
اِنْقَطَعَتْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔"

(الانسان الکامل جلد ۲ ص۹۴)

ترجمہ:۔ یہ اخوان انبیاء الاولیاء ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نبوّۃ القرب والاعلام والحکم الالٰھی مراد لیتے ہیں (یعنی وہ نبوّت جو قربِ الٰہی کا درجہ ہے اور جس میں اخبارِ غیبیہ اور الٰہی حکمتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ ناقل)

نہ کہ تشریعی نبوّت۔ کیونکہ تشریعی نبوّت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہوگئی ہے۔

۷- حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ سَیِّدَا کُھُوْلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ
مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اِلَّا النَّبِیِّیْنَ وَ
الْمُرْسَلِیْنَ۔" (مشکوٰۃ باب مناقب الصّحابۃ)

ترجمہ:۔ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما دونوں جنّت کے ادھیڑ عمر والے آدمیوں میں سے سب پہلوں اور پچھلوں کے سردار ہیں سوائے نبیوں اور رسولوں کے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ جیسے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے پہلے لوگوں میں انبیاء اور مرسلین آئے جن سے انہیں افضل قرار نہیں دیا گیا اسی طرح ان سے پچھلوں میں بھی کسی نبی اور مرسل کا آنا مقدّر تھا۔ تب ہی انہیں اُن سے پیچھے آنے والے نبیوں اور مرسلین سے افضل قرار نہیں دیا گیا۔

مسیح موعود کا نبی اللہ اور اُمتّی ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث

بروایت حضرت ابوہریرہؓ سے ثابت ہے چنانچہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"اَلَا اِنَّہٗ لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ نَبِیٌّ وَّلَا رَسُوْلٌ وَاَلَا اِنَّہٗ خَلِیْفَتِیْ فِیْ اُمَّتِیْ۔"

(طبرانی فی الاوسط والکبیر)

ترجمہ:- سُن لو! میرے اور مسیح موعود کے درمیان کوئی نبی نہیں اور سُن لو کہ وہ میری اُمّت میں میرا خلیفہ ہے۔

انقطاعِ نبوّت والی احادیث کا مفہوم

از روئے اقوال بزرگان

تمام آیاتِ قرآنیہ جو مذکور ہوئیں اور احادیث نبویہ جو اُمّت میں اُمتی نبی کے امکان پر روشن دلیل ہیں، ان کے علاوہ جن حدیثوں میں نبوّت کے منقطع ہونے یا لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے الفاظ وارد ہیں، وہ صرف یہ محدود مفہوم رکھتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی تشریعی اور مستقل نبی نہیں آسکتا نہ یہ کہ کوئی اُمتی نبی بھی نہیں آسکتا بلکہ اپنے بعد مسیح موعود کے اُمتی نبی اللہ ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خبر دی ہے اور کسی حدیث میں نہیں فرمایا کہ اُمتی نبی بھی نہیں آسکتا۔ بلکہ جیسا کہ مذکور ہوا حضرت انسؓ والی روایت میں آنحضرتؐ نے فرمایا نَبِیُّھَا مِنْھَا کہ اس کا نبی اُمت میں سے ہوگا۔

واضح ہو لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا یہ مفہوم لینا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا یا کوئی نبی نہیں آئے گا محققین علماء کے نزدیک

درست نہیں بلکہ محققین کے نزدیک حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے یہ معنی لیے گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شارع نبی نہیں آئے گا چنانچہ امام علی القاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

وَرَدَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ مَعْنَاہُ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ لَا یَحْدُثُ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ بِشَرْعٍ یَنْسَخُ شَرْعَہٗ۔

(الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ ص۲۲۶)

ترجمہ:۔ حدیث میں لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے جو الفاظ آئے ہیں اس کے معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ کوئی نبی ایسی شریعت کو لیکر پیدا نہیں ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرتی ہو۔

نواب نور الحسن خان ابن نواب صدیق حسن لکھتے ہیں:۔

حدیث لَا وَحْیَ بَعْدَ مَوْتِیْ بے اصل ہے البتہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ آیا ہے جس کے معنی نزدیک اہل علم کے یہ ہیں کہ کوئی نبی شرع ناسخ نہیں لائے گا۔ (اقتراب الساعۃ ص۶۲)

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔

قُوْلُوْا خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

(درمنثور جلد ۵ ص۲۰۴)

اور دوسری جگہ یوں مروی ہے:۔

قُوْلُوْا اِنَّہٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ۔ (تکملہ مجمع البحار جلد ۴ ص۸۵)

ترجمہ:۔ اے لوگو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یا بروایت دیگر خاتم الانبیاء تو کہو مگر یہ نہ کہنا کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرت ام المومنینؓ نے لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ کہنے سے اس لیے منع فرمایا کہ امت غلط معنوں پر قائم نہ ہو جائے کیونکہ ان الفاظ کا محل وقوع مختلف حدیثوں میں یہ ظاہر کرنے کے لیے نہیں آیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مطلق کوئی نبی نہیں آسکتا۔

نوٹ:۔ تفسیر درمنثور سے ظاہر ہے کہ اس روایت کی تخریج ابن ابی شیبہ محدث نے حضرت ام المومنین عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا سے کی ہے۔

اس حدیث کی تشریح میں امام محمد طاہر علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے:۔

ھٰذَا نَاظِرٌ اِلٰی نُزُوْلِ عِیْسٰی وَھٰذَا اَیْضًا لَا یُنَافِیْ حَدِیْثَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ لِاَنَّہٗ اَرَادَ

لَا نَبِیَّ یَنْسَخُ شَرْعَہٗ۔ (تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵)

ترجمہ:۔ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول عیسیٰ کے نزول کے پیشِ نظر ہے اور یہ قول حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے بھی خلاف نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ سے یہ تھی کہ کوئی نبی آپؐ کی شریعت کو نسخ کرنے والا نہیں آئے گا۔"

نوٹ:۔ حضرت ام المومنینؓ کا یہ قول اگر بالفرض نزول عیسیٰ کو پیش رکھنے کی وجہ سے بھی ہو تو یاد رہے کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں جیسا کہ مستدرک میں ان سے روایت ہے:۔

اِنَّ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ عَاشَ مِائَۃً وَّعِشْرِیْنَ سَنَۃً۔ (دیکھو حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۸)

کہ عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس سال زندہ رہے۔

پس وہ عیسیٰؑ کے بروزی نزول کی قائل ہی سمجھی جا سکتی ہیں نہ اصالتاً
کیونکہ وہ قرآن مجید خوب جانتی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں
فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ کہ جس نفس پر موت و

اسے خدا دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجتا۔

الشیخ الاکبر حضرت محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:۔

فَمَا ارْتَفَعَتِ النُّبُوَّۃُ بِالْکُلِّیَّۃِ لِھٰذَا قُلْنَا اِنَّمَا ارْتَفَعَتْ نُبُوَّۃُ التَّشْرِیْعِ فَھٰذَا مَعْنٰی لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ۔ (فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۲۴)

ترجمہ:۔ نبوت کلی طور پر بند نہیں ہوئی اس لیے ہم نے کہا صرف تشریعی نبوت بند ہوئی ہے پس لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے یہی معنی ہیں۔

نیز تحریر فرماتے ہیں:۔

اِنَّ النُّبُوَّۃَ الَّتِیْ انْقَطَعَتْ بِوُجُوْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا ھِیَ نُبُوَّۃُ التَّشْرِیْعِ لَا مُقَامُھَا فَلَا شَرْعَ یَکُوْنُ نَاسِخًا لِشَرْعِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا یَزِیْدُ فِیْ شَرْعِہٖ حُکْمًا اٰخَرَ وَھٰذَا مَعْنٰی

قَوْلِهٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ اَیْ لَا نَبِیَّ یَکُوْنُ عَلٰی شَرْعٍ یُّخَالِفُ شَرْعِیْ بَلْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ حُکْمِ شَرِیْعَتِیْ۔"

(فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ ص۳ م)

ترجمہ:۔ وہ نبوّت جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے منقطع ہوئی ہے وہ صرف تشریعی نبوّت ہے نہ کہ مقام نبوّت پس اب کوئی شرع نہ ہوگی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرع کی ناسخ ہو اور نہ آپؐ کی شرع میں کوئی نیا حکم بڑھانے والی شرع ہوگی اور یہی معنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے ہیں کہ رسالت اور نبوّت منقطع ہوگئی ہے پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا نہ نبی۔ یعنی مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے یہ ہے کہ اب ایسا نبی کوئی نہیں ہوگا جو میری شریعت کے مخالف شریعت پر ہو۔ بلکہ جب کبھی کوئی نبی ہوگا تو وہ میری شریعت کے حکم کے ماتحت ہوگا۔"

اس ماتحت نبوّت کو شیخ اکبر علیہ الرحمۃ مخلوق میں قیامت تک کے لیے جاری قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فَالنُّبُوَّۃُ سَارِیَۃٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ فِی الْخَلْقِ وَاِنْ کَانَ التَّشْرِیْعُ قَدِ انْقَطَعَ فَالتَّشْرِیْعُ جُزْءٌ مِّنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّۃِ۔

(فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ ص۱ باب ۷۳)

ترجمہ:۔ نبوّت مخلوق میں قیامت تک جاری ہے اگرچہ شریعت کا لانا منقطع ہوگیا۔ پس شریعت کا لانا نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔"

امام شعرانی لکھتے ہیں:۔

اِعْلَمْ اَنَّ مُطْلَقَ النُّبُوَّۃِ لَمْ تَرْتَفِعْ وَ اِنَّمَا ارْتَفَعَتْ نُبُوَّۃُ التَّشْرِیْعِ۔"

(الیواقیت والجواہر جلد ۲ ص۲)

ترجمہ:۔ "یاد رکھو کہ مطلق نبوّت نہیں اُٹھی، صرف شریعت والی نبوّت اُٹھ گئی ہے۔"

پھر وہ لکھتے ہیں:-

فَلَا تَخْلُوا الْاَرْضُ مِنْ رَّسُوْلٍ حَيٍّ بِجِسْمِهٖ
اِذْ هُوَ قُطْبُ الْعَالَمِ الْاِنْسَانِيِّ وَلَوْ كَانُوْا
اَلْفَ رَسُوْلٍ فَاِنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنْ هٰؤُلَاءِ
هُوَ الْوَاحِدُ۔"

(الیواقیت والجواھر مبحث ۴۵ جلد ۲ صفحہ ۶۰)

ترجمہ:- زمین کبھی مجسّم زندہ رسول سے خالی نہ رہے گی خواہ ایسے رسول شمار میں ہزار ہوں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم انسانی کے قطب ہیں اور ان رسولوں سے مقصود خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی واحد شخصیت ہے (یعنی ان رسولوں کی آمد ظلّی طور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی آمد ہے)

پھر آگے لکھتے ہیں:-

فَمَا زَالَ الْمُرْسَلُوْنَ وَلَا يَزَالُوْنَ فِيْ هٰذِهِ
الدَّارِ لٰكِنْ مِنْ بَاطِنِيَّةِ شَرْعِ مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔"

(الیواقیت والجواھر جلد ۲ مبحث ۴۵ صفحہ ۹۰)

ترجمہ:- "پہلے بھی مرسلین دنیا میں رہے اور آئندہ بھی اس دنیا میں رہیں گے لیکن یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی باطنیت سے ہوں گے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی سے مرسل بنیں گے) لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں۔"

عارفِ ربانی حضرت عبدالکریم جیلانیؒ لکھتے ہیں:-

فَانْقَطَعَ حُكْمُ نُبُوَّةِ التَّشْرِيْعِ بَعْدَهٗ وَكَانَ
مُحَمَّدٌ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ لِاَنَّهٗ جَاءَ
بِالْكَمَالِ وَلَمْ يَجِئْ اَحَدٌ بِذٰلِكَ۔

(الانسان الکامل جلد ۱ صفحہ ۹۸ مطبوعہ مصر)

ترجمہ:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تشریعی نبوت کا حکم منقطع ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین قرار پائے کیونکہ آپؐ ایسی کامل شریعت لے کر آئے جو کوئی اور نبی

نہیں لایا۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں:۔

فکر کُن در راہ نیکو خدمتے
تا نبوّت یابی اندر اُمّتے

(مثنوی مولانا رومؒ دفتر اول صـ۵۳ شائع کردہ مولوی فیروز الدین)

ترجمہ:۔ "نیکی کی راہ میں خدمت کی ایسی تدبیر کر کہ تجھے اُمّت کے اندر نبوّت مل جائے۔"

خاتم کے معنے یوں بیان کرتے ہیں:۔

بہر این خاتم شد است او کہ بجُود
مثلِ او نے بود نے خواہند بُود

(مثنوی مولانا روم جلد ششم صـ۸ مطبع نولکشور ۱۹۱۷ء)

ترجمہ:۔ یعنی آپؐ خاتم اس لیے ہوئے ہیں کہ فیضِ روحانی کی بخشش میں آپؐ کی مثل نہ کوئی نبی پہلے ہوا ہے اور نہ ایسا آئندہ ہوگا۔

پھر فرماتے ہیں:۔

چونکہ در صنعت برد استاد دست
تو نہ گوئی ختمِ صنعت بر تو است

ترجمہ:۔ "جب کوئی استاد صنعت اور دستکاری میں دوسروں سے سبقت لے جاتا ہے تو کیا اے مخاطب! تو یہ نہیں کہتا کہ تجھ پر صنعت و دستکاری ختم ہے (یعنی تجھ جیسا کوئی صنعت گر اور دستکار نہیں۔"

پس آپؒ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین فیضِ نبوّت پہنچانے کے لحاظ سے ہیں نہ کہ فیضِ نبوّت بند کرنے کے لحاظ سے۔

حضرت ولی اللہ شاہ صاحبؒ محدث دہلوی، و مجدّد صدی دوازدہم تحریر فرماتے ہیں:۔

۱۔ "خُتِمَ بِهِ النَّبِيُّوْنَ اَيْ لَا يُوْجَدُ مَنْ يَّأْمُرُهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِالتَّشْرِيْعِ عَلَى النَّاسِ۔"

(تفہیمات الٰہیہ جلد ۲ صـ۷۲)

ترجمہ:۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبی اس طرح ختم کئے گئے ہیں کہ ایسا شخص نہیں پایا جائیگا جسے اللہ تعالیٰ لوگوں پر نئی شریعت

دیگر مامور کرے۔

پھر فرماتے ہیں۔

ب۔ اِمْتَنَعَ اَنْ یَکُوْنَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ مُسْتَقِلٌّ بِالتَّلَقِّیْ۔

(الخیر الکثیر صـ۸)

ترجمہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستقل بالتلقی (یعنی شارع نبی) نہیں آسکتا۔

ج۔ حدیث نبوی لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ کی روشنی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"لِاَنَّ النُّبُوَّۃَ تَتَجَزّٰی وَجُزْءٌ مِّنْهَا بَاقٍ بَعْدَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ۔"

(المسوّیٰ شرح مؤطّا امام مالکؒ جلد ۲ صـ۲۱۶ مطبوعہ دہلی)

ترجمہ:۔ نبوت قابلِ تقسیم ہے اور نبوت کی ایک جزء (قسم) حضرت خاتم الانبیاءؐ کے بعد باقی ہے۔

مسیح موعود کی شان میں لکھتے ہیں:۔

"یَزْعَمُ الْعَامَّۃُ اَنَّہٗ اِذَا نَزَلَ اِلَی الْاَرْضِ کَانَ

وَاحِدًا مِّنَ الْاُمَّۃِ کَلَّا بَلْ هُوَ شَرْحٌ لِّلْاِسْمِ الْجَامِعِ الْمُحَمَّدِیِّ وَنُسْخَۃٌ مُّنْتَسَخَۃٌ مِّنْہُ فَشَتَّانَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اَحَدٍ مِّنَ الْاُمَّۃِ۔"

(الخیر الکثیر صـ۷۲ مطبوعہ مدینہ پریس بجنور)

ترجمہ:۔ "عوام یہ گمان کرتے ہیں کہ مسیح موعود جب زمین کی طرف نازل ہوگا تو اس کی حیثیت محض ایک امّتی کی ہوگی۔ ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تو اسم جامع محمدیؐ کی پوری تشریح اور اس کا دوسرا نسخہ ہوگا (یعنی کامل ظلِّ محمدؐ ہوگا) پس اس کے درمیان اور ایک اُمّتی کے درمیان بڑا فرق ہے۔"

مجدّد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

"حصولِ کمالاتِ نبوّت مرتابعاں را بطریقِ تبعیّت و وراثت بعد از بعثتِ خاتم الرسلؐ منافئ خاتمیتِ او نیست فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ۔"

(مکتوباتِ امامِ ربانی مجدّد الف ثانی مکتوب ۳۰۱ صـ۴۳۲ جلد ۱)

ترجمہ:- "خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبعوث ہونے کے بعد خاص متبعینِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور پیروی اور وراثت کمالاتِ نبوت کا حاصل ہونا آپؐ کے خاتم الرسل ہونے کے منافی نہیں پس اس میں شک مت کر۔"

مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:-

ا- "بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مجرّد کسی نبی کا آنا محال نہیں بلکہ نئی شریعت والا البتہ ممتنع ہے۔"

(دافع الوسواس فی اثر ابن عباس نیا ایڈیشن ص۱۶)

ب- نیز لکھتے ہیں:-

علمائے اہل سنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا اور نبوّت آپؐ کی تمام مکلّفین کو شامل ہے اور جو نبی آپ صلعم کے ہمعصر ہوگا وہ متبع شریعتِ محمدیہ ہوگا۔

(دافع الوسواس ص۲۹ نیا ایڈیشن و تحذیر الناس)

علامہ حکیم صوفی محمّد حسن مصنف غایۃ البرہان لکھتے ہیں:-

"الغرض اصطلاح میں نبوّت بخصوصیّتِ الٰہیہ خبر دینے سے عبارت ہے۔ وہ دو قسم پر ہے۔ ایک نبوتِ تشریعی جو ختم ہو گئی۔ دوسری نبوت بمعنی خبر دادن۔ وہ غیر منقطع ہے پس اس کو مبشّرات کہتے ہیں۔ اپنے اقسام کے ساتھ اس میں رؤیا بھی ہیں۔"

(الکواکب الدّرّیۃ ص۱۴۷، ص۱۴۸)

انقطاعِ نبوّت سے متعلقہ احادیث کی تشریح

حدیث اوّل: ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهٗ نَبِيٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔ (صحیح بخاری)

ترجمہ:۔ یقیناً عنقریب میری اُمّت میں تیس کذّاب ہوں گے ہر ایک ان میں سے نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا اور میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے مقابل کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

تشریح: ۔ (۱) اُمّتِ محمّدیہ کا مسیح موعود اس حدیث کا مصداق نہیں ہوسکتا

کیونکہ اُسے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ نَبِيٌّ فرما کر نبی قرار دیا ہے پس یہ تیس کذّاب وہی ہوسکتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعودؑ کے درمیانی زمانہ میں اُمّت میں سے نبوّتِ مستقلہ کا دعویٰ کریں اور ان تیس مدعیانِ نبوت کاذبہ کی تعداد مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ تک پوری ہوچکی تھی۔ چنانچہ شرح مسلم اکمال الاکمال میں لکھا ہے:۔

هٰذَا الْحَدِيْثُ ظَهَرَ صِدْقُهٗ فَاِنَّهٗ لَوْ عُدَّ مَنْ تَنَبَّأَ مِنْ زَمَنِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْاٰنَ لَبَلَغَ هٰذَا الْعَدَدَ وَيَعْرِفُ ذٰلِكَ مَنْ يُطَالِعُ التَّارِيْخَ۔

(اکمال الاکمال جلد ۷ صفحہ ۴۵۸ مصری) ص 258 ؟

ترجمہ:۔ اس حدیث کی سچائی ظاہر ہوچکی ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کو گنا جائے تو یہ تعداد پوری ہوچکی ہے اور جو شخص تاریخ کا مطالعہ کرے اسے جان لے گا۔

نوٹ:۔ اس کتاب کے مؤلف ۸۲۸ھ میں فوت ہوئے۔

۲- خاتم النبیین کے معنی امام علی القاریؒ نے یہ کئے ہیں :-

"اَلْمَعْنٰی اَنَّہٗ لَا یَأْتِیْ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِہٖ"

(موضوعاتِ کبیر صؔ ۵۹)

یعنی خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں ہوسکتا جو آپؐ کے دین کو منسوخ کرے اور آپؐ کی اُمّت میں سے نہ ہو۔

اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کی تشریح میں لکھتے ہیں :-

وَرَدَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ مَعْنَاہُ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ لَا یَحْدُثُ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ بِشَرْعٍ یَنْسَخُ شَرْعَہٗ

(الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ طؔ ۲۲۶)

ترجمہ: لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ آئندہ کوئی ایسا نبی پیدا نہیں ہوگا جو ایسی شریعت کے ساتھ ہو جو آپؐ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

پس حدیث زیر بحث میں اُمّت میں سے تیس ۳۰ ایسے اشخاص کا ذکر ہے جو تشریعی اور مستقلہ نبوت کا دعوی کریں جس سے یہ لازم آئے کہ وہ اُمّتی

نہیں رہتے ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمّتی ہونے کا دعویٰ اس حدیث کے منافی نہیں اور مسیح موعودؑ کا دعویٰ یہی تھا۔ چنانچہ اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث میں ایسی نبوت کے دعوی کرنے والے کا استثناء بھی مذکور ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ وَاَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ۔

(نبراس شرح الشرح لعقائد النسفی صؔ ۴۴۵)

ترجمہ:- میری اُمّت میں تیس آدمی ہوں گے، اُن میں سے ہر ایک نبوّت کا دعوی کرے گا اور تحقیق میرے بعد کوئی نبی نہیں سوائے اس نبی کے جسے اللہ چاہے۔

اس روایت کے متعلق بشرطِ صحّت صاحب نبراس لکھتے ہیں کہ اِلَّا کے استثناء کا تعلق مسیح موعود سے ہے۔ نیز نبراس کے حاشیے میں لکھا ہے :-

وَالْمَعْنٰی لَا نَبِیَّ بِنُبُوَّۃِ التَّشْرِیْعِ بَعْدَہٗ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ مِنْ اَنْبِیَاءِ الْاَوْلِیَاءِ۔

(نبراس حاشیہ صؔ ۴۴۵)

ترجمہ:۔ حدیث کے فقرہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے معنی یہ ہیں۔ کہ
کوئی نبی تشریعی نبوت کے ساتھ میرے بعد نہیں ہوگا الّا
مَا شَاءَ اللّٰہُ کے استثناء سے مراد اَنْبِیَاءِ الْاَوْلِیَاء
ہیں یعنی وہ اولیاء جو امّت میں سے مقام نبوت پانے والے ہیں۔

حدیث دوم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک پر جانے کے موقع پر حضرت علیؓ کو پیچھے خلیفہ مقرر کرنے اور حضرت علیؓ کے یہ
فقرہ کہنے پر کہ اَتَتْرُکُنِیْ فِی النِّسَاءِ وَالصِّبْیَانِ یعنی کیا آپ مجھے عورتوں
اور بچوّں پر چھوڑ رہے ہیں؟ یعنی آپ مجھے جنگ میں جانے کی اجازت نہیں دے
رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا:۔

اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ
مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَیْسَ نَبِیٌّ بَعْدِیْ۔

(صحیح بخاری جلد ۲ صـ ۶۳۲)

ترجمہ:۔ اے علی! کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو مجھ سے اُس
مرتبہ پر ہو جو موسیٰ کی غیر حاضری میں ہارون کو حاصل تھا۔ مگر
حقیقت یہ ہے کہ میری اس غیر حاضری میں میرے سوا کوئی نبی نہیں۔

تشریح

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس کی تشریح میں تحریر فرمایا ہے:۔

"باید دانست کہ مدلولِ ایں آیت نیست الا استخلافِ
علیؓ بر مدنیہ در غزوۂ تبوک و تشبیہ دادن این استخلاف
باستخلافِ موسیٰ ہارون را در وقتِ سفرِ خود بجانب طور و معنی
بَعْدِیْ اینجا غَیْرِیْ است۔ چنانچہ در آیت فَمَنْ
یَّھْدِیْہِ مِنْ بَعْدِ اللّٰہِ گفتہ اند نہ بعدیتِ زمانی۔"

(قُرۃُ العَینَین فی تفصیل الشیخین صـ ۲۰۶)

ترجمہ:۔ "جاننا چاہیئے کہ اس حدیث کا مدلول صرف غزوۂ تبوک میں
حضرت علیؓ کا مدنیہ میں نائب یا مقامی امیر بنایا جانا اور حضرت
ہارونؑ سے تشبیہ دیا جانا ہے جبکہ موسیٰؑ نے طور کی جانب سفر
کیا اور بَعْدِیْ کے معنی اس جگہ غَیْرِیْ (اس وقت میرے
سوا کوئی نبی نہیں) نہ بعدیتِ زمانی۔ جیسا کہ آیت فَمَنْ
یَّھْدِیْہِ مِنْ بَعْدِ اللّٰہِ میں کہتے ہیں کہ بَعْدِ اللّٰہِ
کے معنی اللہ کے سوا ہیں۔"

پس اس حدیث سے بعدیتِ زمانی کا استنباط حضرت شاہ ولی اللہ رح کے نزدیک جائز نہیں۔ کیونکہ وہ آگے لکھتے ہیں :۔

"زیراکہ حضرت ہارونؑ بعد حضرت موسیٰؑ نماندند تا ایشاں رابعدیتِ زمانہ ثابت بود۔ و از حضرت مرتضیٰ آں را استثناء کنند۔"

یعنی بعدیتِ زمانی اس لیے مراد نہیں کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بعد زندہ نہیں رہے کہ حضرت علیؓ کے لیے بعدیتِ زمانی ثابت ہو اور حضرت علیؓ سے بعدیت زمانی کا استثناء کریں۔"

اس بارہ میں ایک روایت بالمعنی یوں وارد ہے :۔

غَیْرَ اَنَّکَ لَسْتَ نَبِیًّا۔ (طبقات سعد جلد ۵ صفحہ ۱۵)

یعنی غزوۂ تبوک کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ سے غیر حاضری پر آپؐ حضرت علیؓ سے فرماتے ہیں کہ تو اس غیر حاضری میں ہارون کی طرح میرا خلیفہ تو ہے مگر تُو نبی نہیں۔

حدیث سوم :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بُنْیَانًا فَاَحْسَنَہٗ وَاَجْمَلَہٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَۃٍ مِّنْ زَاوِیَۃٍ مِّنْ زَوَایَاہُ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِہٖ وَیَعْجَبُوْنَ مِنْہُ وَ یَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِہٖ اللَّبِنَۃُ قَالَ فَاَنَا اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ۔

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۴۸۔ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۰۱ مسند احمد صفحہ ۴۹۸۔ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۴۴)

ترجمہ :۔ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک گھر بنایا اور اُس کو بہت آراستہ پیراستہ کیا مگر اس کے گوشوں میں سے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ لوگ اُسے دیکھنے آتے اور خوش ہوتے اور کہتے کہ یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی۔ آپؐ نے فرمایا میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیینؐ ہوں۔"

تشریح :۔ علامہ ابن حجر رح اس کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اَلْمُرَادُ هُنَا النَّظْرُ اِلَی الْاَکْمَلِ بِالنِّسْبَۃِ اِلَی

اَلشَّرِیْعَۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ مَعَ مَا مَضٰی مِنَ
الشَّرَائِعِ الْکَامِلَۃِ۔ (فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۸)

ترجمہ:۔ مراد اس تکمیلِ عمارت سے یہ ہے کہ شریعت محمدیہؐ پہلے
گزری ہوئی کامل شریعتوں کی نسبت ایک اکمل شریعت ہے۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ
کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مثال صرف پہلے گزرے ہوئے انبیاء سے
دی ہے جو تشریعی یا مستقل نبی تھے۔ بلاشبہ نبوّتِ تشریعیہ یا نبوتِ مستقلہ کی عمارت
حضرت آدمؑ سے شروع ہوئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی تکمیل ہوگئی۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والا امتی نبی اس جگہ زیرِ بحث نہیں آسکتا
کیونکہ مسیح موعودؑ کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی بھی قرار دیا ہے اور امتی بھی۔

حدیث چہارم

لَوْکَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ ھٰذَا حَدِیْثٌ
غَرِیْبٌ۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۶۹ و مشکوٰۃ اصح المطابع صفحہ ۵۵۸)

یعنی خدا نے مجھے نبی بنا دیا ہے اگر اس زمانہ میں میرے سوا کوئی

نبی ہونا ہوتا تو وہ حضرت عمرؓ ہوتے۔ یہ حدیث غریب ہے"
امام ترمذیؒ نے لکھا ہے:۔
"ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔
یعنی یہ حدیث غریب ہے"

امام سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں اس حدیث کو ضعیف قرار
دیا ہے۔

ذیل کی روایات بالمعنی اس کی تشریح کرتی ہیں:۔

ا۔ لَوْلَمْ اُبْعَثْ لَبُعِثْتَ یَا عُمَرُ۔
(مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۵ صفحہ ۵۳۹ وحاشیہ مشکوۃ مجتبائی باب المناقب)

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں مبعوث نہ کیا
جاتا تو اے عمر تو مبعوث کیا جاتا۔
یہ حدیث صحیح ہے (دیکھو تعقباتِ سیوطی صفحہ ۴۱)

ب۔ لَوْلَمْ اُبْعَثْ فِیْکُمْ لَبُعِثَ عُمَرُ فِیْکُمْ۔
(کنوز الحقائق صفحہ ۱۳۳) جلد 2 صفحہ 151
یعنی اگر میں تم میں مبعوث نہ ہوتا تو عمر تم میں مبعوث ہوتا۔

پس چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہو کر مبعوث ہو گئے اسلیئے حضرت عمرؓ نبی نہ بنے ۔ یہی مفہوم ترمذی کی حدیث کا ہے کہ اگر مَیں نبی نہ بنایا جاتا تو پھر حضرت عمرؓ کا حق تھا کہ وہ نبی بنائے جاتے ۔

نوٹ :۔ مسیح موعودؑ کو تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی قرار دیا ہے اور اُمتی بھی ۔ ترمذی کی حدیث میں اُمتی نبی کا وجود زیر بحث نہیں بلکہ تشریعی نبی کا وجود زیر بحث ہے ۔ تشریعی نبوت یہاں اس لیے مراد ہے کہ روایات بالمعنی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا ہے کہ اگر مَیں مبعوث نہ ہوتا تو حضرت عمرؓ مبعوث ہوتے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریعی نبی تھے اس لیے اگر آپؐ مبعوث نہ ہوتے تو حضرت عمرؓ تشریعی نبی کے طور پر ہی مبعوث ہوتے ۔

حدیث پنجم

اِنَّہٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ ۔

(صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۹۷)

تشریح :۔ اس حدیث میں سَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عنقریب غیر نبی خلفاء ہونے

والے تھے مگر مسیح موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی بھی قرار دیا ہے اور اپنا خلیفہ بھی ۔ چنانچہ طبرانی کی حدیث میں ہے :۔

اَلَا اِنَّہٗ لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ نَبِیٌّ وَلَا رَسُوْلٌ وَاَلَا اِنَّہٗ خَلِیْفَتِیْ فِیْ اُمَّتِیْ ۔ (طبرانی فی الاوسط والکبیر)

کہ سُن لو! مسیح موعود اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور سُن لو کہ وہ میری اُمّت میں میرا خلیفہ ہے ۔

اسی طرح صحیح مسلم کی نواس بن سمعان والی روایت میں جو خروجِ دجال کے بارہ میں وارد ہے عیسیٰ موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار دفعہ نبی قرار دیا ہے

یُحْصَرُ نَبِیُّ اللّٰہِ وَاَصْحَابُہٗ ..... فَیَرْغَبُ نَبِیُّ اللّٰہِ عِیْسٰی وَاَصْحَابُہٗ ..... ثُمَّ یَھْبِطُ نَبِیُّ اللّٰہِ عِیْسٰی وَاَصْحَابُہٗ ۔ فَیَرْغَبُ نَبِیُّ اللّٰہِ عِیْسٰی وَاَصْحَابُہٗ اِلَی اللّٰہِ ۔

(صحیح مسلم باب خروج الدجال ۔ مشکوٰۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ و ذکر الدجّال)

حدیث ششم

اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً وَّخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ۔

(صحیح مسلم باب الفضائل ومشکوٰۃ باب فضائل سیّد المرسلین)

ترجمہ۔ "مَیں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور میرے ذریعہ شریعت جدیدہ لانے والے نبی ختم کر دیئے گئے ہیں"

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

"خُتِمَ بِہِ النَّبِیُّوْنَ اَیْ لَا یُوْجَدُ مَنْ یَّاْمُرُہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِالتَّشْرِیْعِ اِلَی النَّاسِ" (تفہیمات الٰہیہ ص[۲])

ترجمہ:۔ خُتِمَ بِہِ النَّبِیُّوْنَ سے یہ مراد ہے کہ آئندہ کوئی ایسا شخص نہیں پایا جائے گا جسے خدا نئی شریعت دیکر لوگوں پر مامور کرے۔

مسیح موعود کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ وہ صرف امتی ہی نہیں ہوگا بلکہ اسم جامع محمدی کی مکمل شرح اور اس کا دوسرا نسخہ ہوگا، گویا ظلّی نبی ہوگا۔ (الخیر الکثیر ص[۲] مطبوعہ مدینہ پریس بجنور)

حدیث ہفتم

اِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاِنَّ مَسْجِدِیْ لَاٰخِرُ الْمَسَاجِدِ۔

(صحیح مسلم باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد المدینۃ ومکّۃ)

کہ مَیں آخری نبی ہوں اور میری مسجد (نئے طریق عبادت کے لحاظ سے) آخری مسجد ہے۔

تشریح:۔ ۱۔ جس طرح مسجد نبویؐ کے تابع سینکڑوں مساجد بننے کے باوجود وہ آخری رہتی ہے اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نبی کا آنا آپؐ کے آخری نبی ہونے میں روک نہیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شریعت لانے والے نبی تھے اس لیے آپؐ شریعتِ جدیدہ کے ساتھ آخری نبی ہیں نہ کہ مطلق آخری نبی۔ اور آپ کی مسجد نئے طریق عبادت کے لحاظ سے آخری ہے نہ کہ مطلق آخری مسجد۔

بعض کہتے ہیں کہ ایک حدیث میں اٰخِرُ مَسَاجِدِ الْاَنْبِیَاءِ کے الفاظ وارد ہیں کہ مسجد نبوی انبیاء کی مسجدوں میں سے آخری ہے مگر یہ حدیث ضعیف ہے صحیح حدیث مسلم کی ہی ہے تاہم آخر کے معنی عربی زبان میں افضل کے بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کے معنی ہوں گے مسجد نبوی انبیاء کی مساجد سے افضل

ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

شَرٰی وُدِّیْ وَشُکْرِیْ مِنْ بَعِیْدٍ

لِاٰخِرِ غَالِبٍ اَبَدًا رَبِیْعٌ (حماسہ باب الادب)

ترجمہ:۔ ربیع بن زیاد نے میری دوستی اور شکر کو دور بیٹھے ایسے شخص کے لیے جو بنی غالب میں سے آخری یعنی ہمیشہ کے لیے عدیم المثال ہے خرید لیا ہے۔

پس آخر کے معنی سب سے افضل اور عدیم المثال کے بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں سے افضل اور عدیم المثال ہیں اور آپؐ کی مسجد سب مسجدوں سے افضل اور عدیم المثال ہے (خواہ انبیاء کی مساجد ہوں یا غیر انبیاء کی، پہلے کی ہوں یا بعد کی، لیکن خانہ کعبہ کو سب سے افضلیت حاصل ہے کیونکہ وہ بیت اللہ ہے۔)

حدیث ہشتم

"اَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ

نَبِیٌّ۔ (ترمذی جلد ۲ باب فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: میں "العاقب" ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

تشریح:۔ اگرچہ اس جگہ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ نہیں بلکہ یہ امام زہریؒ کے الفاظ ہیں اور اس طرح پیش کئے گئے ہیں کہ روایت مُدرّس ہوگئی ہے تاہم مراد امام زہریؒ کی یہی ہو سکتی ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شریعت لانے والا نبی نہیں اور شریعت لانے والے نبیوں میں سے آپ سب سے پیچھے آنے والے نبی ہیں ماسوا اس کے صحیح معنی "العاقب" کے ایسا شخص ہوتے ہیں جو بھلائیوں میں اپنے سے پہلوں کا جانشین ہو چنانچہ امام علی القاریؒ نے اس حدیث کے بارہ میں تحریر فرمایا ہے:۔

اَلظَّاهِرُ اَنَّ هٰذَا تَفْسِيْرٌ لِلصَّحَابِيِّ اَوْ مَنْ بَعْدَهٗ وَفِيْ شَرْحِ مُسْلِمٍ قَالَ ابْنُ الْاَعْرَابِيِّ اَلْعَاقِبُ الَّذِيْ يُخْلِفُ فِي الْخَيْرِ مَنْ كَانَ قَبْلَهٗ۔" (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۵ صـ۵۷۶ و برحاشیہ مشکوۃ مجتبائی باب اسماء النبیؐ)

ترجمہ:۔ بظاہر لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ کے الفاظ یا صحابی کی تفسیر ہے یا

کسی بعد کے راوی کی شرحِ مسلم میں ہے کہ ابن اعرابیؒ نے کہا ہے "العاقب" وہ شخص ہوتا ہے جو بھلائی میں اپنے سے پہلوں کا جانشین ہو۔"

شمائل ترمذی مجتبائی میں بین السطور لکھا ہے :۔

"هٰذَا قَوْلُ الزُّهْرِی"

کہ یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں بلکہ یہ امام زہریؒ کا قول ہے پس یہ حدیث مدلس ہے یعنی اس میں راوی نے خلط ملط کیا ہے۔

نوٹ :۔ بہرحال "العاقب" کے ایسے ہی معنی لینے چاہئیں جن سے مسیح موعود کی نبوت تضاد اور تناقض نہ رکھے۔ کیونکہ مسیح موعود کی نبوت احادیث نبویہؐ سے ثابت ہے۔

حدیث نہم

اِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ ۔ ابن ماجہ کتاب الفتن و کتاب الزہد

اس حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن محاربی اور اسمٰعیل بن رافع ضعیف ہیں (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۱۵ و تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۲۶۶)

تاہم اس روایت کو انہی معنوں میں قبول کیا جا سکتا ہے کہ اس جگہ لفظ آخر دونوں

جگہ بمعنی افضل استعمال ہوا ہے اور مراد یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے افضل ہیں اور آپؐ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے آخر سے مراد اس جگہ نبیوں کا مطلق آخری فرد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مسیح موعودؑ کی نبوت احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔

قرآن مجید نے امت محمدیہؐ کو خیر امت قرار دیا ہے اسی مضمون کو حدیث کے الفاظ اَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ میں بیان کیا گیا ہے اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ نئی امت بنانے والا کوئی نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں آ سکتا اور مسیح موعود کو ایسا نبی مانا گیا ہے جو نبی بھی ہے اور امتی بھی یعنی وہ کوئی نئی امت بنانے والا نہیں۔

حدیث دہم

حدیث میں آیا ہے

اَنَا الْمُقَفِّیْ

جس کے معنی بعض لوگ آخری نبی کرتے ہیں، لیکن عجیب بات ہے کہ یہ معنی کرنے والے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق آخری نبی نہیں مانتے کیونکہ

یہ لوگ مسیح موعود کے نبی ہونے کے قائل ہیں ـــــــ صحیح معنی اَلْمُقَفّٰی کے وہی ہیں جو اکمال الاکمال جلد ۶ ص۱۴۳ پر یوں لکھے ہیں :-

" مَعْنَاهُ اَلْمُتَّبِعُ لِلنَّبِیِّیْنَ- "

(اکمال الاکمال شرح مسلم جلد ۶ ص۱۴۳)

ترجمہ :- معنی اس کے وہ شخص ہے کہ نبی جس کی پیروی کریں۔

پس یہ حدیث تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں انبیاء کے آنے پر روشن دلیل ہے نہ کہ نبوت کے بکلی انقطاع پر۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔

وغیرہ علماء کی طرح شارع نبی کی نفی مراد لی جائے۔

الجواب اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ کے اصول کے مطابق بعض جگہ لفظ بظاہر اپنے مفہوم میں عام ہوتا ہے، لیکن مراد اس سے مفہوم خاص لیا جاتا ہے اصطلاحِ اصولِ فقہ میں ایسے لفظ کو عام مخصوص بالبعض قرار دیتے ہیں۔ البتہ ضروری ہوتا ہے کہ تخصیص کرنے والی کوئی نصّ موجود ہو۔ چونکہ علماء محققین کے نزدیک مسیح موعودؑ کا نبی اللہ کی حیثیت میں آنا اور ایک پہلو سے اُس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی بھی ہونا احادیثِ نبویّہ کی نصوص کی رُو سے محقق اور مسلم امر ہے اس لیے یہ احادیثِ نبویّہ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ میں نبی کے عمومی مفہوم کی مخصّص قرار دی جاتی ہیں اور مراد لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میں نبی سے شارع نبی لیا جاتا ہے کیونکہ مسیح موعودؑ کی حیثیت اُمّتِ محمدّیہ میں مبعوث ہونے پر امتی نبی کی تسلیم کی گئی ہے نہ کہ شارع نبی کی اس لحاظ سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کا لَا نفی جنس، نفی کمال کیلئے ہے نہ نبی کی شخصیت کی نفی کیلئے۔ آنحضرت صلعم کے بعد ایک نبی کی شخصیت کا امت میں مبعوث ہونا تو احادیث نبویہ کی رُو سے مسلم ہے اس حدیث میں لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کا لَا حدیث نبوی لَاھِجْرَۃَ بَعْدَ الْفَتْحِ کی طرح ہے اس حدیث میں فتح مکہ کے بعد مطلق ہجرت کی نفی نہیں بلکہ مکہ سے مدینہ کی طرف مخصوص ہجرت کی نفی ہے یہ حدیث درج کر کے تفسیر کبیر میں لکھا ہے

فَالْمُرَادُ الْهِجْرَةُ الْمَخْصُوْصَةُ (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر للرازی جلد ۴ صفحہ ۵۸۰ مطبوعہ مصر) حالانکہ، ہجرت کا بظاہر لفظ عام ہے اور اس سے پہلے لَا نفی جنس بھی مذکور ہے۔ حدیثِ نبوی اِذَا هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ وَاِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ (صحیح بخاری کتاب الأیمان والنذور) میں بھی لَا نفیٔ کمال کے لیے ہے کیونکہ قیصر وکسریٰ کے بعد بھی اُن کے بیٹے قیصر وکسریٰ ہوئے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ آپؐ کے زمانہ کے قیصر وکسریٰ جیسے قیصر وکسریٰ آئندہ کوئی نہیں ہونگے۔ اسی طرح لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کامل نبی جو تشریعی نبی ہو یا مستقل نبی ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نہیں ہوگا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریعی اور مستقل نبی ہیں۔ یہی مفہوم حدیث نبوی لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ کا ہے کہ نبوت میں سے المبشرات کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ نبوت کی کلیتہً نفی نہیں ہوئی بلکہ اسکا ایک جزء جو المبشرات ہیں، باقی ہے اور ظاہر ہے کہ مسیح موعود کو امت میں نبیؐ اللہ انہی المبشرات کی وجہ سے قرار دیا جا سکتا ہے جو رسول کریم صلعم کی پیروی کے نتیجہ میں ملیں۔ اُسے تشریعی اور مستقل نبی قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ ایسی نبوت تو لَمْ يَبْقَ کی ذیل میں کر منقطع ہو گئی ہے

اس حدیث کی ترکیب لَمْ يَبْقَ مِنَ الْمَالِ اِلَّا الدَّرَاهِمُ یا

لَمْ يَبْقَ مِنَ الطَّعَامِ اِلَّا الْخُبْزُ کی طرح ہے کہ مال میں سے دراہم کے سوا کچھ باقی نہیں رہا یا کھانے میں سے روٹی کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ ظاہر ہے کہ دراہم اور روٹی مال اور طعام بھی ہیں اور مال اور طعام کا حصّہ بھی۔ اسی طرح اَلْمُبَشِّرَات علی وجہ الکمال ہوں تو نبوت بھی ہیں اور نبوت کا حصّہ بھی مسیح موعودؑ کو المبشرات کا حصہ علی وجہ الکمال ملنے کی وجہ سے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نبی کا نام دیا جا سکتا تھا۔!

واضح رہے کہ المبشرات ہی نبوّت کی جزءِ ذاتی ہے۔ شریعت کا لانا نبوّت کی جزءِ ذاتی نہیں بلکہ جزءِ عارض ہے اسی لئے بعض انبیاء کو نئی شریعت ملتی رہی اور بعض انبیاء پہلی شریعت کے تحت رہے اور قوم میں اُس شریعت کیساتھ حَکَم تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا

(مائدہ رکوع ۷)

ترجمہ:۔ یعنی ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور تھا اور اس تورات کے ذریعہ کئی نبی جو خدا کے فرمانبردار تھے۔

یہودیوں کے لیے بطور حَکَم کے کام کرتے تھے۔

شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

عَلِمْنَا اَنَّ التَّشْرِيْعَ اَمْرٌ عَارِضٌ بِكَوْنِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْزِلُ فِيْنَا حَكَمًا مِّنْ غَيْرِ تَشْرِيْعٍ وَهُوَ نَبِيٌّ بِلَا شَكٍّ۔"

(فتوحاتِ مکیہ جلد اول صفحہ ۵۷۰)

ترجمہ:۔ ہم نے جان لیا ہے کہ شریعت کا لانا امرِ عارض ہے یعنی نبوت کی جزءِ ذاتی نہیں اس وجہ سے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہم میں حَکَم کی صورت میں بغیر نئی شریعت کے نازل ہوں گے اور وہ بلا شک نبی بھی ہوں گے۔

پس نبوّت کی جزءِ ذاتی اَلْمُبَشِّرَات ہی قرار پاتی ہیں جو مخالفوں کے لیے منذرات کا مفہوم رکھتی ہیں اور رسولوں کی یہی شان بیان کی گئی ہے کہ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ کہ رسول تبشیر و انذار کرنے والے تھے پس مسیح موعودؑ بلا شک غیر تشریعی نبی بھی مانا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بھی۔ اور اہلِ عالَم کے لیے حَکَم و عدل بھی۔

واضح رہے کہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بُروزی نزول کے قائل ہیں نہ کہ اصالتاً آمد کے جیسا کہ وفاتِ مسیح کے مضمون میں حضرت شیخ اکبرؒ کے حوالہ سے تفصیلاً بیان کیا جاچکا ہے کہ ان کا نزول آخری زمانہ میں کسی دوسرے بدن کے تعلق سے واجب ہے اور وہ نبوّت کی تعریف میں لکھتے ہیں:۔

وَلَیْسَتِ النُّبُوَّۃُ بِاَمْرٍ زَائِدٍ عَلَی الْاِخْبَارِ الْاِلٰھِی۔

(فتوحاتِ مکیّہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۷)

ترجمہ:۔ نبوّت خدا سے غیب کی خبریں ملنے سے زیادہ کوئی امر نہیں۔

البتہ قرآن شریف نے اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ نبی کے لیے اخبارِ غیبیہ کو بکثرت پانا شرط ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن: ۲۷-۲۸)

ترجمہ:۔ خدا عالم الغیب ہے وہ کسی کو اپنے غیب پر (دوسرے ملہموں کے مقابلہ میں) غلبہ نہیں بخشتا بجز اس شخص کے جو

اس کا برگزیدہ رسول ہو۔

عقلاً بھی کثرتِ مکالمہ مخاطبہ مشتمل بر امورِ غیبیہ کے بغیر نبی کا نام نہیں مل سکتا جیسے ایک دو روپیہ رکھنے والے کو کوئی مالدار نہیں کہہ سکتا جب تک اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ وہ صاحبِ نصاب بن جائے۔

نوٹ:۔ اگر کوئی یہ کہے کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کی رُو سے کوئی نبی آئندہ پیدا نہیں ہوسکتا، لیکن پہلا نبی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اُمّتِ محمدیہ میں آسکتا ہے تو واضح ہو کہ:۔

ا:۔ یہ بھی لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے مفہوم عام کی تخصیص ہوگی اور تاویل ہوگی۔ مفہوم عام کے لحاظ سے نہ کوئی پہلا نبی آنحضرتؐ کے بعد آسکتا ہے اور نہ بعد میں کوئی نبی ظاہر ہوسکتا ہے۔

ب۔ اگر بفرضِ محال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصالتاً دوبارہ آنا مان لیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ مستقل نبی کی حیثیت میں نہیں آئیں گے یا آکر انجیل کی طرف دعوت نہیں دیں گے بلکہ اُمتی نبی کی حیثیت میں آئیں گے اور قرآن کریم کی طرف دعوت دیں گے اور اُن کی نبوت میں یہ تغیر ایک نئی قسم کی نبوت کے حدوث (پیدا ہونے) پر دال ہوگا کیونکہ ہر تغیر حدوث کو چاہتا ہے اور

جب نئی قسم کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہو سکتی ہے تو نئی قسم کا نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیوں نہیں ہو سکتا؟ جماعت احمدیہ بموجب احادیث نبویہ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ (صحیح بخاری) اور فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ (صحیح مسلم) نازل ہونے والے ابن مریم کو امت محمدیہ میں سے ہی پیدا ہونے والا امت کا امام یقین کرتی ہے کیونکہ آیت استخلاف (سورۂ نور) کی رُو سے جیسا کہ پہلے بیان ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی مثیل تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہو سکتا ہے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُمت محمدیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ نہیں ہو سکتے پس احادیث میں ابن مریم کا نزول اس کے بروز کے ظہور کے لیے استعارۂ تصریحیہ ہے۔

اگر کوئی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں نئی نبوت کا حدوث تسلیم نہ کرے اور ان کا اپنی پہلی نبوت کے ساتھ جو مستقلہ تھی امت محمدیہ میں آنا تسلیم کرے تو پھر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستقل آخری نبی کے معنوں میں خاتم النبیین قرار پا جاتے ہیں حالانکہ خاتم النبیین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وصف ہے اور مراد اس سے نبیوں کے لیے مؤثر وجود ہے جسے آخری تشریعی نبی ہونا لازم ہے۔

ضروری نوٹ خاتم النبیین کے وصف اور لَا نَبِيَّ بَعْدِیْ کی حدیث میں ایک پیشگوئی ہے اور پیشگوئی کی پوری حقیقت ہمیشہ اس کے وقوع پر ہی کھلتی ہے پیشگوئیوں کے بارے میں کسی کا اجتہاد حجت نہیں ہو سکتا۔ وہ محض ایک شخص کی ذاتی رائے کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کو دوسروں پر ٹھونسا نہیں جا سکتا۔ لہٰذا پیشگوئی کے مفہوم کے بارہ میں اجماع کا دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا خواہ سب لوگ اس پیشگوئی کے ایک ہی مفہوم پر متفق بھی ہو جائیں کیونکہ امور غیبیہ میں اجتہاد کا کوئی دخل نہیں اور یہ امر فقہ حنفیہ میں مسلم ہے چنانچہ اصول فقہ کی کتاب مسلم الثبوت میں لکھا ہے:۔

اَمَّا فِی الْمُسْتَقْبِلَاتِ كَاَشْرَاطِ
السَّاعَةِ وَاُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ فَلَا (اِجْمَاعَ)
عِنْدَ الْحَنَفِيَّةِ لِاَنَّ الْغَيْبَ لَامَدْخَلَ
فِيْهِ لِلْاِجْتِهَادِ۔"

(مسلم الثبوت مع شرح ص۲۴۶)

ترجمہ:۔ آئندہ سے تعلق رکھنے والے امور میں جیسے علامات قیامت اور امور آخرت میں احناف کے نزدیک اجماع

نہیں ہو سکتا کیونکہ امورِ غیبیہ میں اجتہاد کا کوئی دخل نہیں۔"

چونکہ مسیح موعودؑ کا ظہور اُمّتِ محمدیہ میں ہو چکا ہے اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کا یہ دعویٰ ہے کہ آپ مسیح موعود ہیں اور ایک پہلو سے نبی ہیں اور ایک پہلو سے اُمّتی، اس لیے واقعات کی شہادت یہ ہے کہ اُمّتی نبی کے آنے میں آیت خاتم النبیین اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ روک نہیں جیسا کہ بعض آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ بھی اسے روک قرار نہیں دیتیں جن کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کس قسم کی نبوّت کا دعویٰ کیا ہے

ذیل میں ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چند تحریریں پیش کرتے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ آپؑ کا دعویٰ نہ تشریعی نبوّت کا ہے نہ مستقلہ نبوّت کا بلکہ آپؑ کو صرف یہ دعویٰ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پاکر اور آپؐ کا ظلّ ہو کر آپؑ ایک پہلو سے نبی ہیں اور ایک پہلو سے اُمّتی۔ یا بالفاظِ دیگر آپؑ ظلّی نبی ہیں نہ کہ مستقل نبی آپؑ کے نزدیک قرآن مجید آخری شریعت ہے اور تا قیامت اس میں ترمیم و تنسیخ نہیں ہو سکتی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان معنوں میں بھی خاتم النبیین ہیں کہ آپ کے فیوض تا قیامت جاری رہیں گے کبھی منقطع نہیں ہوں گے اور مسیح موعودؑ نے بھی ہر ایک کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کی برکت سے ہی پایا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ "میری مراد نبوت سے یہ نہیں کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پہ کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف میری مراد میری نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبتِ الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ و مخاطبہ رکھتے ہیں میں اس کی کثرت کا نام بحکمِ الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔ وَلِکُلٍّ اَنْ یَّصْطَلِحَ۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸)

۲۔ یاد رہے کہ بہت سے لوگ میرے دعوے میں نبی کا نام سن کر دھوکا کھا جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ گویا میں نے اس نبوت کا دعویٰ کیا ہے جو پہلے زمانوں میں براہِ راست نبیوں کو ملی ہے لیکن وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ میرا ایسا دعویٰ نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ

کی مصلحت اور حکمت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افاضۂ روحانیہ کا کمال ثابت کرنے کے لیے یہ مرتبہ بخشا ہے کہ آپ کے فیض کی برکت سے مجھے نبوت کے مقام تک پہنچایا۔ اس لیے میں صرف نبی نہیں کہلا سکتا بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی اور میری نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظلِّ ہے نہ کہ اصلی نبوت۔ اسی وجہ سے حدیث اور میرے الہام میں جیسا کہ میرا نام نبی رکھا گیا ایسا ہی میرا نام امتی بھی رکھا ہے۔ تا معلوم ہو کہ ہر ایک کمال مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ کے ذریعہ سے ملا ہے۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰ حاشیہ)

۳۔ "قرآن شریف بجز نبی بلکہ رسول ہونے کے دوسروں پر علوم غیب کا دروازہ بند کرتا ہے جیسا کہ آیت فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ سے ظاہر ہے۔ پس مصفّٰی غیب پانے کے لیے نبی ہونا ضروری ہوا اور آیت اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ گواہی دیتی ہے کہ اس مصفّٰی

غیب سے یہ اُمت محروم نہیں اور مصفّے غیب حسب منطوقِ آیت نبوّت اور رسالت کو چاہتا ہے اور وہ طریق براہِ راست بند ہے اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ اس موہبت کے لیے محض بروز اور ظلیت اور فنافی الرسول کا دروازہ کھلا ہے۔

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ - حاشیہ)

۴- "مَیں نبی اور رسول نہیں ہوں باعتبار نئے دعویٰ اور نئے نام کے اور مَیں نبی اور رسول ہوں یعنی باعتبار ظلیتِ کاملہ کے وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے۔"

(نزول المسیح صفحہ ۳)

۵- "جس جس جگہ مَیں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ مَیں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ ہی مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ مَیں نے اپنے رسولِ مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے اُس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علمِ غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں مگر بغیر

کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے مَیں نے کبھی انکار نہیں کیا۔"

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ)

۶- اور لعنت ہے اس شخص پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے علیحدہ ہو کر نبوّت کا دعویٰ کرے۔ مگر یہ نبوّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت ہے نہ کوئی نئی نبوت اور اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ اسلام کی حقانیت دنیا پر ظاہر کی جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی دکھلائی جائے۔"

(چشمۂ معرفت صفحہ ۳۲۵)

۷- "یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ نبوتِ تشریعی کا دروازہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اس کی پیروی معطل کرے بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے"

(الوصیت صفحہ ۱۲ حاشیہ)

۸- "ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ

ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردود ہے"۔ (چشمۂ معرفت حاشیہ صفحہ ۳۲۴)

۹۔ "خدا اُس شخص کا دشمن ہے جو قرآن شریف کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے اور محمدی شریعت کے برخلاف چلتا ہے اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے"۔

(چشمۂ معرفت صفحہ ۳۲۴، ۳۲۵)

۱۰۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ایک خاص فخر دیا گیا ہے کہ وہ ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالاتِ نبوت ان پر ختم ہیں اور دوسرے یہ کہ ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں اور نہ کوئی ایسا نبی جو اُن کی اُمت سے باہر ہو بلکہ ہر ایک کو جو شرف مکالمہ الٰہیہ ملتا ہے۔ وہ اُنہیں کے فیض اور اُنہیں کی وساطت سے ملتا ہے اور وہ اُمتی کہلاتا ہے نہ کوئی مستقل نبی"۔ (چشمۂ معرفت صفحہ ۹)

۱۱۔ "اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے اُمتی ہو"۔ (تجلیاتِ الٰہیہ صفحہ ۲۵)

۱۲۔ "خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھکر ہے اب بعد اس کے اور کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور پر محمدیت کی چادر پہنائی گئی۔ کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جدا نہیں اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جدا ہے۔ پس جو کامل طور پر مخدوم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) میں فنا ہو کر خدا سے نبی کا لقب پاتا ہے وہ ختم نبوت میں خلل انداز نہیں جیسا کہ تم جب آئینہ میں اپنی شکل دیکھو تو تم دو نہیں ہو سکتے بلکہ ایک ہی ہو اگرچہ بظاہر دو نظر آتے ہیں صرف ظل اور اصل کا فرق ہے سو ایسا ہی خدا نے مسیح موعود میں چاہا"۔

(کشتی نوح صفحہ ۱۵)

۱۳۔ "نبی کے لفظ سے اس زمانہ کے لیے خدا تعالیٰ کی یہ مراد ہے کہ کوئی شخص کامل طور پر شرف مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ حاصل کرے

اور تجدید دین کے لیے مامور ہوں یہ نہیں کہ وہ کوئی دوسری شریعت لائے کیونکہ شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پر نبی کے لفظ کا اطلاق جائز نہیں جب تک اس کو اُمتی بھی نہ کہا جائے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ ہر ایک انعام اس نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی سے پایا ہے نہ براہِ راست"۔ (تجلیات الٰہیہ صـ۹)

۱۴- "غرض اس حصۂ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس اُمّت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس اُمّت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصۂ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا۔ اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی صفائی سے پوری ہو جاتی کیونکہ اگر

دوسرے صلحاء جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں وہ بھی اسی قدر مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ اور امور غیبیہ سے حصّہ پا لیتے تو وہ نبی کہلانے کے مستحق ہو جاتے تو اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں ایک رخنہ واقع ہو جاتا۔ اس لیے خدا تعالیٰ کی مصلحت نے ان بزرگوں کو اس نعمت کو پورے طور پر پانے سے روک دیا تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہوگا وہ پیشگوئی پوری ہو جائے۔

(حقیقۃ الوحی صـ۳۹۱)

۱۵- "یہ الزام جو میرے ذمّہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنے ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعتِ اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور متابعت سے باہر جاتا ہوں۔ یہ الزام

صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ میں یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں یہ سراسر میرے پر تہمت ہے اور جس بنا پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے اور انہی امور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر اس سے انکار کر سکتا ہوں میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دنیا سے گزر جاؤں "۔

(آخری مکتوب اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء)

معیارِ صداقت

صداقت

مسیح موعود علیہ السلام کے دلائل

دلیل اوّل :- اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :-

نَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (یونس رکوع ۲)

ترجمہ :- پس بے شک میں تم میں ٹھہرا ہوں ایک عمر (چالیس برس) اس سے پہلے۔ پس کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

استدلال :-

یعنی خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ثابت کرنے کیلئے

فرماتا ہے کہ لوگوں سے آپ کہہ دیں کہ میرے دعویٰ سے پہلے کی عمر کی پاکیزگی اس بات پر شاہد ناطق ہے کہ میں اپنے دعویٰ میں صادق ہوں۔

اس سے ظاہر ہے کہ مدعی کی پہلی زندگی کی پاکیزگی اور طہارت اور افتراء کذب سے احتراز اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ مدعی اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ اور یہ دلیل عقل سلیم کے مطابق ہے اسی لیے فرمایا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر الہام ہوا۔ لَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (تذکرہ ص۲۴۵ مطبوعہ ۱۹۶۹ء) اور اس الہام سے خدا نے تصدیق کی کہ آپؑ کی دعویٰ سے پہلے کی زندگی بھی عقلی طور پر اس بات کی راہنما ہے کہ آپ اپنے دعویٰ میں صادق ہیں نہ کہ مفتری علی اللہ۔ چنانچہ آپؑ نے تحدی سے یہ اعلان فرمایا:۔

"تم کوئی عیب، افتراء یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے تا تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افتراء کا عادی ہے یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا کون تم میں ہے جو میرے سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے؟ پس یہ خدا کا فضل ہے جو اس نے ابتداء سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا اور

سوچنے والوں کے لیے یہ دلیل ہے۔"

(تذکرۃ الشہادتین ص۶۲)

آپ کی پاکیزہ زندگی کے متعلق شہادت

۱۔ مولوی سراج الدین صاحب والد مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر "زمیندار" آپؑ کی پہلی زندگی کے متعلق اپنی چشم دید شہادت یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۲، ۲۳ سال کی ہوگی اور ہم چشم دید شہادت سے کہتے ہیں کہ جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔"

(زمیندار ۸ ؍جون ۱۹۰۸ء)

۲۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈووکیٹ اہل حدیث آپؑ کی پہلی زندگی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"مؤلف براہین احمدیہ مخالف اور موافق کے تجربے اور مشاہدے کی رو سے واللہ حسیبہ شریعت محمدیہ پر

قائم دپرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔"

(اشاعۃ السنۃ جلد ۷ نمبر ۹)

آپؑ کی تصنیف "براہین احمدیہ" کی تعریف کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:-

"اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی وجانی وقلمی ولسانی وحالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔"

(اشاعۃ السنۃ جلد ۶ نمبر ۷)

افسوس ہے کہ مولوی صاحب معیارِ قرآنی کو نظر انداز کر کے آپ کے دعویٰ مسیح موعود کے بعد آپؑ کی تکفیر کرنے لگے۔

۳- مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ایڈیٹر "اہلحدیث" اپنی کتاب "تاریخ مرزا" کے ص۵۳ پر لکھتے ہیں:-

"براہین تک میں مرزا صاحب سے حسن ظن رکھتا تھا چنانچہ ایک دفعہ جب میری عمر کوئی ۱۷ سترہ ۱۸ اٹھارہ سال کی تھی میں بشوقِ زیارت پاپیادہ تنہا قادیان گیا۔"

دلیل دوم

ا- فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ○

(یونس رکوع ۲)

ترجمہ:- اس سے کون زیادہ ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ پر افتراء کرے یا اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرے یقیناً مجرم کامیاب نہیں ہوتے۔

ب- لَا تَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا فَیُسْحِتَکُمْ بِعَذَابٍ وَ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی۔ (طٰہٰ رکوع ۳)

ترجمہ:- اے لوگو! اللہ پر جھوٹ مت باندھو (ایسا کروگے) تو وہ تم کو عذاب سے ہلاک کردیگا اور بے شک مفتری ناکام رہتا ہے۔

استدلال:-

ان ہر دو آیات میں مخالفینِ اسلام کے مقابلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کو آپؐ کی صداقت کی دلیل قرار دیا گیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے شدید مخالفین کے مقابلہ

ہیں جو کامیابی حاصل کی ہے وہ آپؑ کے دعویٰ کی صداقت کی روشن دلیل ہے آپؑ کے مخالف ہر پہلو میں آپؑ کے مقابلہ میں ناکام رہے کفر کے فتوے لگا کر بھی، عدالتوں میں مقدمات قائم کرکے بھی اور آپؑ کے خلاف جھوٹ پھیلا کر اور غلط فہمیاں پیدا کرکے بھی کامیاب نہیں ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو حسبِ وعدہ مسلمانوں کی ایک عظیم جماعت عطا فرمائی جو خدمتِ اسلام کے لیے جوش اور ولولہ رکھتی ہے اور تبلیغ اسلام کرکے غیر مسلموں کو مسلمان بنانے میں زبردست کامیابی حاصل کر رہی ہے۔ اور تمام دنیا میں اشاعت قرآن کا فریضہ ادا کر رہی ہے۔

دلیل سوم :-

ا- كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ۔ (المجادلہ رکوع ۳)

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آتے رہیں گے۔

ب- وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○
(الصافات رکوع ۵)

ترجمہ :- اور بے شک ہمارا فیصلہ ہمارے بندوں یعنی رسولوں کے لیے پہلے گزر چکا ہے (جو یہ ہے) کہ یقیناً وہی مدد یافتہ ہوں گے اور بے شک ہمارا لشکر (مومنوں کا گروہ) ہی غالب آنے والا ہے۔

ج- اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ (انبیاء رکوع ۳)

ترجمہ :- کیا (کفار) نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے کم کرتے آ رہے ہیں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے آہستہ آہستہ بڑھ رہے ہیں اور منکرین کم ہو رہے ہیں) کیا کفار پھر بھی غالب آئیں گے؟

استدلال :-

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی جماعت منکرین پر ضرور غالب آتے ہیں اور ہر طرح انہیں خدا کی طرف سے نصرت دی جاتی ہے اور یوں ہوتا ہے کہ مخالفین ہر طرف سے گھٹنے لگ جاتے ہیں اور خدا کے مرسل کی جماعت بتدریج بڑھتی چلی جاتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کی جماعت کی آپؑ کے منکرین کی طرف

سے شدید مخالفت ہوئی ہے مگر دشمن کے ہر حربہ استعمال کرنے کے باوجود مسیح موعود اور ان کی جماعت کو اللہ تعالیٰ نے نصرت اور غلبہ عطا فرمایا ہے اور وہ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔

دلیل چہارم :-

فَاَنْجَیْنٰہُ وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَۃِ وَجَعَلْنٰھَآ اٰیَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ (العنکبوت رکوع ۲)

ترجمہ :- پس ہم نے اسے (نوح کو) اور کشتی والوں کو (سیلاب میں غرق ہونے سے) نجات دی اور ہم نے اس (کشتی) کو تمام جہانوں کے لیے ایک نشان بنا دیا۔

استدلال :-

نوح علیہ السلام کے زمانے میں اُن کے منکرین پر سیلاب کا عذاب آیا لیکن مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں پیشگوئیوں کے مطابق طاعون کا عذاب آیا جس میں ہزاروں گھرانے ملیا میٹ ہو گئے اور طاعون کے زمانہ میں شہر اور گاؤں ویران ہو گئے لوگ جنگلوں میں پناہ لے رہے تھے کیونکہ گھر طاعون کے جراثیم کا مرکز

بنے ہوئے تھے اور طاعون کا سیلاب ہر طرف تباہی مچا رہا تھا۔ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہام کیا کہ وہ اپنا گھر نہ چھوڑیں۔ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ (تذکرہ ص ۴۲۹ مطبوعہ ۱۹۶۹ء) اس گھر کی چاردیواری میں سب رہنے والوں کی میں حفاظت کروں گا نیز فرمایا "اُحَافِظُکَ خَاصَّۃً" (تذکرہ ص ۴۲۷ مطبوعہ ۱۹۶۹ء) کہ تیری خاص طور پر حفاظت کروں گا چنانچہ یہ نشان صفائی سے ظاہر ہوا اور اپنے اندر نوحؑ کی کشتی سے زیادہ شوکت رکھتا تھا۔ کیونکہ کشتی تو بہرحال پانی سے بچانے کے لیے ہوتی ہے، لیکن اس کے برخلاف طاعون کے سیلاب کے وقت گھر ہلاکت کا ذریعہ ہوتے ہیں مگر مسیح موعودؑ کے لیے خدا تعالیٰ نے ہلاکت کے ذریعہ کو اپنے فضل سے حفاظت کا ذریعہ بنا دیا۔ طاعون کے زمانہ میں اسّی کے قریب افراد اس مکان میں رہتے تھے ارد گرد کے گھروں میں طاعون سے اموات ہوئیں مگر دارِ مسیح میں ایک متنفس بھی طاعون سے ہلاک نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے بڑی شان سے اپنی حفاظت کا وعدہ پورا فرمایا۔

دلیل پنجم :-

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ۝ لَاَخَذْنَا

مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ۝

(الحاقہ رکوع ۲)

ترجمہ:۔ اگر یہ مدعی بعض باتیں جھوٹے طور پر ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اس کو داہنے ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اس کی شہ رگ کاٹ دیتے اور پھر تم میں سے کوئی اس کو بچا نہ سکتا۔

استدلال:۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے وحی والہام کو مخلوق کے سامنے پیش کرنے کے بعد تیئیس ۲۳ سال کی لمبی مہلت پانا اور اتنا لمبا عرصہ ہلاکت سے بچے رہنا اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ آپ اپنے وحی والہام کے دعویٰ میں جھوٹے نہیں۔

چونکہ دلیل کی قوت عام ہوتی ہے گو مدلول اس کا اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لیے ہر وہ شخص جو بناوٹ سے خدا کی طرف وحی منسوب کر کے دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے وہ تیئیس سال کی مہلت نہیں پا سکتا بلکہ جان سے مارا جاتا ہے اور بناوٹی وحی کا دعویٰ اتنا خطرناک ہے کہ اگر کوئی بعض باتیں بھی

خدا کی طرف منسوب کرے تو وہ پکڑا جاتا ہے اور خدا کی اس گرفت سے بچ نہیں سکتا۔

اگر اس دلیل کو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین کے لیے حجت قرار دیا جائے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس معیار پر نہ پرکھا جائے تو مخالفینِ اسلام کے سامنے اس دلیل کا کوئی وزن نہیں رہتا اور وہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی جھوٹا دعویٰ الہام کر کے تیئیس ۲۳ سال سے بھی زیادہ مہلت پا چکے ہیں تو پھر یہ دلیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی کیسے ہو سکتی ہے؟

پس اس دلیل کے ہوتے ہوئے مسیح موعود کا انکار قرآن مجید کے ماننے والوں کو جائز نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب اربعین میں بڑی تحدی سے اس دلیل کو لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:۔

"اگر یہ بات صحیح ہے کہ کوئی شخص نبی یا رسول اور مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کر کے اور کھلے کھلے طور پر خدا کے نام پر کلمات لوگوں کو سنا کر پھر باوجود مفتری ہونے کے برابر تیئیس ۲۳ برس

تک جو زمانہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے زندہ رہا ہے
تو میں ایسی نظیر پیش کرنے والے کو بعد اس کے جو مجھے میرے
ثبوت کے موافق یا قرآن کے ثبوت کے موافق ثبوت دیدے
پانچسو روپیہ نقد دے دوں گا۔"

(اربعین عـ۳ صـ۱۵)

ب۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ فخر الدین الرازیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔
هٰذَا ذِكْرُهُ عَلٰى سَبِيْلِ التَّمْثِيْلِ بِمَا يَفْعَلُهُ
الْمُلُوْكُ بِمَنْ يَّتَكَذَّبُ عَلَيْهِمْ فَاِنَّهُمْ
لَا يُمْهِلُوْنَهُ بَلْ يَضْرِبُوْنَ رَقَبَتَهُ فِى الْحَالِ۔

(تفسیر کبیر جلد ۸ صـ۲۹۱ زیر آیت ہذا)

توجمہ:۔ اس آیت میں مفتری کی حالت تمثیلاً بیان کی گئی ہے کہ
اس سے وہی سلوک ہو گا جو بادشاہ ایسے شخص سے کرتے ہیں جو
ان پر جھوٹ باندھتا ہے وہ اس کو مہلت نہیں دیتے بلکہ فی الفور
قتل کرواتے ہیں (گویا یہی حال مفتری علی اللہ کا ہوتا ہے اس
کو لمبی مہلت نہیں ملتی۔ ناقل)

ج۔ اہل سنت کی مستند کتاب شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے:۔
" فَاِنَّ الْعَقْلَ يَجْزِمُ بِامْتِنَاعِ اِجْتِمَاعِ هٰذِهِ
الْاُمُوْرِ فِىْ غَيْرِ الْاَنْبِيَاءِ فِىْ حَقِّ مَنْ يَّعْلَمُ
اَنَّهٗ يَفْتَرِىْ عَلَيْهِ ثُمَّ يُمْهِلُهٗ ثَلَاثًا وَّ
عِشْرِيْنَ سَنَةً۔"

(شرح عقائد نسفی مجتبائی صـ۱۰۰)

توجمہ:۔ "عقل اس بات پر کامل یقین رکھتی ہے کہ یہ امور (معجزات
اور اخلاق عالیہ وغیرہ) غیر نبی میں نہیں پائے جاتے نیز یہ
بھی کہ اللہ تعالیٰ یہ باتیں کسی مفتری میں جمع نہیں کرتا اور
یہ بھی کہ پھر اس کو تئیس ۲۳ برس مہلت نہیں دیتا۔"

ح۔ علامہ امام ابن قیم علیہ الرحمۃ نے ایک عیسائی کے سامنے یہی دلیل
پیش کرتے ہوئے فرمایا:۔
" وَهُوَ مُسْتَمِرٌّ فِى الْاِفْتِرَاءِ عَلَيْهِ ثَلَاثَةً وَّ
عِشْرِيْنَ سَنَةً وَّهُوَ مَعَ ذٰلِكَ يُؤَيِّدُهٗ۔"

(زاد المعاد جلد ۱ صـ۵۰۰)

توجمہ:۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ جسے تم مفتری قرار دیتے ہو وہ

مسلسل تئیس ۲۳ برس تک اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ باایں ہمہ اس کو ہلاک کرنے کی بجائے اس کی تائید کرے۔

نوٹ:۔ تَقَوَّلَ کا لفظ باب تَفَعُّلْ سے ہے اسکے مصدر تَقَوُّلَ میں بناوٹ کا خاصّہ پایا جاتا ہے پس مجنون اور ماؤف الدماغ کی باتیں جو وہ خدا کی طرف منسوب کرکے کہے تقوّل کے ذیل میں نہیں آتیں۔ مجنون سے خدا کا یہ معاملہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی باتوں میں ناکام اور نامراد رہتا ہے اور دُنیا میں کوئی نیک انقلاب پیدا نہیں کرسکتا۔ اسی طرح مدعیانِ الوہیت کیلئے بھی یہ معیار نہیں۔

دلیل ششم :۔

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا
اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ۔ (سورۃ الجن رکوع ۲)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ پس وہ اپنے غیب پر کسی کو (دوسرے لوگوں کے مقابل کمیّت وکیفیت میں غلبہ نہیں دیتا بجز اُس شخص کے جو اُس کا برگزیدہ رسول ہو۔

غَیْبِهٖ سے مراد خالص غیب ہے جس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہوتا۔ اسی غیب کے متعلق وہ فرماتا ہے عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ (الانعام رکوع ۷) یعنی غیب کی کنجیاں خدا تعالیٰ کے پاس ہیں اور غیب کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

پس جس شخص کو خالص غیب پر جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے اطلاع دی جائے صاف ظاہر ہوگا کہ اس کے لیے غیب کا خزانہ غیب کی چابیوں سے خدا نے خود کھولا ہے کوئی شخص ایسے خزانے کو خدا سے چرا نہیں سکتا پس جس شخص کو بکثرت امورِ غیبیہ پر اطلاع دی جائے اور وہ خبریں بھی عظیم الشان ہوں اور آفاق وانفس سے تعلق رکھتی ہوں اور وہ وقوع میں بھی آجائیں تو یہ امورِ غیبیہ یا بالفاظِ دیگر پیشگوئیاں اس شخص کے منجانب اللہ ہونے پر الٰہی شہادت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ
حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ یَكْفِ
بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝
(حٰمٓ السجدۃ رکوع ۶)

ترجمہ:- ہم ان لوگوں کو تمام اطرافِ عالم میں بھی ضرور اپنے نشان دکھائیں گے اور خود ان کی جانوں (خاندانوں) میں بھی یہاں تک کہ اُن کے لیے بالکل ظاہر ہو جائے گا کہ یہ (قرآنی وحی) حق ہے کیا تیرے ربّ کا ہر چیز پر نگران ہونا (ان کے لیے کافی نہیں؟)

پس مامور من اللہ کے ذریعہ نشانات دو قسم کے ظاہر ہوتے ہیں۔ کچھ اطرافِ عالم سے تعلق رکھتے ہیں کچھ نفوسِ انسانی سے۔

مسیح موعود علیہ السلام کو دونوں قسم کے نشانات دیئے گئے جن میں سے بارہ[۱۲] نشانات جو امور غیبیہ پر مشتمل ہیں ہم ذرا تفصیل سے لکھ رہے ہیں۔ ویسے آپؑ کے ذریعہ صدہا غیب کی اخبار دی گئی ہیں جو اپنے وقت پر پُوری ہو کر خدا تعالیٰ کی ہستی اور آپؑ کی صداقت پر گواہ ہوئیں اور ہو رہی ہیں ان کے مطالعہ کے لیے حقیقۃ الوحی، تریاق القلوب اور نزول المسیح کی کتب بہت مفید ہیں۔

پہلی پیشگوئی:- لیکھرام ایک نہایت ہی گندہ ذہن، مفسد اور خدا اور اس کے رسولؐ کا شدید دشمن آریہ پنڈت تھا جو آریہ سماج کا مذہبی لیڈر سمجھا جاتا تھا۔ سرور انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی

توہین و تحقیر کرنا اور حضورؐ کو گالیاں دینا اس کا اہم ترین مشغلہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُسے کئی مرتبہ سمجھایا اور تنبیہہ کی کہ وہ اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بد زبانی اور کتاب اللہ یعنی قرآن کریم کی توہین و تحقیر اور استہزاء سے باز آجائے مگر اس نے آپؑ کی تنبیہات اور نصائح سے کچھ فائدہ نہ اُٹھایا اور اپنی گندہ ذہنی اور اسلام دشمنی میں دن بدن بڑھتا چلا گیا آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک الہامی تنبیہہ اور وارننگ کے طور پر اُسے مخاطب کرکے فرمایا ؎

الا اے دشمنِ نادان و بے راہ
بترس از تیغِ بُرّانِ محمدؐ

یعنی اے نادان اور گمراہ دشمن! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کاٹنے والی تلوار سے ڈر۔

مگر اس نے اِس وعید سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور بدستور بد زبانی اور اسلام دشمنی میں مصروف رہا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے غیر مسلموں کو نشان نمائی کی دعوت دی تو پنڈت لیکھرام بھی مقابلہ کے لیے قادیان آیا مگر کچھ عرصہ مخالفوں کے پاس قیام کرکے اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ میرے حق میں

جو چاہو پیشگوئی شائع کر دو۔ میری طرف سے اجازت ہے (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء) چنانچہ حضرت اقدسؑ نے اس کی شوخ طبیعت اور نشان نمائی کے مطالبہ کے پیشِ نظر اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے خاص دعا فرمائی جس کے جواب میں یہ الہام ہوا:۔

"عِجْلٌ جَسَدٌ لَهٗ خُوَارٌ لَهٗ نَصَبٌ وَّعَذَابٌ۔

یعنی یہ صرف ایک بے جان گوسالہ ہے جس کے اندر سے ایک مکروہ آواز نکل رہی ہے اور اس کے لیے ان گستاخیوں اور بدزبانیوں کے عوض میں سزا اور رنج اور عذاب مقدر ہے جو ضرور اس کو مل کر رہے گا۔"

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء)

اس کے بعد جب حضرت اقدسؑ نے خدا تعالیٰ سے اُس پر اُس عذاب کا وقت معلوم کرنے کے لیے توجہ فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپؑ پر ظاہر فرمایا کہ:۔

آج کی تاریخ سے جو ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء ہے چھ برس کے عرصہ تک یہ شخص اپنی بدزبانیوں کی سزا میں یعنی اُن بے ادبیوں کی سزا میں جو اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

حق میں کی ہیں عذاب شدید میں مبتلا ہو جائے گا۔"

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء)

آپؑ کو اس کے متعلق ایک الہام بھی ہوا کہ:۔

"يُقْضٰى اَمْرُهٗ فِيْ سِتٍّ"

(استفتاء اردو حاشیہ ص۱۷)

"کہ اس کا معاملہ چھ میں ختم ہو جائے گا۔"

پھر ۲ اپریل ۱۸۹۳ء کو حضورؑ نے فرمایا:۔

آج جو ۲ اپریل ۱۸۹۳ء مطابق ۱۴ ماہ رمضان ۱۳۱۰ھ ہے صبح کے وقت تھوڑی سی غنودگی کی حالت میں مَیں نے دیکھا کہ مَیں ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہوا ہوں اور چند دوست بھی میرے پاس موجود ہیں کہ اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا کہ اس کے چہرہ سے خون ٹپکتا ہے میرے سامنے کھڑا ہو گیا، مَیں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک نئی خلقت اور شمائل کا شخص ہے ۔۔۔۔۔۔ اور مَیں اس کو دیکھتا ہی تھا کہ اس نے مجھ سے پوچھا کہ لیکھرام کہاں ہے اور ایک اَور شخص کا

نام لیا کہ وہ کہاں ہے۔ تب مَیں نے اسی وقت سمجھا کہ یہ شخص لیکھرام اور اس دوسرے شخص کی سزادہی کے لیے مامور کیا گیا ہے مگر مجھے معلوم نہیں رہا کہ وہ دوسرا شخص کون ہے۔"

(برکات الدعا ٹائٹل پیج صفحہ ۴)

اسی طرح آپؑ نے اپنی کتاب کرامات الصادقین میں لکھا:۔

"وَبَشَّرَنِیْ رَبِّیْ وَقَالَ مُبَشِّرًا
سَتَعْرِفُ یَوْمَ الْعِیْدِ وَالْعِیْدُ اَقْرَبُ"

یعنی "مجھے لیکھرام کی موت کی نسبت خدا نے بشارت دی اور کہا کہ عنقریب تو اس عید کے دن کو پہچان لے گا اور اصل عید کا دن بھی اس عید کے قریب ہوگا۔"

پنڈت لیکھرام نے آپؑ کی ان پیشگوئیوں اور وعید سے نہ صرف کوئی فائدہ نہ اٹھایا بلکہ اپنی شوخی اور شرارت میں بڑھتا گیا اور اس نے خود اپنی طرف سے بھی حضرت اقدسؑ کے متعلق پیشگوئی شائع کر دی کہ:۔

"یہ شخص تین سال کے اندر ہیضہ سے مر جائیگا کیونکہ (نعوذ باللہ) کذاب ہے۔"

(تکذیب براہین احمدیہ صفحہ ۳۱۱)

لیکن ہوا وہی جو اسلام کے سچے خدا نے اپنے مسیح پر الہام کیا تھا یعنی خدا کے مامور کی پیشگوئی پوری ہوئی اور پیشگوئی کی معیاد کے اندر جیسا کہ الہام میں بتایا گیا تھا یُقْضٰی اَمْرُہٗ فِیْ سِتٍّ یعنی پنڈت لیکھرام کا معاملہ چھ سال کے اندر اندر ختم کر دیا جائے گا۔ وہ عید الاضحیہ کے دوسرے روز ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو شام کے چھ بجے کسی نامعلوم قوی ہیکل شخص کے ہاتھ سے گویا کہ وہ ملائک شداد و غلاظ میں سے تھا قتل ہو گیا۔ عین چھ بجے شام کو قاتل نے اُسے کاری زخم لگایا اور اس کی انتڑیوں میں ایسے چھرا گھمایا کہ وہ یک لخت ایک گوسالہ کی طرح ہائے ہائے کرتا ہوا چلایا جس کے بعد پھر اس پر اپریشن کی چھری بھی پھیری گئی اور آخر کار ساری رات دردناک عذاب میں مبتلا رہ کر صبح کو مر گیا اور اس طرح پیشگوئی کے مطابق ہلاک ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر گواہ ٹھہرا۔

دوسری پیشگوئی:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اصل کام اسلام کو جملہ مذاہب عالم پر غالب کر دکھانا تھا۔ اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو کئی مواقع بہم پہنچائے اور آپ نے مختلف طریقوں سے دنیا پر اسلام کی حقانیت اور سچائی اور برتری ثابت کر دکھائی۔

عرصہ سے حضرت اقدسؑ کی خواہش تھی کہ بڑے وسیع پیمانے پر کسی ایسے

عالمگیر جلسے کا انعقاد ہو جس میں تمام مذاہب کے لیڈر اپنے اپنے مذاہب کی خوبیاں بیان کریں تاکہ دنیا یہ معلوم کر سکے کہ کونسا مذہب فی الحقیقت برتر اور دیگر مذاہب کے مقابل پر افضل و اعلیٰ ہے۔ چنانچہ حضورؑ کی اس خواہش کی تکمیل کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک زریں موقع اس طرح مہیا فرما دیا کہ ۱۸۹۶ء میں لاہور کے بعض معززین نے ایک مذہبی کانفرنس منعقد کرنے کا انتظام کرکے حضرت اقدسؑ کو بھی اس میں شمولیت اور اسلام کی خوبیاں بیان کرنے کی دعوت دی۔ تقریروں کے لیے حسب ذیل پانچ سوالوں کے جوابات تجویز کیے گئے :-

۱۔ انسان کی جسمانی، اخلاقی اور روحانی حالتیں۔
۲۔ انسان کی دنیوی زندگی کے بعد کی حالت
۳۔ دنیا میں انسان کی ہستی کی غرض کیا ہے اور وہ غرض کس طرح پوری ہو سکتی ہے؟
۴۔ کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا اور عاقبت میں کیا ہوتا ہے۔
۵۔ علم یعنی گیان و معرفت کے ذرائع کیا کیا ہیں؟

جلسہ کے انعقاد کے لیے لاہور میں انتظام کیا گیا ۲۶، ۲۷، ۲۸، دسمبر تاریخیں مقرر کی گئیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس میں شرکت کی دعوت قبول فرما کر ایک مضمون اسلام کی حقانیت پر لکھنا شروع کیا۔ ابھی آپؑ

مضمون لکھ ہی رہے تھے کہ آپؑ کو الہاماً بتایا گیا کہ آپؑ کا مضمون سب سے بالا رہے گا اور دیگر مذاہب کے وہاں پڑھے جانے والے سب مضامین پر غالب رہے گا چنانچہ آپ نے اس وحی الٰہی اور بشارت کی اشاعت کے لیے مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۸۹۶ء کو یعنی جلسۂ مذاہب سے پانچ چھ روز قبل، ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں یہ پیشگوئی فرمائی کہ۔

"مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب رہیگا اور اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نور ہے جو دوسری قومیں بشرطیکہ حاضر ہوں اور اس کو اوّل سے آخر تک سُنیں شرمندہ ہوں جائیں گی اور ہرگز قادر نہیں ہوں گی کہ اپنی کتابوں کے یہ کمال دکھا سکیں خواہ وہ عیسائی ہوں خواہ آریہ اور خواہ سناتن دھرم والے یا کوئی اور۔ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اس روز اس پاک کتاب (قرآن کریم) کا جلوہ ظاہر ہو۔ مَیں نے عالم کشف میں اس کے متعلق دیکھا کہ میرے محل پر غیب سے ایک ہاتھ مارا گیا اور اس ہاتھ کے چھُونے سے اس محل میں سے ایک نور ساطع نکلا جو ارد گرد پھیل گیا اور میرے ہاتھوں پر بھی اس کی روشنی پڑی۔

تب ایک شخص جو میرے پاس کھڑا تھا وہ بلند آواز سے بولا اَللّٰہُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرُ۔ اس کی یہ تعبیر ہے کہ اس محل سے میرا دل مراد ہے جو جائے نزول و حلولِ انوار ہے اور وہ نور قرآنی معارف ہیں اور خیبر سے مراد تمام خراب مذاہب ہیں جن میں شرک اور باطل کی ملونی ہے اور انسان کو خدا کی جگہ دی گئی۔
...... سو مجھے جتلایا گیا ہے کہ اس مضمون کے خوب پھیلنے کے بعد جھوٹے مذہبوں کا جھوٹ کھل جائیگا اور قرآنی سچائی دن بدن زمین پر پھیلتی جائے گی جب تک کہ اپنا دائرہ پورا کرلے۔ پھر میں اس کشفی حالت سے الہام کی طرف منتقل کیا گیا اور مجھے یہ الہام ہوا۔ اَنَا اللّٰہُ مَعَکَ اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْمُ اَیْنَمَا قُمْتَ یعنی خدا تیرے ساتھ ہے اور خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں تو کھڑا ہوتا ہے یہ حمایتِ الٰہی کے لیے ایک استعارہ ہے۔"

(تبلیغ رسالت۔ اشتہار ۲۱ دسمبر ۱۸۹۶ء)

یہ اشتہار جو ایک زبردست پیشگوئی پر مشتمل تھا تمام ہندوستان میں پھیلایا گیا اور لاہور میں اسکی خاص طور پر زیادہ سے زیادہ اشاعت

کی گئی اور جلسہ شروع ہونے سے پہلے پہلے سب متعلقہ مقررین اور منتظمین تک بھی پہنچا دیا گیا جن میں سے اکثر غیر مسلم اور اسلام کے مخالف تھے۔

جلسہ میں حضرت اقدسؑ کی تقریر کے لیے وقت ڈیڑھ بجے بعد دوپہر سے ساڑھے تین بجے تک تھا۔ آپؑ کے صحابی حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے مضمون پڑھنا شروع کیا۔ سامعین پر عجیب کیفیت طاری تھی ہر طرف سے تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہونے لگے جب تقریر کا مقررہ وقت گزر گیا اور تقریر ختم نہ ہوئی تو ہزاروں کی تعداد میں جمع شدہ سب حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا کہ اس مضمون کو ختم کرنے کے لیے وقت بڑھایا جائے کیونکہ اسے ہم نے ضرور سُننا ہے خواہ اس کے لیے کانفرنس کا ایک دن زائد کرنا پڑے۔ چنانچہ منتظمین مجبور ہو گئے کہ محض اس مضمون کی خاطر ۲۹ دسمبر کا دن بڑھا دیں اس کیلئے اگلے دن بھی سُنائے جانے کا اعلان کیا گیا۔ چنانچہ دوسرے روز سامعین کی تعداد پہلے سے بھی زیادہ تھی جنہوں نے نہایت شوق اور انہماک سے ساری تقریر سُنی۔

تقریر کے آخر پر کانفرنس کے صدر صاحب (جو کہ ایک ہندو لیڈر تھے) کے مُنہ سے بے اختیار نکلا کہ "یہ مضمون تمام مضمونوں سے بالا رہا۔"

اس کے علاوہ لاہور کے مختلف اخبارات نے بھی تسلیم کیا کہ حضرت اقدسؑ

کا یہ مضمون سب مضمونوں پر غالب و بالا رہا ہے۔ چنانچہ مشہور انگریزی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے اس عالمی کانفرنس کی روئداد میں لکھا کہ:۔

"سب مضمونوں میں سے زیادہ توجہ اور دلچسپی سے مرزا غلام احمد قادیانی کا مضمون سُنا گیا جو اسلام کے بڑے بھاری مؤیّد اور عالم ہیں اس لیکچر کو سُننے کے لیے ہر مذہب و ملت کے لوگ کثرت کے ساتھ جمع تھے...... مضمون قریباً ساڑھے تین گھنٹے تک پڑھا گیا اور گویا ابھی پہلا سوال ہی ختم ہوا تھا لوگوں نے اس مضمون کو ایک وجد اور محویت کے عالم میں سُنا اور پھر کمیٹی نے اس کے لیے جلسہ کی تاریخوں میں ۲۹ دسمبر کی زیادتی کر دی۔"

تیسری پیشگوئی:۔ امریکہ میں ایک شخص ڈاکٹر جان الیگزنڈر ڈوئی کے نام سے مشہور تھا جس نے ۱۸۹۹ء میں پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا اور بزعم خود یورپ اور امریکہ کی عیسائی اقوام کی اصلاح اور انہیں سچا عیسائی بنانے کا بیڑا اٹھایا۔ یہ امریکہ کا ایک مشہور اور متمول شخص تھا اس نے ۱۹۰۱ء میں ایک شہر صیہون آباد کیا جو اپنی خوبصورتی، وسعت اور عمارات کے لحاظ سے

تھوڑے ہی عرصہ میں امریکہ کے مشہور شہروں میں شمار ہونے لگا جہاں سے ڈوئی کا اپنا اخبار نیوز آف ہیلنگ بڑی شان اور آب و تاب سے نکلنا شروع ہو گیا اس اخبار نے ڈوئی کی شہرت اور نیکنامی کو چار چاند لگا دیئے اور لوگ جوق در جوق اس کے مرید ہونے لگے اور تھوڑے ہی عرصہ میں اُس نے اس قدر شہرت اور اہمیت حاصل کر لی کہ شکاگو کے پروفیسر فرینکلن جانسن ڈوئی کے حالات زندگی کی کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"گزشتہ بارہ برس کے زمانہ میں کم ہی ایسے شخص گزرے ہیں جنہوں نے امریکن اخباروں میں اس قدر جگہ حاصل کی جس قدر کہ جان الیگزنڈر ڈوئی نے۔"

الغرض ڈاکٹر الیگزنڈر ڈوئی کو امریکہ میں جلد ہی بہت شہرت کا مقام حاصل ہو گیا یہ شخص اسلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا اور ہمیشہ اس فکر میں رہتا تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دے۔ چنانچہ اس نے اپنے اخبار میں لکھا:۔

میں امریکہ اور یورپ کی عیسائی اقوام کو خبردار کرتا ہوں کہ اسلام مُردہ نہیں ہے اسلام طاقت سے بھرا ہوا ہے مگر اسلام

کو ضرور نابود ہونا چاہیئے۔ محمڈن ازم کو ضرور تباہ ہونا چاہیئے
مگر اسلام کی بربادی نہ تو معمل لاطینی عیسویت کے ذریعہ ہوسکیگی
اور نہ بے طاقت یونانی عیسویت کے ذریعہ اور نہ ان لوگوں کی تھکی ماندی
عیسویت کے ذریعہ سے جو مسیح کو صرف برائے نام ملنتے ہیں۔"

(نیوز آف ہیلنگ ۲۵ راگست ۱۹۰۰ء)

مطلب اس کا یہ تھا کہ اسلام کی تباہی خود اس کے ذریعہ سے ہوگی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو جب اس شخص کے دعاوی کا علم ہوا تو آپ نے ۸راگست ۱۹۰۲ء کو ایک چٹھی لکھی جس میں حضرت مسیحؑ کی وفات اور سرینگر کشمیر میں ان کی قبر کا ذکر کرتے ہوئے اُسے مباہلہ کا چیلنج دیا اور لکھا کہ:۔

"غرض ڈوئی بار بار کہتا ہے کہ عنقریب یہ سب ہلاک ہو جائیں
گے بجز اس گروہ کے جو یسوع مسیح کی خدائی مانتا ہے اور ڈوئی
کی رسالت۔ اِس صورت میں یورپ و امریکہ کے تمام عیسائیوں
کو چاہیئے کہ وہ بہت جلد ڈوئی کو مان لیں تا ہلاک نہ ہو جائیں
...... ہم ڈوئی کی خدمت میں بادب عرض کرتے ہیں کہ
اس مقدمہ میں کروڑوں مسلمانوں کو مارنے کی کیا ضرورت ہے؟

ایک سہل طریق ہے جس سے اس بات کا فیصلہ ہو جائیگا کہ
آیا ڈوئی کا خدا سچا خدا ہے یا ہمارا خدا۔ وہ بات یہ ہے کہ ڈوئی
صاحب تمام مسلمانوں کو بار بار موت کی پیشگوئی نہ سنائیں بلکہ
ان میں سے صرف مجھے اپنے ذہن کے آگے رکھکر یہ دعا کریں
کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مر جائے۔"

(ریویو آف ریلیجنز دسمبر ۱۹۰۲ء)

ڈوئی نے تو حضرت اقدسؑ کے اس چیلنج مباہلہ کا کوئی جواب نہ دیا مگر امریکہ کے اخبارات نے اس چیلنج کا ذکر اچھے ریمارکس کے ساتھ کیا چنانچہ ایک اخبار ارگوناٹ سان فرانسسکو نے اپنی یکم دسمبر ۱۹۰۲ء کی اشاعت میں بعنوان "اسلام و عیسائیت کا مقابلۂ دعا" لکھا کہ:۔

"مرزا صاحب کے مضمون کا خلاصہ جو انہوں نے ڈوئی کو
لکھا یہ ہے کہ ...... ہم میں سے ہر ایک اپنے خدا سے یہ دعا
کرے کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہے خدا اسے ہلاک کرے۔ یقیناً یہ
ایک معقول اور منصفانہ تجویز ہے۔"

جب ڈوئی نے حضورؑ کو کوئی معقول جواب نہ دیا اور مباہلہ پر آمادگی کا

اظہار بھی نہ کیا تو حضورؑ نے ۱۹۰۳ء میں ایک چٹھی کے ذریعہ اپنے مباہلہ کے چیلنج کو پھر دہرایا اور لکھا کہ:۔

"مَیں ستر کے قریب ہوں اور ڈوئی جیسا کہ وہ بیان کرتا ہے پچاس برس کا جوان ہے، لیکن میں نے اپنی عمر کی کچھ پرواہ نہیں کی کیونکہ مباہلہ کا فیصلہ عمروں کی حکومت سے نہیں ہو گا بلکہ خدا جو احکم الحاکمین ہے وہ اس کا فیصلہ کرے گا اور اگر ڈوئی مقابلہ سے بھاگ گیا تب بھی یقیناً سمجھو کہ اس کے صیحون پر جلد تر آفت آنے والی ہے۔"

(اشتہار ۲۳ راگست ۱۹۰۳ء)

مسیح موعود علیہ السلام کے اس چیلنج کا تذکرہ امریکہ کے بہت سے اخبارات میں ہوا جن میں سے ۳۲ اخبارات کے مضامین کا خلاصہ حضرت اقدسؑ نے تتمہ "حقیقۃ الوحی" میں درج فرمایا ہے آخر جب پبلک نے ڈوئی کو بہت تنگ کیا اور جواب دینے پر مجبور کیا تو اُس نے اپنے اخبار کے دسمبر کے پرچے میں لکھا کہ:۔

"ہندوستان کا ایک بے وقوف محمدی مسیح مجھے بار بار لکھتا ہے کہ یسوع مسیح کی قبر کشمیر میں ہے اور لوگ مجھے کہتے ہیں کہ

تو کیوں اس شخص کو جواب نہیں دیتا مگر کیا تم خیال کرتے ہو کہ مَیں ان مچھروں اور مکھیوں کا جواب دوں گا۔ اگر مَیں ان پر اپنا پاؤں رکھوں تو مَیں ان کو کچل کر مار ڈالوں گا۔"

حضرت اقدس علیہ السلام کو جب ڈوئی کی اس گستاخی اور بے ادبی اور شوخی و شرارت کی اطلاع ملی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور اس فیصلہ کی میابی کے لیے زیادہ توجہ اور الحاح سے دُعائیں کرنا شروع کر دیں۔

اس دوران ڈوئی امریکہ و یورپ میں بہت شہرت اور ناموری حاصل کرتا جا رہا تھا اور صحت کے لحاظ سے بھی وہ بھرے جلسوں میں اکثر اپنی شاندار صحت، جوانی اور عروج پر فخر کیا کرتا تھا مگر اسلام کا خدا اسے تمام دنیا میں مشہور کرنے کے بعد ذلیل و رسوا کرنا چاہتا تھا تا دنیا کو پتہ لگ جائے کہ خدا کے ماموروں کے مقابلہ پر آنے والوں کا خواہ وہ کتنی ہی عظیم شخصیت کے مالک ہوں کیا حشر ہوتا ہے

آخر کار خدائی پیشگوئی کے مطابق اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر اس پر شدید فالج کی صورت میں نازل ہوا اور اس پر عین اس وقت فالج کا حملہ ہوا جبکہ وہ اپنے عالی شان و خوبصورت شہر صیحون میں ہزاروں کے مجمع کو مخاطب کر رہا تھا اور اپنے شہر کے مالی بحران کو دُور کرنے کے لیے میکسیکو میں کوئی بہت بڑی

جائداد خریدنے کا منصوبہ اپنے مریدوں کے سامنے رکھ رہا تھا تاکہ ان سے قرض حاصل کرکے وہ منصوبہ مکمل کرے۔

چنانچہ دورانِ تقریر میں ہی خدائے منتقم اور قادر و قیوم نے اس کی اس زبان کو بند کردیا جس سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدزبانی کیا کرتا تھا آخر اس نے بحالئ صحت کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے شہر بہ شہر پھر کر علاج کرواتا رہا مگر جس شخص کو وہ صیحوں میں اپنا نائب مقرر کر گیا تھا اُسی نے بعد میں اعلان کردیا کہ ڈوئی چونکہ غرور، تعلّی، فضول خرچی اور عیاشی اور لوگوں کے پیسوں پر تعیش کی زندگی بسر کرنے کا مجرم ہے اس لیے وہ اب ہمارے چرچ کی قیادت کرنے کے قطعاً" نااہل ہے۔ صیحوں شہر اور اس کی رونق بھی آہستہ آہستہ کم ہونے لگی اور ڈوئی پر کئی لاکھ روپے کے غبن کا الزام لگایا گیا اور چرچ سے اس کو کلیتہً بے دخل اور علیحدہ کردیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں اس کی صحت دن بدن اور بھی خراب ہوتی چلی گئی اور بقول اس کے ایک مرید مسٹر لنڈز کے ان دنوں وہ نہ صرف فالج بلکہ دماغی فتور اور کئی اور بیماریوں کا شکار ہو گیا بیماری کے دنوں میں اسے نہ صرف اس کے مریدوں بلکہ اس کے اہل و عیال نے بھی اُسے چھوڑ دیا اور صرف دو تنخواہ دار حبشی اس کی دیکھ بھال کرتے اور

ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جاتے تھے جس کے دوران اُس کا پتھر جیسا بھاری جسم کبھی کبھی ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر جا گرتا تھا۔

ڈوئی اس قسم کی ہزاروں مصیبتیں سہتا ہوا آخر ۹ر مارچ ۱۹۰۷ء کو حضرتِ مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق نہایت ذلت کی حالت میں اس جہان سے رخصت ہوا۔ اس کے بعد اس کا شہر بھی تباہ و بے آباد ہو گیا۔ اس کے بیوی بچے اس سے اس قدر بدظن اور بے رغبت ہوئے کہ اس کے جنازے میں بھی شامل نہ ہوئے اور اس کی موت کے بعد اس کے گھر سے شراب کی بوتلیں اور کنواری لڑکیوں سے عاشقانہ رنگ کی خط و کتابت بھی برآمد ہوئی۔ غرضیکہ پیشگوئی کے مطابق بڑی ذلت و رسوائی سے اس کا خاتمہ ہوا اور اسلام کا ایک بہت بڑا دشمن اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر مہرِ تصدیق ثبت کر گیا۔

چوتھی پیشگوئی ـــــ طاعون

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۶ر فروری ۱۸۹۸ء کو کشف میں دیکھا کہ:۔

"خدا تعالیٰ کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ

رنگ کے پودے لگا رہے ہیں اور وہ درخت نہایت بدشکل
اور سیاہ رنگ اور خوفناک اور چھوٹے قد کے ہیں۔"
(تذکرہ طبع ثانی صہ ۳۱۹)

آگے حضورؑ فرماتے ہیں:-

"میں نے لگانے والوں سے پوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں تو
انہوں نے جواب دیا کہ یہ طاعون کے درخت ہیں جو عنقریب ملک
میں پھیلنے والی ہے۔" (تذکرہ طبع دوم صہ ۳۱۹)

اس پیشگوئی کی اشاعت کے لیے آپؑ نے اسی روز ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ چونکہ اس پیشگوئی کے مطابق عنقریب نہایت وسیع پیمانے پر طاعون پھیلنے والی ہے اس لیے طاعون کے ایّام میں بہتر ہوگا کہ لوگ اپنی بستیوں سے باہر کھُلے میدان میں قیام کریں۔ چونکہ اس اشتہار کے شائع ہونے کے وقت ملک میں طاعون کا نام و نشان بھی نہیں تھا اور بظاہر اس کے پھیلنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا اس لیے علماء حضرات اور حضورؑ کے مکذبین اور مکفرین کو حضورؑ کے خلاف شور مچانے اور استہزاء کرنے کا ایک موقع میسر آگیا۔ چنانچہ تحریر و تقریر کے ذریعہ اس پیشگوئی کے خلاف خوب ہنسی اڑائی گئی۔

پیسہ اخبار نے جو اس وقت کے مشہور اخباروں میں سے تھا لکھا:-

"مرزا اسی طرح لوگوں کو ڈرایا کرتا ہے، دیکھ لینا خود اسی کو
طاعون ہوگی۔"

آخر حضورؑ کی پیشگوئی کے مطابق اس کے چند ماہ بعد پہلے جالندھر اور ہوشیارپور کے اضلاع میں طاعون پھوٹی اور پھر اس نے اس قدر زور پکڑا کہ گورنمنٹ کو انتظام کرنا مشکل ہو گیا، لیکن چونکہ ابھی اس نے دوسرے علاقوں میں پوری طرح زور نہیں پکڑا تھا اس لیے شقی القلب علماء اور عوام نے بجائے اس وعید سے فائدہ اٹھانے اور توبہ و استغفار سے کام لینے کے تکذیب و تمسخر کی راہ اختیار کی جس پر کچھ عرصہ بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے از راہِ ہمدردی پھر ایک اشتہار طاعون کے عنوان سے ۷؍ مارچ سنہ ۱۹۰۱ء کو شائع فرمایا جس میں اپنی مذکورہ بالا پیشگوئی یاد دلانے کے بعد حضورؑ نے لکھا:-

"سنو اے عزیزو! اس غرض سے پھر یہ اشتہار شائع کرتا
ہوں کہ سنبھل جاؤ اور خدا سے ڈرو اور ایک پاک تبدیلی
دکھلاؤ۔ تا خدا تم پر رحم کرے اور وہ بلا جو بہت نزدیک آ
گئی ہے خدا اس کو نابود کرے۔ اے غافلو! یہ ہنسی اور

ٹھٹھے کا وقت نہیں ہے یہ وہ بلا ہے جو آسمان سے آتی اور
صرف آسمان کے خدا کے حکم سے دور ہوتی ہے۔"
(اشتہار ۱۷ مارچ ۱۹۰۱ء)

آخر جب آپؑ کی ان تنبیہات سے لوگوں نے کچھ فائدہ نہ اٹھایا اور نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ اپنی سرکشی اور بے باکی میں بڑھتے گئے تو خدائے ذوالجلال کا غضب اور بھڑکا اور ۱۹۰۲ء میں طاعون نے اس قدر زور پکڑا کہ لوگ کتوں کی طرح مرنے لگے اور گھروں کے گھر خالی ہوگئے اور لاشیں گھروں میں سڑنے لگیں کیونکہ طاعون کی دہشت کی وجہ سے کوئی انہیں اٹھا کر دفن کرنے کی جرات نہ کرتا تھا اور جو جرأت کرتا بھی تھا تو وہ کثرت و شدتِ مرض کی وجہ سے ایک انار اور صد بیمار کا مصداق ہوتا تھا۔

یہ حالات دیکھکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رحیم و کریم دل میں پھر خلقِ خدا کی بھلائی نے جوش مارا اور ایک مرتبہ پھر حضورؑ نے ہدایاتِ الٰہیہ کی روشنی میں "دافع البلاء و معیار اهل الاصطفاء" کے نام سے ایک رسالہ شائع فرمایا جس میں ایک تو ظاہری صفائی کی تلقین فرمائی اور دوسرے طاعون کے حملوں کے اصل اور حقیقی علاج کی طرف توجہ دلائی کہ وہ لوگ اپنے گناہوں

اور شرارتوں سے توبہ کر کے اپنے خالق و مالک حقیقی سے سچی صلح کریں۔ اسی کتاب میں آپ نے لوگوں کو وہ الہام بھی یاد دلایا جسے آپؑ ۲۶ مئی ۱۸۹۸ء کے اشتہار میں شائع فرما چکے تھے کہ:۔

"إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ إِنَّهُ أَوَى الْقَرْيَةَ۔"

یعنی خدا نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس بلائے طاعون کو ہرگز دُور نہیں کریگا جب تک لوگ ان خیالات کو دور نہ کرلیں جو ان کے دلوں میں ہیں یعنی جب تک وہ خدا کے مامور اور رسول کو مان نہ لیں تب تک طاعون دور نہیں ہوگی اور وہ قادر خدا قادیان کو طاعون کی تباہی سے محفوظ رکھے گا تا تم سمجھو کہ قادیان اسی لیے محفوظ رکھی گئی ہے کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔ (دافع البلاء صہ ۱۲ تا ۱۴)

غور کا مقام ہے کہ ایک شخص جسے لوگ نعوذ باللہ کذّاب اور دجّال کہتے تھے وہ ملک میں طاعون کی آمد سے چار سال قبل جبکہ اس موذی مرض کا نام و نشان بھی اس ملک میں موجود نہ تھا طاعون کی خبر دیتا ہے پھر ایسے وقت

میں جب کہ مرض پوری شدت کے ساتھ ملک میں پھیل گئی اور لوگ کتوں کی طرح مرنے لگے اپنی اور اپنے اہل و عیال اور اپنے گھر اور اپنے مولد و مسکن کی عصمت و حفاظت کی الہامی خبر ان الفاظ میں دیتا ہے۔ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ وَ اُحَافِظُکَ خَاصَّۃً کہ جو لوگ تیرے گھر کی چار دیواری میں ہوں گے اُن کی حفاظت کروں گا اور تیری خاص طور پر حفاظت کروں گا۔" تذکرہ مطبوعہ سنہ ۱۹۶۹ء صفحہ ۴۲۶-۴۲۸) پھر یہی نہیں بلکہ اپنے مخالفین کو چیلنج کرتا ہے کہ اگر ان کا بھی خدا تعالیٰ سے کچھ تعلق ہے تو وہ بھی اس قسم کا دعویٰ شائع کر کے دیکھ لیں اگر ان کے مساکن طاعون سے محفوظ رہے تو میں ان کو اولیاء اللہ میں سمجھ لوں گا مگر ہوا وہی جس کی اللہ تعالیٰ نے پہلے خبر دی تھی یعنی خود آپؑ اور آپؑ کے اہل و عیال اور آپؑ کے گھر میں رہنے والے ۸۰ کے قریب افراد حضورؑ کی پیشگوئی کے مطابق طاعون سے محفوظ رہے اور قادیان کو بھی طاعون کی خوفناک تباہی سے خدا تعالیٰ نے نسبتاً محفوظ رکھا اور دوسری طرف آپ کے مخالفین میں سے کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اس میدانِ مقابلہ میں قدم رکھے۔ پس یہ پیشگوئی بھی آپؑ کے مامور من اللہ ہونے کی واضح اور بیّن دلیل ہے۔

پانچویں پیشگوئی ——— آہ نادر شاہ کہاں گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۳ رمئی ۱۹۰۵ء کو ایک رؤیا ہوا فرمایا۔

صبح کے وقت لکھا ہوا دکھایا گیا "آہ نادر شاہ کہاں گیا"

(تذکرہ صفحہ ۵۴۳ طبع دوم)

یہ عظیم الشان پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ جب سنہ ۱۹۰۳ء میں اور اس کے بعد افغانستان کے شاہی خاندان کے حکم سے حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف صاحبؓ اور ان کے شاگردِ رشید حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحبؓ حضرت اقدس علیہ السلام کی پیشگوئی شَاتَانِ تُذْبَحَانِ کے مطابق محض احمدیت قبول کرنے کی وجہ سے ناحق اور بلا سبب کابل میں شہید کر دیئے گئے تو اس ظلم کی پاداش میں تمام افغانستان کو اور خصوصاً حکمران طبقہ کو خطرناک ہیضہ کی وباء سے دوچار ہونا پڑا اور وہاں ہزاروں باشندے موت کا شکار ہو گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر ایک الہام کے ذریعہ حضرت اقدسؑ کو اطلاع دی۔

"تین بکرے ذبح کئے جائیں گے۔"

(تذکرہ صفحہ ۵۸۲ طبع ثانی)

چنانچہ یہ الہام ۱۹۲۴ء میں آکر پورا ہوا۔ جب کہ افغانستان کے اسی حکمران شاہی خاندان کے آخری تاجدار امیر امان اللہ خان کے حکم سے اس زمانہ میں جماعتِ احمدیہ کے ایک مخلص فرد حضرت مولوی نعمت اللہ خان صاحب رضؓ اور حضرت مولوی عبدالحلیم صاحبؓ اور مُلّا نور علی صاحبؓ اسی جرم یعنی احمدیت کی وجہ سے شہید کردیئے گئے۔

اِن واقعات کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ پسند نہ کیا کہ ملک افغانستان کی عنانِ حکومت اس خاندان کے ہاتھ میں رہے جس نے پانچ بے گناہ اور معصوم احمدیوں کو شہید کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو مٹانے کے لیے ایک نہایت ہی معمولی انسان حبیب اللہ المعروف بچہ سقہ کو اس تباہی و بربادی کے لیے کھڑا کر دیا اور اس نے صرف تین سو افراد پر مشتمل جمعیت کے ساتھ امان اللہ خان کو ایسی خطرناک شکست دی کہ وہ بُری طرح ناکام ہو کر افغانستان چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

اب "آہ نادر شاہ کہاں گیا" کی پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ جب بچہ سقہ نے بغاوت کی تو جرنیل نادر خان جو بعض وجوہ مرض وغیرہ کی بناء پر ۱۹۲۳ء میں یورپ چلے گئے تھے افغانستان کی تباہی کو برداشت نہ کر سکے اور مریض ہونے کے باوجود کابل واپس آگئے اور بچہ سقہ کو شکست دینے میں کامیاب

ہو گئے اور انہوں نے چاہا کہ اہل افغانستان جس کو چاہیں بادشاہ بنالیں مگر انہوں نے آپ ہی کو بادشاہ بنانا منظور کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کو چونکہ مذکورہ بالا پیشگوئی کا پورا کرنا منظور تھا اس لیے الٰہی مشیّت کے ماتحت ملک کے قدیم دستور کے خلاف انہوں نے یہ اعلان کیا کہ آئندہ کے لیے انہیں نادر خان یا شاہ نادر خان کے نام سے نہ پکارا جائے بلکہ نادر شاہ کہہ کر پکارا جائے۔ چنانچہ آپ نادر خان سے نادر شاہ کہلانے لگے۔

چونکہ الٰہی نوشتے پورے ہونے تھے اس لیے نادر شاہ کہلانے کے ٹھیک چار سال بعد جبکہ وہ ملک کے ایک محبوب و مقتدر ہر دلعزیز بادشاہ تسلیم کیے جانے لگے تو ۸؍ نومبر ۱۹۳۳ء کو جبکہ وہ اپنے محل دلکشا میں طالب علموں کو ایک کھیل کے مقابلہ کے نتیجہ میں انعامات تقسیم کر رہے تھے اُن پر طالب علموں میں سے ہی ایک طالب علم عبدالخالق نامی نے ایک گز کے فاصلہ سے متواتر تین فائر کر دیئے جن سے وہ جاں بحق ہو گئے اور یک دم وہ مجمع طرب مجمع عزا بن گیا اور لوگ بدحواس ہو کر یہ کہتے ہوئے بازاروں کی طرف دوڑ پڑے کہ نادر شاہ فوت ہو گئے اور کوئی شخص اپنے محبوب بادشاہ کو موت کے حملہ سے نہ بچا سکا۔ اس غیر متوقع اور اچانک موت کے نتیجہ میں ملک بھر میں صفِ ماتم بچھ گئی اور لوگوں نے زبانِ حال سے کہا کہ:-

"آہ نادر شاہ کہاں گیا"

۱۹۰۵ئہ میں جب حضرت اقدسؑ نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی۔ نادر شاہ کا بحیثیت بادشاہ کوئی وجود نہ تھا مگر عین اٹھائیس سال بعد خدائے علیم و خبیر نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ یہ پیشگوئی نہایت شان اور حیرت انگیز طور سے پوری ہوئی اور آپؑ کے منجانب اللہ ہونے پر گواہ ٹھہری۔

چھٹی پیشگوئی —— تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد

حضرت اقدسؑ کو ۱۵ر جنوری ۱۹۰۶ئہ کو الہام ہوا:۔

"تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد" (تذکرہ صفحہ ۵۸۴)

ایران ایک بہت پرانا تاریخی ملک ہے۔ عرصۂ دراز سے اس ملک کے بادشاہوں کا لقب کسریٰ چلا آتا تھا جس وقت مذکورہ بالا الہام شائع ہوا اس وقت ایران پر شاہ مظفر الدین قاچار شاہِ ایران حکمران تھے اس الہام سے صرف چند ماہ قبل ۱۹۰۵ئہ میں باشندگانِ ملک کے مطالبات کو قبول کر کے شاہ مظفر الدین پارلیمنٹ کے قیام کا اعلان کر چکے تھے اور لوگ اس اعلان سے خوش بھی تھے لیکن شاہ مظفر الدین قاچار اچانک ۱۹۰۷ئہ میں وفات پا گئے اور انکا ولی عہد

مرزا محمد علی قاچار کسریٰ اپنے باپ کی جگہ تخت نشین ہوا مگر ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ ملک میں بغاوت اور بادشاہ اور مجلس پارلیمنٹ میں اختلاف اور مخالفت شروع ہو گئی اور حالات اتنے بگڑ گئے کہ ایران کے دار المبعوثین یعنی پارلیمنٹ ہاؤس کا ایک حصہ توپخانہ سے اڑا دیا گیا اور بادشاہ نے پارلیمنٹ کو موقوف کر دیا۔ بادشاہ کے اس فعل سے ملک میں عام بغاوت بڑی شدت سے پھیل گئی اور آخر کار بادشاہ کی خاص باڈی گارڈ فوج بھی جس پر بادشاہ کو بڑا ناز تھا اس کے باغیوں کیساتھ مل گئی اور اس طرح مرزا محمد علی قاچار شاہ کسریٰ ایران کے ایوان میں ایسا تزلزل پڑا کہ اُسے ۱۵ر جولائی ۱۹۰۹ئہ کو اپنے حرم سمیت روسی سفارت خانہ میں پناہ لینی پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت پھر ہمیشہ کیلئے اس خاندان کے ہاتھ سے نکل گئی اور کسریٰ کا وجود دنیا سے مٹ گیا اور خدا کی مقدس وحی "تزلزل در ایوانِ کسریٰ فتاد" پوری ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خدا کی طرف سے ہونے پر شاہد ناطق ثابت ہوئی

ساتویں پیشگوئی —— اہلِ بنگال کی دلجوئی:۔

حضرت اقدسؑ کو ۱۱ر فروری ۱۹۰۶ئہ کو الہام ہوا کہ:۔

"پہلے بنگالہ کی نسبت جو حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہو گی۔"

(بدر ۱۶ر فروری ۱۹۰۶ئہ)

اس پیشگوئی کی تفصیل یہ ہے کہ اکتوبر ۱۹۰۵ء میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ کرزن نے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا ایک حصہ مشرقی بنگال اور آسام پر مشتمل تھا اور دوسرا حصہ مغربی بنگال جس میں بہار اور اڑیسہ بھی شامل تھے ہندوؤں نے اس تقسیم کو اپنے حق میں نقصان دہ سمجھ کر بہت شور مچایا جلسے کئے، جلوس نکالے۔ سرکاری عمارات کو نقصان پہنچایا، ٹرینوں پر بم پھینکے، بعض انگریز افسروں کو قتل بھی کیا اور اس تقسیم کی منسوخی کے لیے پوری کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا مگر گورنمنٹ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

لارڈ کرزن کی مدت ختم ہونے پر اس کی جگہ لارڈ منٹو آئے مگر انہوں نے بھی ہندوؤں کی بیک زبانی اور تقسیم قائم رہی اور پختہ سمجھ لی گئی اور جب اس میں ردّ و بدل کا بظاہر کوئی امکان نہ رہا تب مذکورہ بالا الہام تقسیم کی منسوخی کے متعلق ہوا جسے حضرت اقدس نے شائع فرما دیا لوگوں نے اس پر طرح طرح کے اعتراضات کئے مضحکہ اڑایا، پھبتیاں کسیں کہ جب سارے مراحل طے ہو چکے اور تقسیم اپنی جگہ قائم رہی تو اب اس کے خلاف الہام شائع کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

۱۹۱۰ء میں لارڈ منٹو بھی واپس چلے گئے اور لارڈ ہارڈنگ وائسرائے بن کر آ گئے ان کے زمانے میں ۱۹۱۱ء میں شاہِ انگلستان جارج پنجم کی ہندوستان میں رسم تاجپوشی کے

انتظامات ہونے لگے تو لارڈ ہارڈنگ نے از خود ہی ایک تجویز وزیر ہند کو پیش کر دی جس میں لکھا کہ اہل بنگال کی دلجوئی ہونی چاہیئے اور بنگال کی تقسیم منسوخ کر دی جائے چنانچہ اسکے مطابق شہنشاہ جارج پنجم جب تاجپوشی کیلئے ہندوستان آئے اور دہلی میں دربار کا انعقاد ہوا جس میں ہندوستان بھر کے امراء، نواب، روساء، عمائد اور رؤسائے ریاست سب جمع تھے بادشاہ نے بذاتِ خود اس تقسیم کی منسوخی کا اعلان کر کے بنگالیوں کی دلجوئی کر دی اور منسوخی کے اعلان میں پیشگوئی کے مطابق یہ الفاظ بھی استعمال کئے کہ یہ تنسیخ محض اہل بنگال کی دلجوئی کے لیے کی گئی ہے اور اس طرح بظاہر انتہائی مخالف حالات میں اللہ تعالیٰ نے اس پیشگوئی کو پورا فرما کر مضحکہ اڑانے اور استہزاء کرنے والے مخالفوں کو شرمندہ کیا اور اپنے پیارے مسیح کی صداقت ثابت کی۔

آٹھویں پیشگوئی ــــ سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق :۔

لدھیانہ میں ایک شخص سعد اللہ نامی نو مسلم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہا کرتے تھے انہوں نے حضرت اقدسؑ کی مخالفت میں ایک کتاب "شہاب ثاقب بر مسیح کاذب" کے نام سے لکھی جس میں فارسی اشعار میں حضرت اقدسؑ کو مخاطب کر کے لکھا۔

اخذمبین قطع وتین است بہر تو ؎ بے رونقی وسلسلہ ہائے مزوّری
اکنوں با ستیصال شما نام ابتلا است ؎ آخر بروزِ حشر وباین دار خاسری

یعنی "خدا کی طرف سے تیرے لیے مقدر ہو چکا ہے کہ خدا تجھے پکڑے گا اور تیری رگِ جان کاٹ دیگا تب تیری موت کے بعد تیرا سلسلہ جو سراسر جھوٹا ہے تباہ و برباد کر دیا جائیگا اور اگرچہ تم کہتے ہو کہ ابتلاء بھی آیا کرتے ہیں مگر آخر تو حشر کے روز بھی اور اس دنیا میں بھی خائب و خاسر اور نامراد رہے گا۔"

اس کے بعد وہ گندہ دہانی میں بڑھتا چلا گیا آخر اس نے ۱۶ ستمبر ۱۸۹۷ء کو حضور کے متعلق ایک نہایت ہی گندی اور ناپاک تحریر شائع کی جس میں حضرت اقدسؑ کو ابتر بھی لکھا۔ حضرت اقدسؑ نے اس کی اس کارروائی کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر کے دُعا کی اور اللہ تعالیٰ کے اس کی نسبت انکشاف فرمانے پر آپؑ نے اپنی کتاب انوار الاسلام میں اُسے لکھا:۔

"حق سے لڑتا رہ۔ آخر اے مُردار تو دیکھیگا کہ تیرا کیا انجام ہوگا اے عدو اللہ! تو مجھ سے نہیں خدا سے لڑ رہا ہے۔ بخدا مجھے اسی وقت ۲۹ ستمبر ۱۸۹۴ء کو تیری نسبت یہ الہام ہوا ہے۔

"اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔" اس الہامی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ سعد اللہ جو تجھے ابتر کہتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ تیرا (حضرت اقدسؑ کا۔ ناقل) سلسلہ اولاد اور دوسری برکات کا منقطع ہو جائیگا ایسا ہرگز نہیں ہوگا بلکہ وہ خود ابتر رہیگا۔"
(انوار الاسلام و اشتہار ۵ اکتوبر ۱۸۹۴ء)

گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدسؑ کی دُعا کے نتیجہ میں اپنا فیصلہ صادر فرما دیا کہ آپؑ نہیں بلکہ سعد اللہ ابتر رہیگا اور اس کی پیشگوئی جھوٹی ثابت ہوگی۔ چنانچہ ان تحریروں اور پیشگوئیوں کی اشاعت کے بعد حضرت اقدسؑ کے ہاں تین لڑکے پیدا ہوئے مگر سعد اللہ نو مسلم کے ہاں کوئی لڑکا یا لڑکی پیدا نہ ہوئے اور جو اولاد اسکے ہاں پہلے پیدا ہو چکی تھی وہ پہلے ہی مر چکی تھی سوائے صرف ایک چودہ پندرہ سالہ محمود نامی بیٹے کے جس نے ایک چھوڑ دو شادیاں بھی حضرت اقدسؑ کے مخالفین کے آمادہ کرنے پر کیں مگر اس کے ہاں بھی کوئی اولاد نہ ہوئی سعد اللہ خود بھی اس پیشگوئی کی اشاعت کے بعد ۱۲ سال زندہ رہا لیکن کوئی اولاد اسکے ہاں نہ ہوئی اور اسکی سالہا سال کی گریہ وزاری اور دعاؤں کا کوئی اثر نہ ہوا اور اسے اولاد کی حسرت ہی رہی۔ چنانچہ مرنے سے پہلے اُس نے فارسی میں مناجات "قاضی الحاجات" نامی میں ذیل کے شعروں میں اللہ تعالیٰ سے

شکوہ بھی کیا کہ اسے اولاد سے محروم رکھا گیا ہے ؎

جگرگوشہ ہا دادی اے بے نیاز ولے چندزانہا گرفتی)تو بار

دلِ من بنعم البدل شاد کن بلطف از غم وغصہ آزاد کن

یعنی "اے بے نیاز! تُو نے مجھے اولاد دی تھی مگر ان میں سے بعض کو تُو نے واپس لے لیا۔ اب میرے دل کو انکے عوض میں اَور اچھی اولاد دیکر شاد کر اور اپنے لطف کیساتھ مجھے رنج وغم سے آزاد کر"

اُس کے ان دردناک شعروں پر نظر ڈال کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اولاد نہ ہونے اور مرجانے سے کس قدر حسرتیں اس کے دل میں بھری ہوئی تھیں اور وہ اس درد وغم میں کس قدر بے تاب تھا، لیکن وہ اس غم وہم سے نجات نہ پا سکا اور اس کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی اس کے ایک ہی لڑکے کی شادی ۲۹ سال کی عمر میں اس کی زندگی میں ہوئی اور بڑے اہتمام سے سعد اللہ نے خود اس شادی کا سب انتظام کرایا۔ مگر اس میں شریک ہونے کا موقع خدا تعالیٰ نے اُسے نہ دیا اور پہلے ۳ر جنوری ۱۹۰۷ء کو طاعون میں مبتلا ہو کر اس جہان سے چل بسا۔

ایک مدّت گزر جانے کے بعد مولوی ثناء اللہ وغیرہ مخالفین نے اُس کے لڑکے کی دوسری شادی بھی کروائی مگر اُس سے اُس کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی اور وہ

بھی ۱۲ر جولائی ۱۹۲۶ء کو اپنے باپ کی طرح ابتر ہی مر گیا اور خدا کی بات پوری ہوئی

فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ!

نویں پیشگوئی۔ ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت:۔

کوریا کا ملک ایک جزیرہ نما ہے جو جاپان کے عین سامنے واقع ہے ۱۹۰۵ء تک یہ چین کے ماتحت تھا اور اس قدر غیر معروف ملک تھا کہ عام پڑھے لکھے لوگ بھی انکے نام سے ناآشنا تھے اس زمانہ میں تقریباً جون ۱۹۰۴ء میں حضرت اقدسؑ کو الہام ہوا:۔

"ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت"۔

(تذکرہ صفحہ ۵۱۸ طبع ثانی)

قادیان کی چھوٹی سی بستی میں بیٹھا ہوا ایک دنیوی سیاست سے ناواقف شخص جس کا کسی بڑے شہر سے بھی اتّصال نہیں تھا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے الہاماً بتایا ہے کہ مشرق میں ایک طاقت پیدا ہو گی جس کی وجہ سے کوریا کی حالت نازک ہو جائے گی۔ اس کا یہ دعویٰ ظاہری لحاظ سے یقیناً تعجب انگیز ہے اور پورا ہونے کی صورت میں یقیناً معجزانہ رنگ رکھتا ہے۔ تاریخ دان جانتے ہیں کہ ۱۹۰۴ء میں ساری بڑی بڑی سلطنتیں اور طاقتیں مغرب تک ہی محدود تھیں اور مشرق میں کوئی طاقت

اُس وقت موجود نہیں تھی جو اہمیت کی حامل ہو یا جسے طاقت کہا جاسکے جاپان اُس وقت ایک بالکل چھوٹی سی سلطنت تھی اور حضرت اقدسؑ کے اس الہام کے بعد ہی مشرق میں ایک عظیم طاقت مانی جانے لگی تھی۔ روس یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح کوریا پر قبضہ کرلے مگر جاپان کوریا پر روس کے قبضہ کو اپنی موت سمجھتا تھا آخر ۱۹۰۵ء میں اسی بات پر دونوں ملکوں یعنی روس اور جاپان میں خونریز جنگ شروع ہوگئی اس زمانہ میں روس اور جاپان کا مقابلہ کوئی مقابلہ نہیں تھا بلکہ باز کا چڑیا کے ساتھ لڑنا تصوّر کیا جاتا تھا کیونکہ جاپان روس کے مقابل پر کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ کا فرمودہ بہرحال پُورا ہونا تھا اس جنگ میں دُنیا کے اندازوں اور امیدوں کے صریح خلاف روس باوجود اپنی بہت بڑی جنگی قوّت کے جاپان کے مقابلہ میں حیرت انگیز طور پر شکست کھا گیا اور اس کا مایۂ ناز جنگی بیڑا جاپان کے سمندر میں تباہ ہوگیا اور اس طرح کوریا پر جاپان کا تسلّط و قبضہ تسلیم ہوکر حضرت اقدسؑ کی پیشگوئی "ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت" نہایت آب و تاب کے ساتھ پوری ہوئی۔

دسویں پیشگوئی — شہزادہ دلیپ سنگھ کے متعلق:۔

جب پنجاب کو انگریزوں نے فتح کیا تو مصالحِ مُلکی کے ماتحت راجہ دلیپ سنگھ صاحب

جو اُس وقت وارثِ تختِ پنجاب سمجھے جاتے تھے مگر ابھی چھوٹی عمر کے تھے انگلستان لے جائے گئے چنانچہ وہ وہیں رہے، وہیں جوان ہوئے مگر انہیں ہندوستان واپس آنے کی اجازت نہ دی گئی یہاں تک کہ پنجاب پر انگریزی تسلّط پوری طرح ہوگیا۔ غدر کے بعد دہلی کی مغلیہ حکومت بھی کلیتہً مٹ گئی اور کسی قسم کا خطرہ نہ رہا۔ اس وقت راجہ دلیپ سنگھ صاحب نے پنجاب آنے کا ارادہ کیا اور اجازت بھی مل گئی اور عام طور پر مشہور ہوگیا کہ وہ عنقریب آنے والے ہیں اس وقت حضرت اقدسؑ کو الہاماً بتایا گیا کہ وہ اس ارادے میں کامیاب نہیں ہوں گے چنانچہ آپؑ نے بہت سے لوگوں کو خصوصاً ہندوؤں کو اس کے متعلق اطلاع دیدی اور ایک اشتہار میں بھی اشارۃً لکھ دیا کہ ایک نو وارد رئیس پنجاب کو ابتلاء پیش آئیگا۔ چنانچہ حضورؑ نے لکھا:۔

"اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء جس میں لکھا ہے کہ امیر نو وارد پنجابی الاصل کے متعلق متوحش خبریں .... اس سے مراد دلیپ سنگھ ہے۔"

اس کے بعد اشتہار واجب الاظہار میں لکھا:۔

"ہم نے صدہا ہندوؤں اور مسلمانوں کو مختلف شہروں میں بتلا دیا تھا کہ اس شخص پنجابی الاصل سے مراد دلیپ سنگھ ہے جس کے

پنجاب میں آنے کی خبر مشہور ہو رہی ہے، لیکن اس ارادہ سکونت پنجاب میں وہ ناکام رہیگا بلکہ اس سفر میں اس کی عزّت آسائش یا جان کا خطرہ ہے بالآخر اسکو مطابق اسی پیشگوئی کے بہت حرج اور تکلیف اور سبکی اور خجالت اٹھانی پڑی اور وہ اپنے مدّعا سے محروم رہا۔"

جب حضورؑ نے یہ پیشگوئی شائع کی اور مختلف ہندوؤں اور مسلمانوں کو بتائی اس وقت کسی کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ دلیپ سنگھ ہندوستان آنے سے روک دیئے جائینگے بلکہ اس کے برعکس یہ خبر گرم تھی کہ وہ ہندوستان آ رہے ہیں اور عنقریب پہنچنے والے ہیں مگر اسی عرصہ میں گورنمنٹ کو احساس ہوا کہ راجہ دلیپ سنگھ صاحب کا ہندوستان آنا حکومت کے مفاد کے خلاف ہوگا اور اس سے سیاسی فتنے اور بغاوت کا خطرہ ہے لہٰذا انہیں راستے ہی سے یعنی عدن تک پہنچنے کے بعد روک دیا گیا اور یہ روک دیئے جانے کی خبر اُس وقت معلوم ہوئی جبکہ لوگ یہ سمجھ چکے تھے کہ وہ چند ہی روز میں داخلِ ہندوستان ہوا چاہتے ہیں اگرچہ سکھوں کی امیدوں کو اس سے سخت صدمہ پہنچا، لیکن خدائے عالم الغیب ذوالجلال کا جلال ظاہر ہوا اور اس کے مامورؑ کی پیشگوئی پوری ہو کر اس کی صداقت پر مُہر ثبت کر گئی۔

گیارھویں پیشگوئی ——— پہلی جنگ عظیم:-

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظیم الشان پیشگوئیوں میں ایک پیشگوئی ۱۹۱۴ء والی پہلی جنگ عظیم کے متعلق ہے جو اپنی تمام علامات کے ساتھ بڑی شان سے پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی ہستی اور حضرت اقدسؑ کی صداقت کا زبردست ثبوت ہے۔

یہ پیشگوئی ۱۹۰۵ء میں شائع کی گئی تھی اور وہ الہامات جن میں اس جنگ کی خبر دی گئی تھی یہ ہیں:-

تازہ نشان۔ تازہ نشان کا دھکہ۔ زَلْزَلَةُ السَّاعَةِ قُوْا اَنْفُسَكُمْ۔ نَزَلْتُ لَكَ لَكَ نُرِيْ اٰيَاتٍ وَنَهْدِمُ مَا يَعْمُرُوْنَ۔ قُلْ عِنْدِيْ شَهَادَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُؤْمِنُوْنَ۔

ترجمة:- قیامت کا نمونہ زلزلہ اپنی جانوں کو بچاؤ۔ میں تیری خاطر نازل ہوا ہم تیری خاطر بہت سے نشان دکھائیں گے اور جو کچھ وہ تعمیر کر رہے ہیں ہم منہدم کر دیں گے۔

مذکورہ بالا الہامات میں جو نشانیاں اور علامات اس زلزلہ یا مصیبت عظمیٰ

کی بیان کی گئی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد کوئی ظاہری اور معمولی زلزلہ نہیں ہے بلکہ ایک ایسی ہمہ گیر آفت ہے جس سے دنیا پر ہولناک تباہی آئے گی۔

حضرت اقدسؑ نے خود ان الہامات کی تشریح میں لکھا ہے کہ:۔

"گو ظاہر الفاظ زلزلہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں لیکن ممکن ہے کہ یہ معمولی زلزلہ نہ ہو بلکہ کوئی شدید آفت ہو جو قیامت کا نظارہ دکھاوے جس کی نظیر کبھی اس زمانے نے نہ دیکھی ہو اور جانوں اور عمارتوں پر سخت تباہی لائے۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۲۰)

مذکورہ بالا الہامون کے علاوہ اسی عرصہ میں آپ کو یہ الہام بھی ہوئے "کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کشتیاں" "لنگر اٹھا دو" جو کہ صریح طور پر جنگ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ نیز اس زلزلے یا آفتِ عظیمہ کی تشریح حضورؑ نے اپنی ایک نظم میں بھی ایسی ہی فرمائی ہے جو صاف طور پر جنگ عظیم پر صادق آتی ہے حضورؑ فرماتے ہیں ؎

اک نشان ہے آنے والا آج سے کچھ دن کے بعد
جس سے گردش کھائیں گے دیہات و شہر و مرغزار
آئے گا قہرِ خدا سے خلق پر اک انقلاب
اک برہنہ سے نہ یہ ہوگا کہ تا باندھے ازار

اِک جھپک میں یہ زمیں ہو جائے گی زیر و زبر
نالیاں خوں کی چلیں گی جیسے آبِ رود بار
رات جو رکھتے تھے پوشاکیں برنگِ یاسمن
صبح کر دے گی انہیں مثلِ درختانِ چنار
ہوش اُڑ جائیں گے انسان کے پرندوں کے حواس
بھولیں گے نغموں کو اپنے سب کبوتر اور ہزار
خون سے مُردوں کے کوہستان کے آبِ رواں
سُرخ ہو جائیں گے جیسے ہو شرابِ انجبار
مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جن و انس
زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار
اِک نمونہ قہر کا ہوگا وہ ربّانی نشاں
آسماں حملے کرے گا کھینچ کر اپنی کٹار
وحیٔ حق کی بات ہے ہو کر رہے گی بے خطا
کچھ دنوں کر صبر ہو کر متقی اور بُردبار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۲۰)

مذکورہ بالا تمام الہامات اور پیشگوئیوں پر مجموعی نظر ڈالنے سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اس آفت، اس زلزلہ اور عالمگیر مصیبت سے مراد ۱۹۱۴ء والی جنگِ عظیم تھی۔ پیشگوئی میں بتایا گیا ہے کہ وہ زلزلہ کسی خاص علاقہ پر نہیں۔ بلکہ ساری دنیا پر محیط ہوگا اس میں بڑے بڑے بحری بیڑے استعمال میں آئیں گے جنہیں لنگر اٹھانے کا حکم ہوگا اور یہ مصیبت معمولی نہیں ہوگی بلکہ قیامت کا نظارہ پیش کریگی جس کی نظیر زمانے نے کبھی نہ دیکھی ہوگی اور اس کے نتیجہ میں بعض حکومتیں مٹ جائیں گی بعض کمزور ہو جائیں گی مگر بعض حکومتیں طاقت پکڑ جائیں گی۔ کئی پہاڑ اور آبادیاں اور بستیاں، شہر، عمارتیں، محلّات وغیرہ گولہ باری سے اُڑا دیئے جائیں گے۔ کھیت اور باغ اور چرند و پرند، دریا، سمندر غرضکہ کوئی چیز بھی اس جنگ سے محفوظ نہیں ہوگی۔ بڑے سے بڑے بادشاہ حتیٰ کہ "زارِ روس" جو کہ دنیا کا عظیم ترین بادشاہ سمجھا جاتا ہے وہ بھی اس جنگ کے نتیجہ میں ملیامیٹ کر دیا جائے گا۔ زمین الٹ پلٹ ہو جائے گی یعنی گولہ باری اور جنگی مہلک سامانوں سے اس میں غاریں اور گڑھے پڑ جائیں گے۔ خون کی نالیاں چلیں گی۔ پس ان سب علامات اور پیش خبریوں کے مطابق ۱۹۱۴ء میں جرمنی اور اتحادیوں کے درمیان بے مثال ہولناک جنگ چھڑی جس نے ساری دنیا اور تمام کرۂ ارضی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ایسی خوفناک تباہی آئی جو تمام نوعِ بشر بلکہ ہر

جاندار و غیر جاندار چیز کے لیے ایک عظیم زلزلہ اور عذابِ عظیم کا موجب بن گئی اور اس طرح ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک یہ الٰہی نوشتے من وعن پورے ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا موجب ہوئے۔

اس جنگ میں سب سے زیادہ واضح اور عبرت آفریں شہنشاہ زارِ روس کی حالتِ زار اور اس کا ہولناک انجام ہے جو کہ پیشگوئی کے عین مطابق ظہور میں آیا اور خدائی نوشتہ "زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار" ظاہر و باہر طور پر پورا ہوتا دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کیونکہ زارِ روس کی سلطنت باغیوں کے ہاتھوں مٹ گئی۔

بارھویں پیشگوئی — مصلح موعود اور مبشر اولاد کے متعلق:۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بشارت دی کہ آپ کے ذریعہ جو سلسلہ حمایت و غلبۂ اسلام کے لیے قائم کیا گیا ہے وہ آپ کی وفات کے بعد ہمیشہ کے لیے قائم رہیگا اور ترقی کرتا چلا جائیگا اور آپ کی جماعت خاندان اور مبشر اولاد کے ذریعہ حمایتِ اسلام کی ایک خاص بنیاد پڑے گی جو دنیا میں آئندہ اسلام کی سچائی اور خاص شان و شوکت کے اظہار کا موجب ہوگی اور یہ بشارت نہ صرف حضرت اقدسؑ کو ہی دی گئی بلکہ آج سے چودہ سَو سال قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسیح موعود کے

متعلق پیشگوئی کے طور پر فرمایا یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ (مشکوٰۃ باب نزولِ عیسیٰ) کہ جب مسیح موعود کا آخری زمانہ میں ظہور ہوگا تو وہ شادی کریگا اور اس کے سلسلہ کی تقویت و ترقی کے لیے اس کے ہاں اولاد ہوگی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد کے متعلق اس بشارت کے ذکر میں فرمایا ہے :-

"اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ میری نسل میں سے ایک بڑی بنیاد حمایت اسلام کی ڈالیگا اور اس میں سے وہ شخص پیدا کریگا جو آسمانی روح اپنے اندر رکھتا ہوگا اسلیے اس نے پسند فرمایا کہ اس خاندان کی لڑکی میرے نکاح میں لادے اور اس سے وہ اولاد پیدا کرے جو ان نوروں کو جن کی میرے ہاتھ سے تخمریزی ہوئی ہے دنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلاوے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح سادات کی دادی کا نام شہر بانو تھا اسی طرح میری یہ بیوی جو آئندہ خاندان کی ماں ہوگی اس کا نام نصرت جہاں بیگم ہے یہ تفاؤل کے طور پر اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تمام جہان کی مدد کیلئے میرے آئندہ خاندان کی بنیاد ڈالی ہے یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ ناموں میں بھی اس کی پیشگوئی مخفی ہوتی ہے۔" (تریاق القلوب صفحہ ۶۴-۶۵)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا پیشگوئی کے متعلق حضرت اقدس ؑ فرماتے ہیں :-

"مسیح موعود کی خاص علامتوں میں سے یہ لکھا ہے کہ وہ ..... بیوی کریگا اور اسکی اولاد ہوگی .... یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس کی نسل میں سے ایک شخص کو پیدا کریگا جو اسکا جانشین ہوگا اور دین اسلام کی حمایت کریگا جیسا کہ میری بعض پیشگوئیوں میں یہ خبر آچکی ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۱۲)

حضرت اقدس ؑ کے اس جانشین اور دینِ اسلام کی خاص حمایت کرنے والے پسر موعود کے متعلق اللہ تعالیٰ نے الہامی طور پر جو خبریں حضور ؑ کو دیں وہ اپنے اصل الفاظ میں درج ذیل ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

"سو تجھے بشارت ہو ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائیگا ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہوگا .... اس کے ساتھ فضل ہے جو اُسکے آنے کے ساتھ آئیگا وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا وہ دنیا میں آئیگا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کریگا وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور

علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا ...... دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ۔ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جسکو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اسکے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھیگا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائیگا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔"

([illegible] ۱۸۸۶ء)

اس موعود اور خاص فرزند کے متعلق حضور علیہ السلام تحفہ گولڑویہ میں فرماتے ہیں:۔

"خدا نے مجھے وعدہ دیا ہے کہ تیری برکات کا دوبارہ نور ظاہر کرنے کیلئے تجھ سے ہی اور تیری ہی نسل میں سے ایک شخص کو کھڑا کیا جائیگا جس میں روح القدس کی برکات پھونکوں گا۔ وہ پاک باطن اور خدا سے نہایت پاک تعلق رکھنے والا ہوگا اور مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ ہوگا گویا خدا آسمان سے نازل ہوا۔"

چنانچہ خدا کے فضل و کرم سے یہی صفت اور مصلح موعود بیٹا مذکورہ بالا پیشگوئیوں

اور ربانی خبروں کے عین مطابق ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو عالم وجود میں آیا اس کا نام نامی بشیر الدین محمود احمد الہامات کے مطابق رکھا گیا چونکہ اس موعود کا ایک الہامی نام فضل عمر بھی تھا اسلیئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ۱۹۱۴ء میں آپ حضرت عمرؓ کی طرح دوسرے خلیفۃ المسیح الثانی مقرر ہوئے اور تقریباً نصف صدی تک آپؓ نے حمایت اسلام کے بے نظیر کارنامے سرانجام دیکر ساری دنیا میں تبلیغ اسلام کا نظام قائم کر دیا۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْفَعْ دَرَجَاتِهٖ فِیْ اَعْلٰی عِلِّیِّیْنَ۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دوسرے تین بیٹے بھی الٰہی بشارتوں اور پیشگوئیوں کے مطابق پیدا ہوئے جنہیں حضرت اقدسؑ نے ان میں سے ہر ایک کی پیدائش سے پہلے واضح طور پر شائع فرما دیا تھا چنانچہ حضورؑ اپنے جملہ بیٹوں کی پیدائش کی بشارتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"ان چاروں لڑکوں (یعنی مصلح موعود سمیت) کے پیدا ہونے کی نسبت پیشگوئی کی تاریخ اور پھر پیدا ہونے کے وقت پیدائش کی تاریخ یہ ہے کہ محمود جو میرا بڑا بیٹا ہے اسکے پیدا ہونے کے بارے میں اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء میں اور نیز میرے اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء میں جو سبز رنگ کے کاغذ پر چھاپا گیا تھا پیشگوئی کی گئی اور سبز رنگ کے اشتہار میں یہ بھی لکھا

گیا کہ اس پیدا ہونیوالے لڑکے کا نام محمود رکھا جائیگا ..... جب اس پیشگوئی کی
شہرت بذریعہ اشتہارات کامل درجہ پر پہنچ چکی ..... تب خدا تعالیٰ کے فضل اور
رحم سے ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو بروز شنبہ محمود پیدا ہوا ..... اور میرا دوسرا لڑکا
جسکا نام بشیر احمد ہے اسکے پیدا ہونے کی پیشگوئی آئینہ کمالات اسلام کے
صفحہ ۲۶۶ میں کی گئی ہے ..... پھر جب یہ کتاب جسکا دوسرا نام دافع الوساوس
بھی ہے فروری ۱۸۹۳ء میں شائع ہو گئی تو ۲۰ اپریل ۱۸۹۳ء کو اس پیشگوئی
کے مطابق وہ لڑکا پیدا ہوا جسکا نام بشیر احمد رکھا گیا ..... اور میرا تیسرا
لڑکا جسکا نام شریف احمد ہے اسکے پیدا ہونے کی پیشگوئی میرے رسالہ
انوار الاسلام صفحہ ۲۹ کے حاشیہ پر درج ہے اور یہ رسالہ ستمبر ۱۸۹۴ء میں
شائع ہوا تھا ..... یہ لڑکا یعنی شریف احمد ۲۴ مئی ۱۸۹۵ء کو مطابق
۲۷ ذیقعد ۱۳۱۲ھ پیدا ہوا اور میرا چوتھا لڑکا جسکا نام مبارک احمد
ہے اسکی نسبت پیشگوئی اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں کی گئی اور پھر
انجام آتھم کے صفحہ ۱۸۳ میں بتاریخ ۱۴ ستمبر ۱۸۹۶ء یہ پیشگوئی کی گئی
اور رسالہ انجام آتھم کے صفحہ ۵۸ میں اس شرط کے ساتھ پیشگوئی کی گئی کہ
عبد الحق غزنوی جو امرتسر میں مولوی عبد الجبار غزنوی کی جماعت میں رہتا

ہے نہیں مریگا جب تک یہ چوتھا بیٹا پیدا نہ ہو لے اور اسی صفحہ ۵۸ میں یہ بھی
لکھا گیا تھا کہ اگر عبد الحق غزنوی ہماری مخالفت میں حق پر ہے اور جناب الٰہی
میں قبولیت رکھتا ہے تو اس پیشگوئی کو دعا کر کے ٹال دے سو خدا تعالیٰ نے
میری تصدیق کیلئے اور تمام مخالفین کی تکذیب کیلئے اور عبد الحق غزنوی
کو متنبہ کرنے کیلئے اس پسر چہارم کی پیشگوئی کو ۱۴ جون ۱۸۹۹ء میں بروز
چہار شنبہ پورا کر دیا یعنی وہ مولود مسعود چوتھا لڑکا تاریخ مذکور میں پیدا
ہو گیا چنانچہ اصل غرض اس رسالہ کی تالیف سے یہی ہے کہ تا وہ عظیم
الشان پیشگوئی جسکا وعدہ چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو چکا
تھا اسکی ملک میں اشاعت کی جائے کیونکہ یہ انسان کو جرأت نہیں ہو سکتی
کہ یہ منصوبے سوچے کہ اول تو مشترک طور پر چار لڑکوں کے پیدا ہونے کی
پیشگوئی کرے اور پھر ہر لڑکے کے پیدا ہونے سے پہلے اسکے پیدا ہونے کی
پیشگوئی کرتا جائے اور اسکے مطابق لڑکے پیدا ہوتے جائیں یہاں تک کہ
چار کا عدد جو پہلی پیشگوئی میں قرار پایا تھا پورا ہو جائے ..... کیا ممکن ہے
کہ اللہ تعالیٰ مفتری کی ایسی مسلسل طور پر مدد کرتا جائے کیا کبھی مفتری کی
تائید خدا نے ایسی کی یا نمونہ دنیا میں اسکی کوئی نظیر بھی ہے ..... کہ فلاں

شخص نہیں مریگا جب تک وہ پسر چہارم پیدا نہ ہولے اور اسکے اس قول کے مطابق پھر پسر چہارم بھی پیدا ہو جاتا ہے اور کیا آسمان کے نیچے یہ قوت کسی کو دی گئی ہے کہ اس زور شور کی مسلسل پیشگوئیاں میدان میں کھڑا ہو کر شائع کرے اور وہ پھر برابر پوری ہوتی جائیں۔

(ضمیمہ تریاق القلوب صـ ۴۲-۴۴)

دلیل ہفتم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"صحیح دارقطنی میں ایک حدیث ہے کہ امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں:-

اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا آيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِي النِّصْفِ مِنْهُ۔

ترجمہ:- یعنی ہمارے مہدی کیلئے دو نشان ہیں اور جب سے کہ زمین آسمان خدانے پیدا کیا یہ دو نشان کسی اور مامور اور رسول کے وقت میں ظاہر نہیں ہوئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ مہدی معہود کے زمانہ میں رمضان کے مہینہ میں چاند کا گرہن اس کی اول رات میں ہوگا یعنی تیرھویں

تاریخ میں اور سورج کا گرہن اسکے دنوں میں سے بیچ کے دن میں ہوگا یعنی اسی رمضان کے مہینہ کی اٹھائیسویں تاریخ کو۔ اور ایسا واقعہ ابتدائے دنیا سے کسی رسول یا نبی کے وقت میں کبھی ظہور میں نہیں آیا۔ صرف مہدی معہود کے وقت اس کا ہونا مقدر ہے اب تمام انگریزی اور اردو اخبار اور جملہ ماہرین ہیئت اس بات کے گواہ ہیں کہ میرے زمانہ میں ہی جسکو عرصہ قریباً بارہ[۱۲] سال کا گزر چکا ہے اسی صفت کا چاند اور سورج کا گرہن رمضان کے مہینہ میں وقوع میں آیا ہے .... اور چونکہ اس گرہن کے وقت میں مہدی معہود ہونے کا مدعی کوئی زمین پر بجز میرے نہیں تھا اور نہ کسی نے میری طرح اس گرہن کو اپنی مہدویت کا نشان قرار دیکر صدہا اشتہار اور رسالے اردو اور فارسی اور عربی میں دنیا میں شائع کئے اسلئے یہ نشان آسمانی میرے لیے متعین ہوا ..... یہ عظیم الشان نشان ہے جو مجھ سے پہلے ہزاروں علماء اور محدثین اس کے وقوع کے امیدوار تھے اور منبروں پر چڑھ چڑھ کر اور رو رو کر اسکو یاد دلایا کرتے تھے چنانچہ سب سے آخر مولوی محمد لکھوکے والے اسی زمانہ میں اسی گرہن کی نسبت اپنی

کتاب احوال الآخرۃ میں ایک شعر لکھ گئے ہیں جس میں مہدی معہود کا وقت بتایا گیا ہے اور وہ یہ ہے :-

تیرھویں چند ستیویں سورج گرہن ہوسی اس سالے
اندر ماہ رمضانے لکھیا ہک روایت والے

(حقیقۃ الوحی ص ۱۹۶، ۱۹۷)

یہ گرہن ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں لگے نیز فرماتے ہیں :-

"یہ پیشگوئی چار پہلو رکھتی ہے (۱) یعنی چاند کا گرہن اس کی مقررہ راتوں میں سے پہلی رات کو ہونا (۲) سورج کا گرہن اس کے مقررہ دنوں میں سے بیچ کے دن ہونا (۳) تیسرے رمضان کا مہینہ ہونا (۴) مدعی کا موجود ہونا جس کی تکذیب کی گئی ہو پس اگر اس پیشگوئی کی عظمت کا انکار ہے تو اس کی نظیر پیش کرو" (تحفہ گولڑویہ ص ۳۱)

دلیل ہشتم :-

ابو داؤد کی حدیث میں روایت ہے :-

اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا

(ابو داؤد جلد ۲ ص ۲۱۱ نولکشور کتاب الملاحم)

ترجمہ :- "بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کیلئے ہر صدی کے سر پر ایسے شخص کو مبعوث فرماتا رہیگا جو اس اُمت کے لیے اس کے دین کی تجدید کرتا ہے"۔

اس حدیث کی روشنی میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کا یہ دعویٰ ہے کہ آپؑ ہی چودھویں صدی کے مجدّد ہیں آپؑ کے زمانہ میں کسی اور شخص نے مجدّد من اللہ ہونے کا دعویٰ تک نہیں کیا۔ لہٰذا یہ امر اس بات کی روشن دلیل ہے کہ فی الواقعہ آپ ہی تجدید اسلام کیلئے خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں یہ عجیب بات ہے کہ آپؑ کے زمانہ میں کسی نے مجددیت کا جھوٹا دعویٰ بھی نہ کیا حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ اگر آپؑ معاذ اللہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتے تو خدا تعالیٰ آپؑ کے بالمقابل کسی اور شخص سے اپنی مجددیت کا اعلان کرواتا اور پھر وہ مقابلہ کرکے آپؑ کو شکست دے دیتا۔

دلیل نہم :-

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یہود کو مخاطب کرکے فرماتا ہے :-

قُلْ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (الجمعہ رکوع ۱)

ترجمہ :- اے رسول کہدے اے لوگو جو یہودی ہوئے اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ

تم اللہ کے پیارے ہو سوائے اُن لوگوں کے (جو مسلمان ہیں) تو تم موت
کی تمنا کرو اگر تم صادق ہو"۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ موت کی تمنا کرنے والا اگر اس تمنا کے بعد جلد ہلاک ہونے سے بچ جائے تو یہ امر اس کی صداقت پر گواہ ہوگا اگر کوئی غلط فہمی سے اپنے آپ کو خدا کا پیارا سمجھتا ہو اور موت کی تمنا کر بیٹھے تو پھر اس کی موت نشان بن جاتی ہے جیسے ابو جہل نے جنگِ بدر میں یہ تمنا کی کہ اے خدا جو ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے اسکو اسی جگہ موت دیدے چنانچہ وہ جنگ بدر میں مارا گیا اور اس کی موت اسلام کی صداقت کا نشان بن گئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جھوٹا سمجھتے ہوئے اور مقابلے میں اپنے آپکو سچا سمجھتے ہوئے جن جن لوگوں نے آپؑ کیلئے بد دُعا کی اور آپؑ کے سچا ہونے کی صورت میں از خود اپنی موت چاہی وہ سب کے سب ہلاک ہوئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لوگوں کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ آپؑ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کی۔

اے قدیر و خالقِ ارض و سما ❊ اے رحیم و مہربان و رہنما
اے کہ می داری تو بر دلہا نظر ❊ اے کہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو می بینی مرا پُر فسق و شر ❊ گر تو دیدستی کہ ہستم بد گہر

پارہ پارہ کُن منِ بد کار را ❊ شاد کُن ایں زمرۂ اغیار را
بر دلِ شان ابرِ رحمت ہا ببار ❊ ہر مُرادے شان بفضل خود برار
آتش افشاں بر در و دیوارِ من ❊ دشمنم باش و تباہ کُن کارِ من
در مرا از بندگانت یافتی ❊ قبلۂ من آستانت یافتی
در دلِ من آں محبت دیدۂ ❊ کز جہاں آں راز را پوشیدہ
با من از روئے محبت کار کُن ❊ اندکے افشائے آں اسرار کن

(حقیقۃ المہدی)

ترجمہ:۔ اے قادر اور آسمان و زمین کے پیدا کرنیوالے! اے رحیم مہربان اور رہنما! اے وہ کہ جو دلوں پر نظر رکھتا ہے! اے وہ ہستی کہ تجھ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں! اگر تو نے مجھے نافرمانی اور شرارت سے بھرا ہوا دیکھا ہے، اگر تو نے مجھے دیکھ لیا ہے کہ میں بد اصل ہوں تو مجھ بدکار کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال اور میرے مخالفوں کے گروہ کو خوش کر دے انکے دلوں پر اپنی رحمت کا بادل برسا اور اپنے فضل سے انکی ہر مراد پوری کر دے ۔۔ اور میرے در و دیوار پر آگ برسا۔ میرا دشمن ہو جا اور میرا کاروبار تباہ کر دے، لیکن اگر تو نے مجھے اپنا فرمانبردار پایا ہے اور میرے دل میں وہ محبت دیکھی ہے جسکا بھید تو نے دنیا سے پوشیدہ

رکھا ہے تو مجھ سے محبت کی رُو سے پیش آ اور ان اسرار کو تھوڑا سا ظاہر کر دے۔

اس دعا کے بعد آپؑ کے ہاتھ پر کئی نشانات ظاہر ہوئے اور خدا تعالیٰ نے آپؑ کو دنیا میں قبولیت بخشی اور آپؑ کی تباہی کی بجائے آپ کو ہر رنگ میں ترقی دیکر اپنی نصرت اور محبت کا ثبوت دیدیا۔ اس میں سوچنے والوں کے لیے ایک بڑا نشان ہے۔

دلیل دہم :- علمی مقابلہ

قرآن کریم میں مخالفین اسلام کو بالمقابل فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ کا چیلنج دیا گیا ہے کہ اس کی مثل ایک سورۃ بھی بنا کر پیش کرو اور ساتھ ہی یہ پیشگوئی فرما دی اور ہدایت دی فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (البقرہ رکوع ۳) کہ اگر تم ایسا نہ کر سکو اور تم ہرگز ایسا نہیں کر سکو گے تو تم اُس آگ سے بچاؤ کرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں پھر خدا نے یہ سمجھایا کہ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ (ہود آیت ۱۴) کہ اگر مخالفین تمہیں اس چیلنج کا جواب نہ دیں تو پھر جان لو کہ یہ قرآن خدا تعالیٰ کے علم سے اتارا گیا ہے۔

مخالفین اسلام کا قرآن کی اس دعوت کے جواب میں عاجز رہ جانا اور صرف

یہ ژاژ خائی کرنا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا إِنْ هٰذَا إِلَّا أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ (انفال ۳) کہ اگر ہم چاہتے تو اس کی مثل بنا لاتے یہ قرآن تو پُرانے لوگوں کی کہانیاں ہے) اس بات کی روشن دلیل ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ میں صادق ہیں کہ آپؐ خدا تعالیٰ کے مامور ہیں اور اسی نے آپؐ کو یہ علمی معجزہ عطا فرمایا ہے جس کے مقابلہ سے دنیا عاجز ہے۔

چونکہ مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند اور آپؐ کے ظِلِ کامل ہیں اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظلیت میں آپؑ کو علمی رنگ کا معجزہ اس وقت عطا کیا گیا جبکہ بعض لوگوں نے کہا کہ آپؑ عربی زبان پر قدرت نہیں رکھتے۔

آپؑ نے خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت سے دو کتابیں اعجاز المسیح اور اعجاز احمدی شائع فرمائیں اور اپنے زمانہ کے علماء کو ان کا مثل لانے کی دعوت دی ان میں سے ہر کتاب کیساتھ یہ پیشگوئی تھی کہ لوگ اس جیسی کتاب لانے پر قادر نہیں ہونگے اعجاز المسیح سورۃ الفاتحہ کی تفسیر پر مشتمل ہے جس میں حقائق و معارف کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اسکے بارے میں آپؑ کو الہام ہوا " مَنْ قَامَ لِلْجَوَابِ وَتَنَمَّرَ فَسَوْفَ يَرٰى أَنَّهٗ تَنَدَّمَ وَتَذَمَّرَ۔ (ٹائیٹل پیج اعجاز المسیح) یعنی جو اس کے جواب کے لئے کھڑا ہو گا وہ جلد دیکھ لے گا کہ وہ نادم و رسوا ہو گیا ہے "۔

اعجاز المسیح کے جواب پر کوئی قادر نہ ہو سکا۔ اعجاز احمدی کا جواب لکھنے کے بارے میں مولوی ثناء اللہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی بھی پوری ہو گئی کہ وہ اس کے جواب پر قادر نہیں ہونگے۔

کلام الامام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی صداقت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"میرے پر ایسی رات کوئی کم گزرتی ہے جس میں مجھے یہ تسلی نہیں دی جاتی کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور میری آسمانی فوجیں تیرے ساتھ ہیں اگرچہ جو لوگ دل کے پاک ہیں مرنے کے بعد خدا کو دیکھیں گے لیکن مجھے اسی کے منہ کی قسم ہے کہ میں اب بھی اُس کو دیکھ رہا ہوں دنیا مجھ کو نہیں پہچانتی لیکن وہ مجھے جانتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے یہ ان لوگوں کی غلطی ہے اور سراسر بدقسمتی ہے کہ میری تباہی چاہتے ہیں۔ میں وہ درخت ہوں جس کو مالکِ حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے جو شخص مجھے کاٹنا چاہتا ہے اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ قارون اور یہودا اسکریوطی اور ابوجہل کے نصیب سے کچھ حصّہ لینا چاہتا ہے ...... اے لوگو! تم یقیناً سمجھ لو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو اخیر وقت تک مجھ سے وفا کرے گا

اگر تمہارے مرد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے جوان اور تمہارے بوڑھے اور تمہارے چھوٹے اور تمہارے بڑے سب مل کر میرے ہلاک کرنے کے لیے دُعائیں کریں یہاں تک کہ سجدے کرتے کرتے ناک گل جائیں اور ہاتھ شل ہو جائیں تب بھی خدا ہرگز تمہاری دُعا نہیں سُنے گا اور نہیں رُکے گا جب تک وہ اپنے کام کو پُورا نہ کر لے اور اگر انسانوں میں سے ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو تو خدا کے فرشتے میرے ساتھ ہوں گے اور اگر تم گواہی کو چھپاؤ تو قریب ہے کہ پتھر میرے لیے گواہی دیں۔ پس اپنی جانوں پر ظلم مت کرو۔ کاذبوں کے اور مُنہ ہوتے ہیں اور صادقوں کے اَور۔ خدا کسی امر کو بغیر فیصلہ کے نہیں چھوڑتا میں اُس زندگی پر لعنت بھیجتا ہوں جو جھوٹ اور افترا کے ساتھ ہو اور نیز اس حالت پر بھی کہ مخلوق سے ڈر کر خالق کے امر سے کنارہ کشی کی جائے۔ خدمت جو عین وقت پر خداوند قدیر نے میرے سپُرد کی ہے اور اسی کے لیے مجھے پیدا کیا ہے۔ ہرگز ممکن نہیں کہ میں اس میں سُستی کروں اگرچہ آفتاب ایک طرف سے اور زمین ایک طرف سے باہم مل کر مجھے کچلنا چاہیں

انسان کیا ہے محض ایک کیڑا۔ اور بشر کیا ہے محض ایک مضغہ پس کیونکر میں حیّ وقیّوم کے حکم کو ایک کیڑے یا ایک مضغہ کے لیے ٹال دوں۔ جس طرح خدا نے پہلے مامورین اور مکذبین میں آخر ایک دن فیصلہ کر دیا اسی طرح وہ اس وقت بھی فیصلہ کریگا۔ خدا کے مامورین کے آنے کے لیے بھی ایک موسم ہوتے ہیں اور پھر جانے کے لیے بھی ایک موسم۔ پس یقیناً سمجھو کہ میں نہ بے موسم آیا ہوں اور نہ بے موسم جاؤں گا۔ خدا سے مت لڑو یہ تمہارا کام نہیں کہ مجھے تباہ کر دو۔"

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹، ۸ ایڈیشن اوّل)

تمّت بالخیر

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط
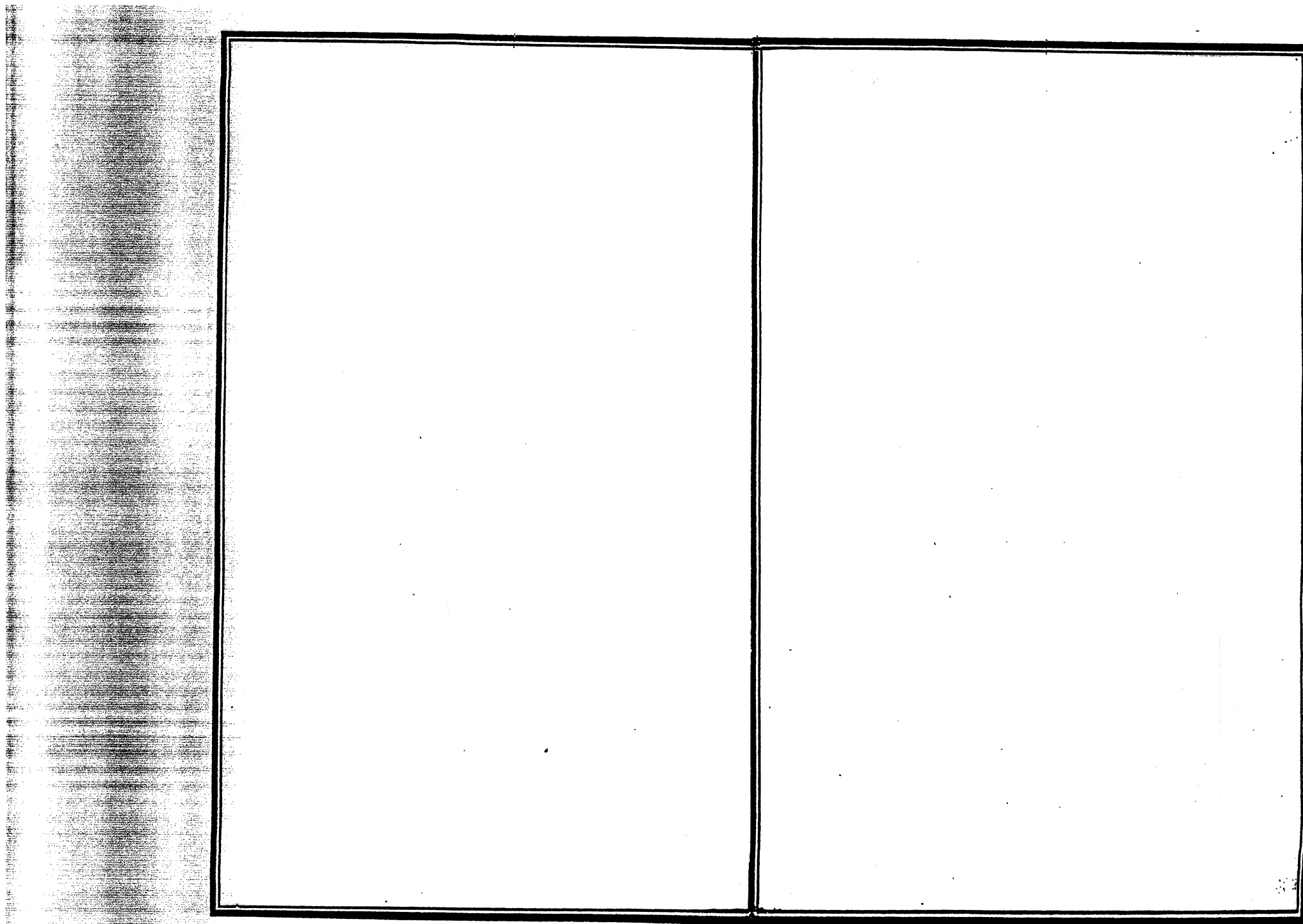
احمدیہ

تعلیمی پاکٹ بک

حصّہ دوم

مُرتّبہ

قاضی محمد نذیر صاحب فاضل
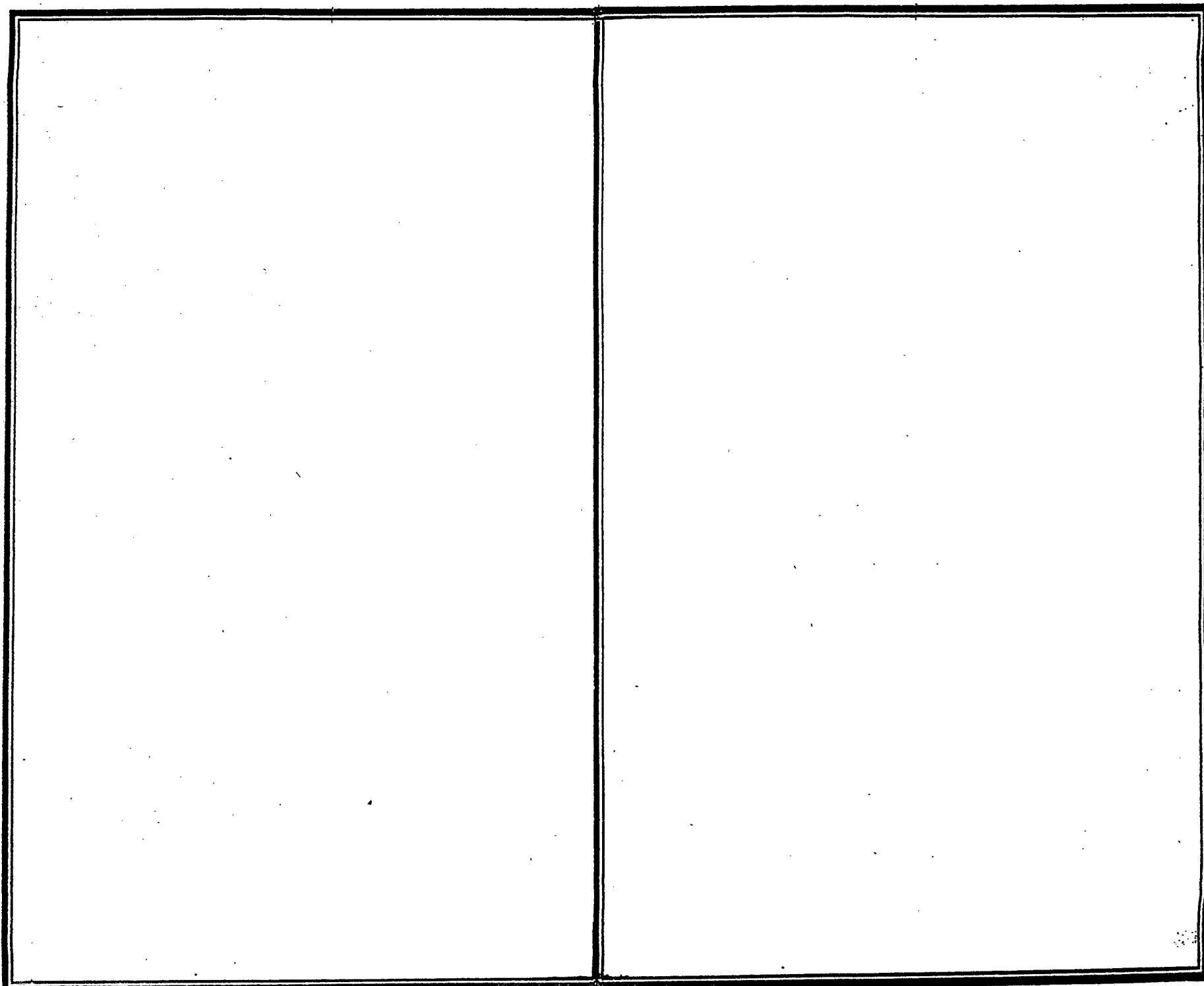
احمدیہ تعلیمی پاکٹ بک

حصّہ دوم

فہرست مضامین

حصہ دوم

19

توبہ کا ثبوت

پیشگوئی پر اعتراضات کے جوابات

مختلف اعتراضات کے جوابات

گالیوں کا الزام

30

تمت بالخیر

مذکورہ پیشگوئی

پیشگوئیوں کے اُصُول

۱- پیشگوئیاں دو قسم کی ہوتی ہیں بعض وعدہ پر مشتمل ہوتی ہیں اور بعض وعید یعنی کسی عذاب کی خبر پر۔

۱- جو پیشگوئیاں کسی وعدہ پر مشتمل ہوتی ہیں اگر ان کے ساتھ کوئی شرط مذکور نہ ہو تو وہ وعدہ لفظاً لفظاً پورا کر دیا جاتا ہے لیکن اگر وہ وعدہ مشروط ہو اور جس شخص یا قوم کے متعلق وعدہ ہو وہ اس شرط کو پورا نہ کرے جس شرط سے یہ وعدہ مشروط ہے تو وہ وعدہ پورا نہیں کیا جاتا یا اس میں تاخیر ڈال دی جاتی ہے چنانچہ قوم موسیٰ علیہ السلام کو کنعان کی سرزمین دینے کا ان الفاظ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ :-

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ - (المائدة ع)

"یعنی اے قوم! ارضِ مقدسہ (کنعان) میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ

نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور (اس کام سے) پشت نہ پھیر لینا ورنہ نامراد لوٹو گے۔"

یہ وعدہ پُشت نہ پھیرنے سے مشروط تھا چونکہ بنی اسرائیل نے یہ کہہ کر پُشت پھیر دی کہ:-

یٰمُوْسٰی اِنَّ فِیْہَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ .... اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَہَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْہَا فَاذْہَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا ہٰہُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدۃ ع ۴)

"یعنی اے موسیٰ! اس بستی میں ایک زبردست قوم رہتی ہے ... ... جب تک وہ اس میں ہیں ہم اس میں داخل نہیں ہونگے تم اور تمہارا خدا جا کر لڑائی کرو ہم یہاں ہی بیٹھے ہیں۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے وہ علاقہ اُن پر چالیس برس کے لیے حرام کر دیا جیسا کہ فرمایا:-

فَاِنَّہَا مُحَرَّمَۃٌ عَلَیْہِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً یَتِیْہُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۔ (المائدۃ ع ۴)

"یعنی وہ زمین (کنعان) اُن پر چالیس سال کے لیے حرام کر دی گئی وہ زمین میں بھٹکتے رہے۔"

ب۔ وعید کی تمام پیشگوئیاں عدم عفو کی شرط سے مشروط ہوتی ہیں چنانچہ عقائد میں یہ مسلّم ہے کہ:-

اِنَّ جَمِیْعَ الْوَعِیْدَاتِ مَشْرُوْطَۃٌ بِعَدَمِ الْعَفْوِ فَلَا یَلْزَمُ مِنْ تَرْکِہَا دُخُوْلُ الْکِذْبِ فِیْ کَلَامِ اللّٰہِ۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۴۰۹ مصری)

"یعنی وعیدی پیشگوئیوں میں یہ شرط ہوتی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ نے معاف نہ کر دیا تو لفظاً پوری ہوتی ہیں۔ لہٰذا اگر وعیدی پیشگوئی ٹلتی ہو تو اس سے خدا کے کلام کا جھوٹا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔"

عقائد کی کتاب مسلّم الثبوت کے صفحہ ۲۸ میں ہے کہ:-

"اِنَّ الْاِیْعَادَ فِیْ کَلَامِہٖ تَعَالٰی مُقَیَّدٌ بِعَدَمِ الْعَفْوِ۔"

"کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر وعید میں عدم عفو کی شرط ہوتی ہے۔"

تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ:-

اِنَّ وَعِیْدَ الْفُسَّاقِ مَشْرُوْطٌ بِعَدَمِ

الْعَفُوْ" (بیضاوی تفسیر آل عمران ع زیر آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا
یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ)

کہ فاسقوں کے متعلق عذاب کی پیشگوئی کا پورا ہونا اس شرط سے مشروط ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ معاف نہ کرے یہ اصول وعیدی پیشگوئی کے متعلق حدیث نبوی سے ماخوذ ہے چنانچہ تفسیر روح المعانی جلد دوم ص۵۵ مصری میں لکھا ہے:۔

"اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَجُوْزُ اَنْ یُّخْلِفَ الْوَعِیْدَ وَ
اِنِ امْتَنَعَ اَنْ یُّخْلِفَ الْوَعْدَ وَ بِھٰذَا
وَرَدَتِ السُّنَّۃُ فَفِیْ حَدِیْثِ اَنَسٍ رَضِیَ
اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
قَالَ مَنْ وَعَدَہُ اللّٰہُ عَلٰی عَمَلِہٖ ثَوَابًا
فَھُوَ مُنْجِزُ لَہٗ وَمَنْ اَوْعَدَہٗ عَلٰی عَمَلِہٖ
عِقَابًا فَھُوَ بِالْخِیَارِ وَمِنْ اَدْعِیَۃِ الْاَئِمَّۃِ
الصَّادِقِیْنَ یَا مَنْ اِذَا وَعَدَ وَفٰی وَاِذَا اَوْعَدَ عَفَا"

یعنی خدا تعالیٰ کے لیے جائز ہے کہ وہ وعید (یعنی عذاب کی پیشگوئی) میں تخلف کرے اگرچہ وعدہ کے خلاف کرنا ممتنع ہے اور اسی طرح

سُنّت میں بھی وارد ہوا ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر خدا تعالیٰ انسان کے عمل پر کسی ثواب (انعام) کا وعدہ کرے تو اُسے پورا کرتا ہے اور جس سے اُس کے کسی عمل پر عذاب کی وعید کرے اُسے اختیار ہے (چاہے تو اُسے پورا کرے چاہے تو معاف کر دے) اور ائمہ صادقین کی دُعاؤں میں سے ایک دعا یوں ہے کہ اے وہ اللہ کہ جب وعدہ کرے تو پورا کرتا ہے اور جب وعید کرے تو معاف کرتا ہے"

عذاب ادنیٰ رجوع سے بھی ٹل سکتا ہے

قرآن مجید بھی اس اصل کا مؤیّد ہے کہ توبہ استغفار بلکہ ادنیٰ رجوع سے بھی عذاب الٰہی ٹل جاتا ہے۔ چنانچہ سورۂ زخرف میں ہے کہ جب قوم فرعون پر موعود عذاب آتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ:۔

یٰاَیُّھَا السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّکَ بِمَا عَھِدَ عِنْدَکَ
اِنَّنَا لَمُھْتَدُوْنَ فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْھُمُ الْعَذَابَ

إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ۔ (زخرف ع ۵)

"یعنی انہوں نے کہا اے جادوگر! ہمارے لیے اپنے ربّ سے دُعا کر۔ اس عہد کی وجہ سے جو اس نے تجھ سے کیا ہے ہم یقیناً ہدایت پانے والے ہیں اور جب ہم نے ان سے عذاب دُور کر دیا تو وہ معاً وعدہ توڑ دیتے تھے۔"

اس آیت سے ظاہر ہے کہ عذاب ادنیٰ رجوع سے بھی ٹل جاتا ہے قوم فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہتی ہے مگر صرف دُعا کی درخواست کرنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ اُن سے عذاب دُور کر دیتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ لوگ عہد شکنی کریں گے۔

پھر قرآن کریم میں ہے کہ۔

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۔

(سورۃ انفال ع ۴)

"کہ خدا تعالیٰ انہیں عذاب دینے والا نہیں درآں حالیکہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔"

پیشگوئیوں میں ملہم اجتہاد میں غلطی کر سکتا ہے

۲۔ ملہم اپنے الہام کا بعض اوقات اپنے اجتہاد سے ایک مفہوم سمجھتا ہے لیکن

اس کا یہ اجتہادی خیال درست نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کے اپنے اجتہادی معنوں میں تو وہ خبر غیب پوری نہیں ہوتی۔ البتہ اصل الہام کے الفاظ ہیں بہرحال پوری ہو جاتی ہے اور واقعات الہامی الفاظ کی صحیح تعبیر کر دیتے ہیں قرآن کریم میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تیرے اہل کو غرق ہونے سے بچا لوں گا جب اُن کا بیٹا غرق ہونے لگا تو انہوں نے خدا تعالیٰ کو اس کا وعدہ ان الفاظ میں یاد دلایا کہ :۔

إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ ۔ (ھود ع ۴)

"یعنی بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ کہ میں تیرے اہل کو بچاؤں گا سچا ہے۔"

ان الفاظ میں اپنے بیٹے کے لیے بچائے جانے کی درخواست تھی اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ :۔

إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ط إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۔ (ھود ع ۴)

یعنی یقیناً وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے کیونکہ وہ عمل کے

لحاظ سے صالح نہیں یا تیرا ایسا درخواست کرنا مناسب نہیں
پس تو ایسی بات کے لیے جس کا تجھے علم نہیں مجھ سے درخواست مت
کر۔ میں تجھے (اس لیے) نصیحت کرتا ہوں کہ مبادا (تم نادانوں میں
سے ہو جاؤ۔"

ان آیات سے ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے غرق ہونے والے بیٹے کو خدا کی پیشگوئی میں مذکور لفظ "اہل" میں داخل سمجھا کیونکہ جسمانی لحاظ سے وہ بہر حال آپ کے "اہل" میں داخل تھا لیکن علم الٰہی میں اہل کے بچایا جانے کے وعدہ میں وہ داخل نہ تھا کیونکہ خدا کے نزدیک وہ "اہل" مراد تھے جو روحانی لحاظ سے بھی "اہل" ہوں اس لیے نوح علیہ السلام نے اجتہادی غلطی سے بچائے جانے والے اہل کے وعدہ میں اسے داخل سمجھا حالانکہ وہ خدا کے وعدہ میں شامل نہ تھا اس لیے خدا تعالیٰ نے نوح کو اس کے بچایا جانے کی درخواست پر ان کی غلطی سے متنبہ کر دیا۔ پس ضروری نہیں کہ ملہم الہام کے جو معنی سمجھے وہ ضرور درست ہوں یا جس امر کو وہ خدائی وعدہ سمجھے وہ ضرور خدائی وعدہ ہو اور اس میں تخلف جائز نہ ہو۔ ایسے خیالی وعدہ کو پورا کرنے کو خدا تعالیٰ ذمہ دار نہیں ہوتا۔ اسلامی عقائد کی کتابوں میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ:-

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ يَجْتَهِدُ
فَيَكُوْنُ خَطَأً (نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی ص ۳۹۲)

"یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اجتہاد کرتے تو اس میں خطا ہو جاتی۔"

آگے اس کے ثبوت میں حدیث نبوی ان الفاظ میں درج کی ہے:-

اَلْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيْبُ فَإِنْ أَصَابَ فَلَهُ
أَجْرَانِ وَإِنْ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ۔ (نبراس)

کہ "مجتہد اجتہاد میں غلطی بھی کرتا ہے اور درست اجتہاد بھی کرتا ہے اگر اس کا اجتہاد درست ہو تو اسے دو اجر ملتے ہیں (ایک اجتہاد کرنے کا اور دوسرا اجتہاد درست ہونے کا) اور اگر وہ غلطی کرے تو اسے ایک اجر (یعنی صرف اجتہاد کرنے کا) ملتا ہے۔"

لہٰذا بعض اوقات ملہم ایک وعیدی پیشگوئی کو قضائے مبرم سمجھ لیتا ہے لیکن عند اللہ وہ قضائے معلق ہوتی ہے ایسی مبرم سمجھی جانے والی قضاء بعض اوقات صدقہ اور دعا وغیرہ سے ٹل جاتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے:-

اَكْثِرْ مِنَ الدُّعَاءِ فَإِنَّ الدُّعَاءَ يَرُدُّ الْقَضَاءَ

اَلْمُبْرَمَ ۔ (کنز العمال جلد اول ص۱۶۷ و جامع الصغیر مصری جلد اول ص۵۴)

کہ "کثرت سے دُعا کرو۔ کیونکہ دعا تقدیر مبرم (مبرم سمجھی ہوئی) کو بھی ٹال دیتی ہے"

اسی طرح صدقہ کے بارے میں ہے کہ:۔

"اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الصَّدَقَۃَ تَدْفَعُ الْبَلَاءَ الْمُبْرَمَ النَّازِلَ مِنَ السَّمَاءِ"

(روض الریاحین بر حاشیہ قصص الانبیاء ص۳۶۴)

یعنی "صدقہ و خیرات اس بلاء کو دُور کر دیتا ہے جو مبرم طور پر آسمان سے نازل ہونے والی ہو۔ (یعنی جسے بظاہر مبرم سمجھا جاتا ہو)

اسلام میں خدا کے دربار سے کوئی شخص مایوس نہیں لوٹتا اسلئے وہ فرماتا ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا۔ (زمر ع۶)

"اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تم خدا کی رحمت سے مایوس مت ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب گناہوں

کو بخش دیگا۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے"

حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم پر چالیس دنوں کے اندر عذاب نازل ہونے کی پیشگوئی فرمائی (دُرِّ منثور وغیرہ) اور اپنی پیشگوئی کے متعلق انہیں اتنا یقین تھا کہ شہر سے باہر ڈیرہ ڈال کر عذاب کا انتظار کرنے لگے مگر قوم نے ٹاٹ پہن لیے اور عورتوں، بچوں، جانوروں اور چارپایوں کو بھوکا رکھکر خدا تعالیٰ کے حضور واویلا کیا تو خدا نے قوم کے رجوع کی وجہ سے اس سے عذاب ٹال دیا۔ لیکن حضرت یونس علیہ السلام اس خیال سے بھاگ کھڑے ہوئے کہ میری پیشگوئی پوری نہ ہونے کی وجہ سے لوگ مجھے جھٹلائینگے اور اس بھاگنے کی وجہ سے ان پر گرفت ہوئی اور انہیں تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہنا پڑا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَلَوْلَا کَانَتْ قَرْیَۃٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَہَآ اِیْمَانُہَآ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا کَشَفْنَا عَنْہُمْ عَذَابَ (یونس ع۱۰)

"کہ کیوں کوئی اور بستی ایمان نہ لائی سوائے یونس کی بستی کے۔ جب اس بستی کے رہنے والے ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے عذاب دُور کر دیا۔"

اور یونس علیہ السلام کے متعلق ایک اور جگہ آیا ہے کہ:۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ ۔ (انبیاء ع ۶)

"کہ ذاالنّون (مچھلی والا یونس) قوم سے ناراض ہوکر چل نکلا اور اس نے یہ گمان کیا کہ ہم اس پر کوئی تنگی نہیں کریں گے۔ لیکن اس پر تنگی وارد ہوئی یعنی اُسے مچھلی کے پیٹ میں رہنا پڑا۔"

حضرت یونس علیہ السلام سے یہ اجتہادی غلطی سرزد ہوئی تھی کہ وہ اس وجہ سے بھاگ نکلے کہ میری عذاب کی پیشگوئی لفظاً پوری نہیں ہوئی حالانکہ یہ پیشگوئی وعیدی پیشگوئیوں کے قاعدہ کے ماتحت قوم کے توبہ اور رجوع سے ٹل گئی تھی اور یونس علیہ السلام پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا تھا مگر چونکہ وہ ایک اجتہادی خطا سے بھاگ نکلے تھے اس لیے خدا تعالیٰ حضرت یونس علیہ السلام کے اس بلاوجہ بھاگ نکلنے کے واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت فرماتا ہے کہ آپ بھی کسی وعیدی پیشگوئی کے متعلق ایسا نمونہ دکھائیں جو یونس علیہ السلام نے دکھایا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی غرض سے مخاطب کرکے فرماتا ہے:۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ (القلم ع ۲)

ترجمہ:۔ اے نبی! وعیدی پیشگوئیوں میں خوب انتظار کرنا اور مچھلی والے یعنی یونسؑ کی طرح نہ بننا جب اس نے خدا کو پکارا اس حال میں کہ وہ غم سے بھرا ہوا تھا کہ میری پیشگوئی کیوں پوری نہ ہوئی۔

اور قرآن مجید اس واقعہ کو بیان کرکے اُمّتِ محمدیّہ کے ملہمین کو بھی اللہ تعالیٰ بالواسطہ نصیحت کرتا ہے کہ وعیدی پیشگوئیاں اگر لفظاً پوری نہ ہوں اور جس کے بارہ میں پیشگوئی ہو اس کے توبہ کر لینے سے اگر پیشگوئی ٹل جائے تو یہ گھبراہٹ کی جگہ نہیں اور امّت کے علماء اور دوسرے لوگوں کو اس واقعہ کے ذکر سے متنبہ کیا ہے کہ وہ وعیدی پیشگوئیوں پر بلاوجہ کسی ملہم پر زبانِ طعن دراز نہ کریں کیونکہ وعیدی پیشگوئیاں ہمیشہ توبہ کی شرط سے مشروط ہوتی ہیں اور توبہ کر لینے والوں سے ان میں بیان کردہ عذاب ٹل جایا کرتا ہے اس لیے یہ بات محلِ اعتراض نہیں۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ

صلح حدیبیہ کا واقعہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ انبیاء سے اجتہادی خطا کے واقع ہونے میں خدا تعالیٰ کو خاص حکمتیں اور مصلحتیں بھی مدنظر ہوتی ہیں۔ چنانچہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے رؤیا میں دکھایا کہ مسلمان بے خوف ہو کر بالکل
امن سے خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں اور سر منڈوا کر احرام کھول رہے ہیں۔ اس
پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق چودہ سو صحابہؓ کی جماعت
کے ساتھ عمرہ (چھوٹے حج) کے لیے روانہ ہو گئے جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے
تو مشرکین مکہ نے آپ کا داخلہ روک لیا چونکہ رؤیا بتلاتی تھی کہ مکہ میں داخلہ امن
سے ہوگا اور کوئی خوف نہیں ہوگا۔ اس لیے صحابہ کو تلوار کے علاوہ دیگر اسلحہ ساتھ
لیجانے کی اجازت نہ تھی حدیبیہ کے مقام پر مشرکین مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو مشرکین کی خواہش پر ایک صلح کا معاہدہ کرنا پڑا جس میں یہ تھا کہ مسلمان اگلے
سال آئیں تو اجازت دی جائے گی صلح کی شرائط میں مشرکین نے یہ شرط بھی پیش
کی کہ اگر مکہ کا کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ جائیگا تو اسے واپس کرنا پڑیگا اور اگر
مدینہ سے کوئی مکہ آئیگا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا یہ شرط مساویانہ نہ تھی۔ اس
سے ظاہر ہوتا تھا کہ مسلمان اگر ان شروط کو قبول کر لیں تو گویا وہ مشرکین سے دب
کر صلح کرنے والے ہوں گے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منشاء الٰہی سے یہ شرطیں
مان لیں۔ اور مشرکین سے صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ اس وقت آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالیٰ نے منکشف فرمایا کہ یہ شرائط مسلمانوں کے لیے کوئی نقصان دہ

نہیں چنانچہ بالآخر یہی شرائط خود مشرکین کے لیے وبال بن گئیں۔ انہوں نے اس معاہدہ
کی خلاف ورزی کی اور اس کے نتیجہ میں مکہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چڑھائی کی
اور مکہ فتح ہو گیا۔ لیکن چونکہ بظاہر شرائط سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ صلح دب کر کی جا
رہی ہے اس لیے بعض صحابہ کرام پر یہ معاہدہ بہت شاق گذرا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ
نے اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی گفتگو کی جس کا وہ بعد میں کفارہ
دیتے رہے چنانچہ صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ فتح جلد ۳ صفحہ ۱۲۷ مصری میں
حدیث ہے

فجاء عمرُ فقال ألَسنا على الحقِّ وهُم على الباطِلِ
أليسَ قتلانا في الجنّة وهُم في النار قال بلى۔
قال ففيمَ أُعطِي الدَّنيّةَ في دينِنا ونرجِع ولمّا
يحكُمِ اللهُ بيننا فقال يا ابنَ الخطّاب إنّي رسولُ
اللهِ ولن يضيّعَني اللهُ أبدًا فرجَع متغيّظًا۔

کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ کیا ہم سچائی
پر اور وہ لوگ (مشرکین مکہ) باطل پر نہیں ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہاں یقیناً ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر۔ حضرت عمرؓ نے یہ

بھی کہا کہ ہمارے مقتولین جنتی اور اُنکے مقتولین ناری نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ (یعنی ہمارے مقتولین جنتی اور اُن کے ناری ہیں) حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر کس وجہ سے ہمارے دین کے معاملہ میں کمزوری دکھائی گئی ہے (یعنی جنگ نہیں کی جا رہی اور ایسی شرائط پر صلح کی جا رہی ہے جس میں مشرکین کی طرف سے ہم پر ناجائز دباؤ ڈالا گیا ہے) اور ہم واپس جا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان کوئی فیصلہ نہیں کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابن خطاب میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے ہرگز ضائع نہیں کریگا۔ پس حضرت عمرؓ ناراض ہونے کی حالت میں واپس ہوئے۔"

پھر اُنکی یہ گفتگو صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۱ مطبوعہ مصر کتاب الشروط باب الشرط فی الجہاد والمصالحۃ میں یوں درج ہے:-

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے کہا الستَ نبیَّ اللہِ حقًا۔ کیا آپ سچے نبی نہیں؟ آپ نے فرمایا بلیٰ ہاں میں سچا نبی ہوں۔ پھر کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں

یعنی ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر ہے۔ میں نے کہا فَلِمَ نُعطی الدَّنِیَّۃَ فی دِینِنا اِذًا" کہ ہم اپنے دین میں کیوں کمزوری دکھائیں (یعنی کیوں دب کر صلح کریں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اس کی نافرمانی کرنے والا نہیں وہ میرا مددگار ہے میں نے کہا اَوَلَیسَ کُنتَ تُحَدِّثُنَا اَنَّا سَنَاتِی البَیتَ فَنَطُوفُ کہ آپ ہم سے بیان نہیں کرتے تھے کہ ہم عنقریب بیت اللہ میں آئیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں تو کیا میں تمہیں یہ خبر دیتا تھا کہ ہم اسی سال ہی آئیں گے؟ میں نے کہا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا تم بیت اللہ میں آنے والے ہو اور اس کا طواف کرنے والے ہو اس کے بعد اسی مضمون کی گفتگو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے بھی کی اور انہوں نے ایسے ہی جوابات دیئے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تھے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں اس گفتگو کے بعد مجھے کئی اعمال کرنے پڑے۔ (یعنی کفارہ ادا کرنا پڑا)

زاد المعاد میں امام ابن قیم یہ روایت بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کہا:

مَا شَکَکتُ مُنذُ اَسلَمتُ اِلَّا یَومَئِذٍ۔

(زاد المعاد جلد اول صفحہ ۳۷۶)

کہ میں جب سے مسلمان ہوا مجھے صرف اسی دن شک پیدا ہوا۔"
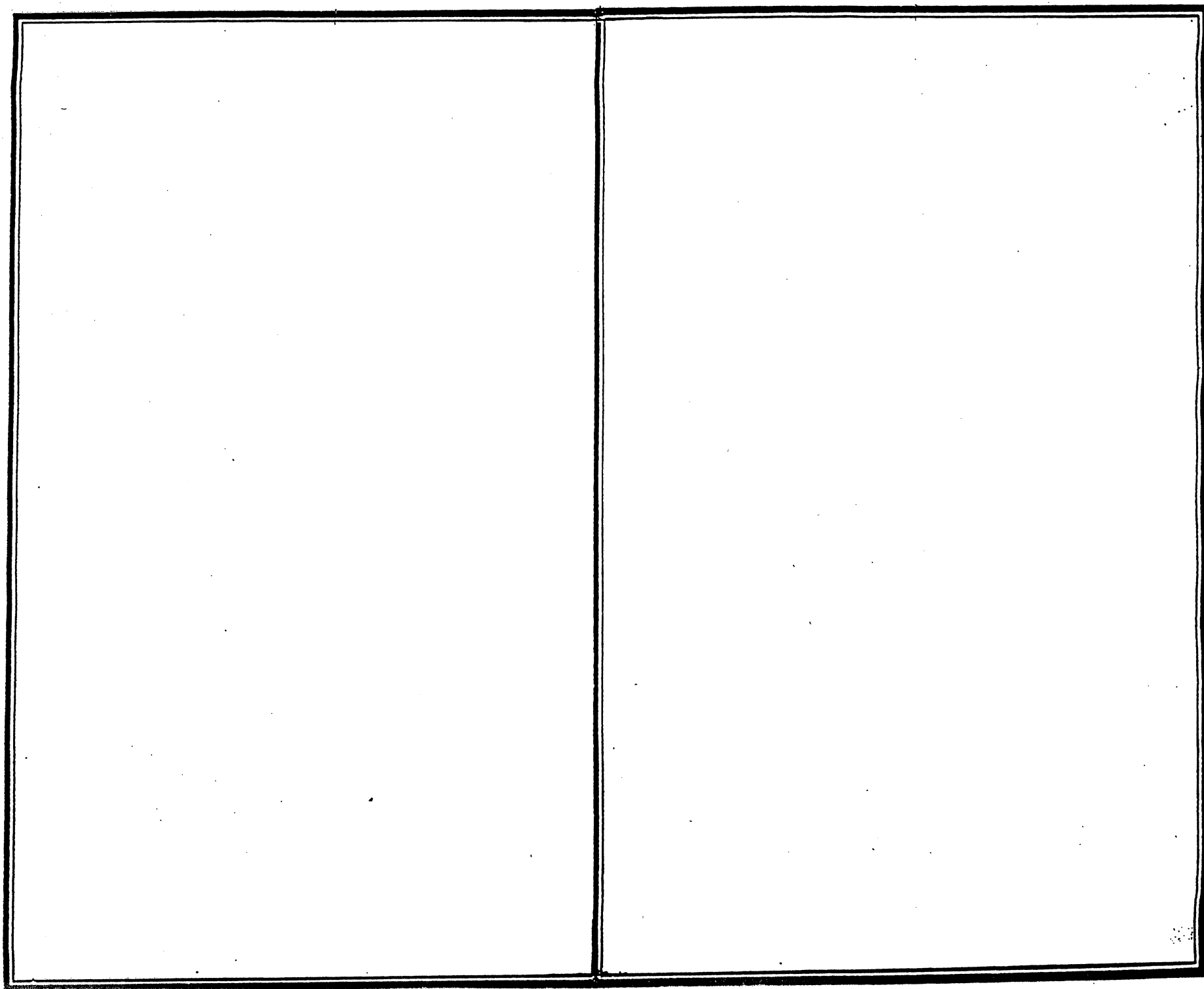
پھر آگے بخاری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اٹھو قربانی دو پھر سر منڈواؤ (یعنی احرام کھول دو) راوی کہتا ہے۔

فَوَاللّٰہِ مَا قَامَ مِنْھُمْ رَجُلٌ حَتّٰی قَالَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ کہ خدا کی قسم کوئی صحابہ سے اٹھا یہاں تک کہ آپؐ نے تین دفعہ یہ حکم دیا۔

جب کوئی بھی نہ اٹھا تو آپ حضرت اُمّ سلمہؓ (اپنی زوجہ) کے پاس گئے اور لوگوں کے اس معاملہ کا ذکر کیا۔ امّ سلمہؓ نے کہا۔ اے نبی اللہ کیا آپ ایسا چاہتے ہیں؟ آپؐ ان میں سے کسی سے ایک کلمہ بھی نہ کہیئے۔ اپنی قربانی دیجیئے پھر مونڈنے والے کو بلایئے کہ وہ آپؐ کا سر مونڈ دے آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ باہر نکلے کسی سے کلام نہ کی اپنی قربانی دی اور سر منڈایا جب صحابہ نے یہ دیکھا تو وہ بھی اٹھے اور انہوں نے قربانیاں دیں اور بعض بعض کا سر مونڈنے لگے حَتّٰی کَادَ بَعْضُھُمْ یَقْتُلُ بَعْضًا غَمًّا کہ قریب تھا کہ غم کے مارے (یعنی بے خیالی میں) ایک دوسرے کو قتل کر دیں (کیونکہ ان کے دل ان شرائط کی وجہ سے مغموم تھے۔

بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رؤیا[1] کے بعد عمرہ کے لیے چلے جانا محض

---

[1] یہ رؤیا طواف کعبہ کے متعلق تھی اس کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگلے سال

بقیہ اگلے صفحہ پر۔

اپنے اجتہاد کی بناء پر تھا آپؐ نے تعبیر یہی خیال کی تھی کہ عمرہ امن سے ہو جائیگا۔ گو اس سال تو عمرہ نہ ہو سکا مگر یہ اجتہادی سفر بھی ایک لطیف حکمت کا حامل ثابت ہوا گو اس سال طواف و زیارت کعبہ تو نہ ہو سکی مگر مشرکوں سے صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں بالآخر مشرکین کے خود معاہدہ کی شرائط توڑ دینے پر یہ معاہدہ فتح مکّہ پر منتج ہوا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّؤْیَا بِالْحَقِّ۔ سورۃ فتح: ۲۷

کہ خدا تعالیٰ نے رسول کو جو رؤیا دکھائی تھی اسے سچا کر دکھایا ہے کہ تم ضرور مسجد حرام میں امن سے داخل ہو گے اپنے سر منڈاتے ہوئے یا بال کترتے ہوئے اور کسی سے نہ ڈرتے ہوئے فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا۔ اللہ تو اس سے وہ کچھ جانتا تھا (یعنی وقت میں تاخیر کی مصلحت) جو تمہارے علم میں نہ تھا تو خدا تعالیٰ نے قریب

(تشریح بقیہ صفحہ سابقہ) اس کے پورا ہونے کی شرط سے اطلاع نہیں دی گئی تھی ہاں اللہ تعالیٰ کے مدنظر یہی تھا کہ صلح واقعہ ہو جانے کے بعد اگلے سال یہ رؤیا پوری ہو گی اس شرط پر اطلاع نہ دیا جانے کی وجہ سے ہی لوگوں کو ابتلا پیش آیا اس سے ظاہر ہے بعض اوقات وعدہ عنداللہ مشروط ہوتا ہے مگر ملہم کو خاص مصلحت کے ماتحت شرط سے آگاہ نہیں کیا جاتا۔

ہی کے زمانہ میں فتح دیدی۔ پس نبی کی اجتہادی خطا میں بھی بعض اوقات خدا تعالیٰ کی کوئی لطیف حکمت ہوتی ہے گو اس اجتہادی خطا کے نتیجہ سے مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو بھی سخت دھکا لگا تھا مگر آخر خدا کی حکمت ظاہر ہوئی اور اس کے رسولؐ کی بات بھی پوری ہوئی اور اس صلح کے نتیجہ میں جو مسلمانوں کا دل توڑ رہی تھی خدا تعالیٰ نے مکّہ فتح کرادیا چونکہ یہ وعدہ کی پیشگوئی تھی اس لیے ٹل نہیں سکتی تھی۔

صلح حُدیبیہ کے متعلق مفسّرین کے اقوال

۱۔ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ تفسیر جلالین تفسیر سورۃ الفتح ص۴۲۲ میں سورۃ فتح کے شانِ نزول میں لکھتے ہیں :۔

رأی رسُولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم فی النَّوم عَامَ الحدیبیۃِ قبلَ خُرُوْجِہٖ انّہٗ یدخلُ مَکّۃَ ھُوَ وَاَصْحَابُہٗ آمِنِیْنَ یُحَلِّقُوْنَ وَ یُقَصِّرُوْنَ فَاَخبَرَ بِذٰلِکَ الصَّحَابَۃَ فَفَرِحُوا فَلَمَّا خَرَجُوا مَعَہٗ وَصَدَّھُمُ الکُفَّارُ بِالحُدَیْبِیَۃِ

رَجَعُوْا وَشَقَّ عَلَیْھِمْ بِذٰلِکَ وَرَابَ بَعضَ المُنَافِقِیْنَ فَنَزَلَتْ۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ والے سال (سفر پر) باہر نکلنے سے پہلے خواب میں دیکھا کہ آپؐ معہ صحابہ مکّہ میں امن سے داخل ہوئے ہیں سر منڈاتے یا ترشاتے ہوئے تو آپؐ نے اس امر کی صحابہ کو خبر دی جس پر وہ خوش ہوئے پس جب وہ آپؐ کے ساتھ نکلے اور کفار نے انہیں حدیبیہ پر روک دیا تو وہ ایسی حالت میں واپس ہوئے کہ یہ امر اُن پر شاق تھا اور بعض منافقوں نے تنگ کیا تو سورۃ فتح نازل ہوئی"۔

۲۔ امام ابن قیّم آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :۔

اَخْبَرَ سُبْحَانَہٗ اَنَّہٗ صَدَقَ رَسُوْلَہٗ رُؤیَاہُ فِی دُخُوْلِھِم المسجدَ آمِنِیْنَ وَاَنَّہٗ سَیَکُوْنُ وَلَا بُدَّ وَلٰکِنْ لَمْ یَکُنْ قَدْ آنَ وَقْتُ ذٰلِکَ فِی العَامِ وَاللّٰہُ سبحانَہٗ عَلِمَ مِنْ مَصْلَحَۃِ تاخیرِہٖ الیٰ وَقْتِہٖ مَا لَمْ تَعْلَمُوا

أَنْتُمْ فَأَنْتُمْ أَحْبَبْتُمْ اسْتِعْجَالُ ذٰلِكَ وَالرَّبّ تَعَالٰى يَعْلَمُ مَصْلَحَةَ التَّأْخِيْرِ۔

"اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچی خواب دکھائی جو اُن کے مسجد حرام میں امن سے داخل ہونے کے متعلق تھی کہ ایسا عنقریب ہوگا۔ یہ ضرور واقع ہوگا لیکن اس سال ابھی اس کا وقت نہ آیا تھا اور اللہ سبحانہ اس کے وقت کی تاخیر کی مصلحت جانتا تھا جو تم لوگوں نے نہ جانی پس تم نے تو اس بات کا جلدی وقوع میں آنا چاہا اور خدا تعالیٰ اس میں تاخیر کی مصلحت جانتا ہے۔"

(زاد المعاد جلد اوّل صـ۴۴۲)

۳۔ تفسیر روح البیان جلد ۴ صـ۵۰ میں لکھا ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى فِي الْمَنَامِ أَنَّهُ دَخَلَ مَكَّةَ وَاَصْحَابُهُ آمِنِيْنَ.. .....وَأَخْبَرَ بِذٰلِكَ الصَّحَابَةَ فَفَرِحُوْا ثُمَّ أَخْبَرَ أَصْحَابَهُ أَنَّهُ يُرِيْدُ الْخُرُوْجَ لِلْعُمْرَةِ.. .....كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ لَا يَشُكُّوْنَ فِي دُخُوْلِهِمْ

مَكَّةَ وَطَوَافِهِمْ بِالْبَيْتِ ذٰلِكَ الْعَامِ لِلرُّؤْيَا الَّتِي رَآهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَوْا الصُّلْحَ دَخَلَهُمْ مِنْ ذٰلِكَ أَمْرٌ عَظِيْمٌ۔

"کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ اور صحابہ مکہ میں امن سے داخل ہو رہے ہیں ...... آپؐ نے اس کی خبر صحابہ کو دی وہ خوش ہوئے پھر آپؐ نے بتایا کہ آپ عمرہ کے لیے جانا چاہتے ہیں مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رؤیا کی وجہ سے اسی سال مکہ میں داخل ہونے اور بیت اللہ کا طواف کرنے کے بارہ میں کوئی شک نہ تھا۔ جب انہوں نے صلح (کا وقوع) دیکھا تو اس سے انہیں سخت صدمہ ہوا۔"

پس اس اجتہادی غلطی سے گو مسلمانوں کو بہت سخت صدمہ ہو لیکن اجتہادی غلطی کوئی قابلِ اعتراض امر نہیں۔

اجتہادی خطا کا ایک اور واقعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

رَأَیْتُ فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اُھَاجِرُ مِنْ مَکَّۃَ اِلٰی اَرْضٍ ذَاتِ نَخْلٍ فَذَھَبَ وَھلِیْ اَنَّھَا الْیَمَامَۃُ اَوِ الْھَجَرُ فَاِذَا ھِیَ مَدِیْنَۃُ یَثْرِبُ۔ (بخاری کتاب الرؤیا)

"کہ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں مکّہ سے ایک کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں تو میرا خیال (اجتہاداً) اس طرف گیا کہ یہ سر زمین یمامہ یا ہجر ہو گی، لیکن اچانک وہ زمین مدنیہ یثرب نکلی"

پس اجتہادی غلطی اگر نبی سے سرزد ہو تو یہ نبوّت میں حارج نہیں اور اس پر اعتراض کرنا دیانتداری نہیں۔

تقدیرِ مبرم کی اقسام

وہ تقدیر مبرم جس کے دُعا و صدقہ سے ٹل جانے کا ذکر احادیث نبویّہ کی رُو سے قبل ازیں پیش کیا جا چکا ہے ایسی تقدیر مبرم ہوتی ہے جو دراصل خدا کے نزدیک تو

مبرم نہیں ہوتی بلکہ معلق ہی ہوتی ہے لیکن ملہم پر اس کا معلق ہونا ظاہر نہیں کیا جاتا اور وہ اجتہاداً اس کے قطعی مبرم ہونے کا حکم ہی لگا دیتا ہے اور پھر خبر کے پورا نہ ہونے پر پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ دراصل معلق تھی۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ مکتوبات جلد اول مکتوب ۲۱۷ میں لکھتے ہیں :۔

"باید دانست کہ اگر پرسند کہ سبب چیست کہ در بعضے از کشوف کونی کہ از اولیاء اللہ صادر مے گردد غلط واقع مے شود و خلاف آں ظہور مے آید۔ مثلاً خبر کردند کہ فلاں بعد از یکماہ خواہد مرد یا از سفر بوطن مراجعت خواہد نمود اتفاقاً بعد از یکماہ ازیں چیز ہیچ کدام بوقوع نیامد۔ در جواب گوئیم کہ حصول آں مکشوف و مخبر عنہ مشروط بشرائط بودہ است کہ صاحب کشف در آں وقت بہ تفصیل اطلاع نیافتہ و حکم کردہ بحصول آں شئ مطلقاً یا آنکہ گوئیم کہ از احکام لوح محفوظ بر عارفے ظاہر گشتہ کہ آں حکم فی نفسہٖ قابل محو و اثبات است و از قضائے معلق است تا آں عارف را از تعلیق و قابلیت محو وے خبرے نہ درین صورت اگر بمقتضائے علم خود حکم کند ناچار احتمال تخلف خواہد شد"

"کہ جاننا چاہیئے اگر یہ سوال کریں کہ اِس بات کا کیا سبب ہے کہ بعض آئندہ ہونے والے واقعات کی خبر دینے سے متعلق بعض کشوف جو خدا کے پیاروں سے صادر ہوتے ہیں غلط واقع ہو جاتے ہیں اور اُن کے خلاف ظہور میں آتا ہے مثلاً خبر دیتے ہیں کہ فلاں شخص ایک ماہ میں مر جائیگا یا سفر سے وطن واپس آجائیگا۔ اتفاقاً ایک ماہ کے بعد دونوں میں سے کوئی بات وقوع میں نہیں آتی۔

اِس سوال کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ کشف اور اس کی خبر مشروط بشرائط ہوتی ہے جن پر اس وقت صاحبِ کشف کو ان شرائط کی تفصیل سے اطلاع نہیں ملتی وہ اس کے مطلق پورے ہونے کا حکم لگا دیتا ہے یا یہ کہ لوحِ محفوظ کے احکام کلی طور پر اس عارف پر ظاہر نہیں ہوتے کہ وہ حکم فی نفسہٖ محو و اثبات کے قابل ہے اور قضائے معلق میں سے ہے، لیکن اس عارف کو اس کی تعلیق اور محو کی قابلیت کی خبر نہیں ہوتی اس صورت میں اپنے علم کے تقاضا کے مطابق وہ حکم لگا دیتا ہے۔ ناچار یعنی خبر کے پورا ہونے کا احتمال

ہوگا" (مکتوبات جلد اوّل صہ ۲۲۳ مکتوب ۲۱۷)

اسی مکتوب میں اگلے صفحہ پر قضائے معلق کی دو قسمیں یوں بیان کرتے ہیں کہ:

"قضائے معلق بر دو گونہ است قضائے است کہ تعلیقِ او را در لوحِ محفوظ ظاہر ساختہ اند و ملائکہ را برآں اطلاع دادہ و قضائے کہ تعلیقِ او نزدِ خدا است جلّ شانہٗ و بس در لوحِ محفوظ صورت قضائے مبرم دارد و ایں قسم اخیر از قضائے معلق نیز احتمال تبدیل دارد در رنگ قسم اوّل۔ (مکتوبات جلد اوّل صہ ۲۲۴)

"کہ قضائے معلّق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قضائے معلق وہ ہے جس کا معلق ہونا لوحِ محفوظ میں ظاہر کر دیا گیا ہوتا ہے اور فرشتوں کو اس (تعلیق) پر اطلاع دیدی جاتی ہے اور ایک قضائے معلّق وہ ہے جس کا معلق ہونا صرف خدا تعالیٰ جلّ شانہٗ ہی جانتا ہے اور لوحِ محفوظ میں وہ قضائے مبرم کی صورت میں ہوتی ہے یہ آخری قسم قضائے معلق کی بھی (جو صورۃً مبرم ہوتی ہے) پہلی قسم کی قضا کی طرح تبدیلی کا احتمال رکھتی ہے۔"

ایک واقعہ

اس جگہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا ایک واقعہ اور حضرت جبریل علیہ السلام کی پیشگوئی بھی درج کرتے ہیں جس میں ایک شخص کی موت کی خبر دی گئی تھی مگر وہ صدقہ دینے کی وجہ سے بچ گیا۔

(مکتوبات جلد اوّل صـ۲۳۲)

ایک اور واقعہ

تفسیر روح البیان مطبوعہ مصر جلد ۱ صـ۲۵۷ میں آتا ہے:۔

"اِنَّ قَصَّارًا اُمِرَّ عَلٰی عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ مَعَ جَمَاعَۃٍ مِنَ الْحَوَارِیِّیْنَ فَقَالَ لَہُمْ عِیْسٰی اُحْضُرُوْا جَنَازَۃَ ھٰذَا الرَّجُلِ وَقْتَ الظُّہْرِ فَلَمْ یَمُتْ فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ وَقَالَ اَلَمْ تُخْبِرْنِیْ بِمَوْتِ ھٰذَا الْقَصَّارِ فَقَالَ نَعَمْ وَلٰکِنْ تَصَدَّقَ بَعْدَ ذٰلِکَ بِثَلَاثَۃِ اَرْغِفَۃٍ فَنَجَا مِنَ الْمَوْتِ"

"کہ ایک دھوبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے جب کہ ایک حواریوں کی جماعت اُن کے ساتھ تھی گزرا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے کہا کہ اس آدمی کے جنازہ پر ظہر کے وقت حاضر ہو جانا وہ نہ مرا تو جبریل نازل ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے کہا کیا تو نے مجھے اس دھوبی کی موت کی خبر نہ دی تھی؟ جبریل نے کہا ہاں لیکن اس نے تین روٹیاں صدقہ میں دیدیں تو موت سے نجات پا گیا۔"

پس صدقہ اور دعا سے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے مبرم تقدیر بھی ٹل جاتی ہے یہ وہی مبرم تقدیر ہوتی ہے جو دراصل تو معلق ہوتی ہے لیکن ملہم اسے مبرم سمجھتا ہے کیونکہ اسے اس کے معلق ہونے کے متعلق خدا تعالیٰ کی طرف سے وضاحت نہیں ہوتی۔

تعبیر کا دوسرے رنگ میں ظہور

ایک اصل پیشگوئیوں کا یہ بھی ہے کہ کبھی ایک بات دکھائی جاتی ہے مگر وہ پوری کسی اور رنگ میں ہوتی ہے چنانچہ تاریخ الخمیس جلد ۲ صـ۱۲۱ پر لکھا ہے:۔

قَالَ اسْمٰعِیْلِیْ قَالَ اَھْلُ التَّعْبِیْرِ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ

صلّی اللہ علیہ وسلّم رأی فی المنام اسید بن ابی
العیص والیًا علیٰ مکّۃ مسلمًا فمات علی الکفر
وکانت الرؤیا لولدہ عتاب اسلم۔

"کہ اسماعیلی نے کہا ہے کہ اہلِ تعبیر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے خواب میں اسید بن ابی العیص کو مسلمان ہونے کی حالت
میں مکّہ کا والی دیکھا وہ تو کفر پر مرگیا اور رؤیا اس کے بیٹے عتاب
کے حق میں پوری ہوئی جو مسلمان ہوگیا"۔

پھر بخاری کتاب الرویا جلد ۴ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
بینما انا نائم البارحۃ اذا تیت بمفاتیح
خزائن الارض حتّی وضعت فی یدی قال
ابو ھریرۃ فذھب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم وانتم تنتقلونھا۔

"کہ میں سو رہا تھا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں یہاں
تک کہ وہ میرے ہاتھوں میں رکھدی گئیں ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول
کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو تشریف لے گئے اب تم (اے صحابہ) ان
خزانوں کو لا رہے ہو"۔

پیشگوئی متعلق محمدی بیگم صاحبہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس پیشگوئی کے ذریعہ جس کی ہم وضاحت
کریں گے خدا تعالیٰ آپ کے ان رشتہ داروں کو جو دہریہ اور دین اسلام سے تمسخر کرنیوالے
تھے ایک نشان دکھانا چاہتا تھا۔ تا جو لوگ ان میں سے اس نشان کو رد کر دیں وہ سزا
پائیں اور دوسرے اس سے تنبیہ حاصل کریں یہی اس پیشگوئی کی اصل غرض تھی اور یہی
حکمتِ الٰہی اور مصلحت اس میں مضمر تھی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود تحریر
فرماتے ہیں:۔

"ہمیں اس رشتہ (محمدی بیگم صاحبہ کے رشتہ۔ ناقل) کی درخواست کی کچھ
ضرورت نہ تھی سب ضرورتوں کو خدا نے پورا کر دیا تھا اولاد بھی عطا
کی اور ان میں سے وہ لڑکا بھی جو دین کا چراغ ہوگا بلکہ ایک اور لڑکا
قریب مدت میں ہونے کا وعدہ دیا جس کا نام محمود احمد ہوگا وہ اپنے
کاموں میں اولوالعزم نکلے گا پس یہ رشتہ جس کی درخواست محض
بطور نشان ہے تا خدا تعالیٰ اس کنبہ کے منکرین کو عجوبہ قدرت

دکھائے اگر وہ قبول کریں تو برکت اور رحمت کے نشان اُن پر نازل کرے اور اُن بلاؤں کو دفع کرے جو نزدیک ہیں لیکن اگر وہ رد کر دیں تو اُن پر قہری نشان نازل کر کے اُن کو متنبہ کرے۔"

(اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء)

ان رشتہ داروں کی حالت حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب "آئینہ کمالاتِ اسلام" میں یوں بیان کرتے ہیں کہ:

"خدا تعالیٰ نے میرے چچیرے بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں (احمد بیگ وغیرہ) کو [illegible] خیالات اور اعمال میں مبتلا اور رسومِ قبیحہ اور عقائدِ باطلہ اور بدعات میں مستغرق پایا اور اُن کو دیکھا کہ وہ اپنے نفسانی جذبات کے تابع ہیں اور خدا تعالیٰ کے وجود سے منکر اور فسادی ہیں۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام ص ۵۶۶)

پھر فرماتے ہیں:

"ایک رات ایسا اتفاق ہوا کہ ایک شخص میرے پاس روتا ہوا آیا۔ میں اس کے رونے کو دیکھ کر خائف ہوا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کسی کے مرنے کی اطلاع ملی ہے؟ اُس نے کہا نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ

سخت بات ہے۔ میں اُن لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو دینِ خداوندی سے مرتد ہو چکے ہیں۔ پس اُن میں سے ایک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت گندی گالی دی۔ ایسی گالی کہ میں نے اس سے پہلے کسی کافر کے منہ سے بھی نہیں سُنی تھی اور میں نے انہیں دیکھا کہ وہ قرآن مجید کو اپنے پاؤں کے نیچے روندتے اور ایسے کلمات بولتے ہیں جن کے نقل کرنے سے زبان کانپتی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی خدا نہیں۔ خدا کا وجود محض ایک مفتریوں کا جھوٹ ہے۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ کیا میں نے تمہیں اُن کے پاس بیٹھنے سے منع نہیں کیا تھا۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام ص ۵۶۶)

رشتہ داروں کا نشان طلب کرنا

پھر حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں:

"ان لوگوں نے خط لکھا جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کو گالیاں دیں اور وجودِ باری عزّ اسمہٗ کا انکار کیا اور اس کے ساتھ ہی مجھ سے میری سچائی اور وجودِ باری تعالیٰ کے نشانات طلب کئے اور اس خط کو انہوں نے دنیا میں شائع کر دیا اور ہندوستان

کے غیر مسلموں کی بہت مدد کی اور انتہائی سرکشی دکھائی"۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۶۸)

نوٹ:- (یہ خط عیسائی اخبار چشمہ نور اگست ۱۸۸۵ء میں شائع ہوا تھا۔)

نشان طلب کرنے پر حضرت اقدس کی دعا

نشان کے طلب کرنے پر حضرت مسیح موعودؑ نے دعا کی جو آپ نے اپنی کتاب "آئینہ کمالاتِ اسلام" کے صفحہ ۵۹۹ پر بدیں الفاظ درج فرمائی ہے:-

قُلْتُ یَا رَبِّ انْصُرْ عَبْدَکَ وَاخْذُلْ اَعْدَائَکَ - الخ

ترجمہ:- میں نے کہا اے میرے خدا! اپنے بندے کی مدد کر اور اپنے دشمنوں کو ذلیل کر۔

خدا تعالےٰ کا جواب

اس دعا کے جواب میں خدا تعالیٰ نے الہام فرمایا کہ:-

"میں نے اُن کی بدکرداری اور سرکشی دیکھی ہے پس میں عنقریب اُن کو مختلف قسم کی آفات سے ماروں گا اور آسمان کے نیچے انہیں ہلاک کرونگا اور عنقریب تو دیکھیگا کہ میں اُن سے کیا سلوک کرتا

ہوں اور ہم ہر چیز پر قادر ہیں میں اُن کی عورتوں کو بیوائیں اُن کے بچوں کو یتیم اور گھروں کو ویران کر دونگا تاکہ وہ اپنے کئے کی سزا پائیں لیکن میں انہیں یک دم ہلاک نہیں کرونگا بلکہ آہستہ آہستہ تاکہ وہ رجوع کریں اور توبہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور میری لعنت اُن پر اور اُن کے گھر کی چار دیواری پر ان کے بڑوں پر اور اُن کے چھوٹوں پر اُن کی عورتوں اور ان کے مردوں پر اور ان کے مہمانوں پر جو اُن کے گھروں میں اتریں گے نازل ہونے والی ہے اور وہ سب کے سب ملعون ہونے والے ہیں سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائیں اور اُن سے قطع تعلق کریں اور ان کی مجلسوں سے دُور ہوں وہ رحمتِ الٰہی کے تحت ہوں گے۔"

(ترجمہ عربی عبارت آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۶۹)

خاص پیشگوئی کے بارہ میں الہامات

یہ الہام جو اوپر مذکور ہوا محمدی بیگم صاحبہ کے سلسلہ میں ایک ایسا الہام تھا جو رشتہ داروں کے متعلق عمومی رنگ رکھتا تھا حضرت اقدسؑ تحریر فرماتے ہیں:-

"انہی ایام میں مرزا احمد بیگ والد محمدی بیگم صاحبہ نے ارادہ کیا
کہ اپنی ہمشیرہ کی زمین کو جس کا خاوند کئی سال سے مفقود الخبر تھا
اپنے بیٹے کے نام ہبہ کرائے لیکن بغیر ہماری مرضی کے وہ ایسا
نہیں کر سکتا تھا اس لیے کہ وہ ہمارے چچا زاد بھائی کی بیوہ تھی۔
اس لیے احمد بیگ نے ہماری جانب بعجز و انکسار رجوع کیا اور
قریب تھا کہ ہم اس ہبہ نامہ پر دستخط کر دیتے لیکن حسب عادت
استخارہ کیا تو اس پر وحی الٰہی ہوئی جس کا ترجمہ یوں ہے "اس
شخص کی بڑی لڑکی کے رشتہ کے لیے تحریک کر اور اس سے کہہ!
کہ وہ تجھ سے پہلے دامادی کا تعلق قائم کرے اور اس کے بعد
تمہارے نور سے روشنی حاصل کرے نیز اس سے کہو کہ مجھے حکم دیا
گیا ہے کہ زمین جو تو نے مانگی ہے دیدونگا اور اس کے علاوہ
کچھ اور زمین بھی، نیز تم پر کئی اور رنگ میں احسان کرونگا
بشرطیکہ تم اپنی لڑکی کا مجھ سے رشتہ کر دو اور یہ تمہارے اور
میرے درمیان عہد و پیمان ہے جسے تم اگر قبول کرو گے تو
مجھے بہترین طور پر قبول کرنے والا پاؤ گے اور اگر تم نے قبول

نہ کیا تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ اس لڑکی کا کسی
اور شخص سے نکاح نہ اس لڑکی کے حق میں مبارک ہوگا اور نہ تمہارے
حق میں اور اگر تم اس ارادہ سے باز نہ آئے تو تم پر مصائب نازل
ہوں گے اور آخری مصیبت تمہاری موت ہوگی اور تم نکاح کے
بعد تین سال کے اندر مر جاؤ گے بلکہ تمہاری موت قریب ہے
جو تم پر غفلت کی حالت میں وارد ہوگی اور ایسا ہی اس
لڑکی کا شوہر بھی اڑھائی سال کے اندر مر جائے گا اور یہ قضائے
الٰہی ہے" پس تم جو کچھ کرنا چاہو کرو میں نے تمہیں نصیحت
کر دی ہے" (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۷۲-۷۳)

خدا تعالیٰ کے حضور توجہ کرنے پر اس بارہ میں آپکو یہ الہام بھی ہوا کہ

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ
فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَيَرُدُّهَا إِلَيْكَ
لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ (از اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء)

ترجمہ - ان لوگوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا ہے اور ان کے ساتھ
ٹھٹھا کرتے رہے ہیں پس اللہ تعالیٰ انکے مقابلہ میں تیرے لیے

کافی ہوگا (یعنی انہیں عذاب دیگا) اور اس عورت کو تیری طرف لوٹائے گا خدا کے کلمات بدل نہیں سکتے۔"

پندرہ جولائی کے اشتہار میں ایک اور الہام بھی تحریر فرماتے ہیں جو محمدی بیگم صاحبہ کی واپسی کو مشروط کر رہا ہے اس الہام کے متعلق آپ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے کشف میں محمدی بیگم صاحبہ کی نانی کو دیکھا کہ اس کے چہرہ پر رونے کی علامات ہیں تو آپ نے اسے کہا:

اَیَّتُھَا الْمَرْءَۃُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِکَ
وَالْمُصِیْبَۃُ نَازِلَۃٌ عَلَیْکِ یَمُوْتُ وَیَبْقٰی مِنْہُ
کِلَابٌ مُتَعَدِّدَۃٌ (تتمہ اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء)

ترجمہ: اے عورت توبہ کر، توبہ کر کیونکہ بلاء تیری اولاد اور اولاد در اولاد پر پڑنے والی ہے اور تجھ پر مصیبت نازل ہونے والی ہے ایک شخص مریگا اور اس سے بہت سے ایسے معترض باقی رہ جائیں گے جو زبان درازی سے کام لیں گے۔"

یہ الہام بتاتا ہے کہ محمدی بیگم صاحبہ کی نانی کی لڑکی اور لڑکی کی لڑکی یعنی محمدی بیگم صاحبہ پر بلاء نازل ہونے والی تھی جس سے محمدی بیگم صاحبہ کی نانی مصیبت

میں مبتلا ہونے والی تھی اور یہ بلاء اور مصیبت توبہ سے ٹل سکتی تھی یہ الہام ایک شخص کا مرنا اور ایسے معترضین کا پیدا ہونا بھی بتاتا ہے جو ناواجب طریق سے اعتراض کے لیے زبان کھولنے والے تھے۔

پس اس امر کو بنیادی طور پر یاد رکھنا چاہیئے کہ الہام یَرُدُّھَا اِلَیْکَ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ توبہ نہ کرنے کی شرط سے مشروط ہے اور توبہ کے وقوع میں آنے پر پیشگوئی کا یہ حصہ جو محمدی بیگم صاحبہ کی واپسی سے تعلق رکھتا ہے ٹل سکتا تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب محمدی بیگم کے باپ نے اُن کا نکاح دوسری جگہ کر دیا تو پیشگوئی کے مطابق محمدی بیگم صاحبہ کا والد مرزا احمد بیگ نکاح کرنے کے بعد چھ ماہ کے عرصہ میں پیشگوئی کی میعاد کے اندر ہلاک ہوگیا اور اس کی ہلاکت کا کنبہ پر شدید اثر پڑا اور محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند نے بھی توبہ اور رجوع الی اللہ سے کام لیا اور اس وجہ سے محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کی موت توبہ اور رجوع الی اللہ کی وجہ سے ٹل گئی چونکہ محمدی بیگم صاحبہ کی حضرت اقدس کی طرف واپسی کی پیشگوئی عدم توبہ کی شرط سے مشروط تھی اور اس کے خاوند کے مرنے اور محمدی بیگم صاحبہ کے بیوہ ہونے کے بعد ہی یہ واپسی ممکن تھی اس لیے نکاح کی پیشگوئی غیر مشروط نہ تھی چونکہ خاوند نے شرط توبہ سے فائدہ اٹھایا اور اس طرح وہ پیشگوئی کی میعاد کے

اندر مرنے سے بچ گیا اس لیے نکاح جو اس کی موت سے معلّق تھا ضروری الوقوع نہ رہا۔

یہ ہے خلاصہ اس پیشگوئی کا جس پر معترضین اعتراض کرتے ہیں کہ محمدی بیگم کے نکاح کی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی حالانکہ یہ پیشگوئی سلطان محمد صاحب خاوند محمدی بیگم صاحبہ کے توبہ کر لینے پر ان کی موت واقع نہ ہونے کی وجہ سے ٹل چکی تھی۔

لہٰذا کسی معترض کو یہ اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں کہ محمدی بیگم صاحبہ بیوہ ہو کر کیوں حضرت اقدس کے نکاح میں نہیں آئیں؟ معترضین زیادہ سے زیادہ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ سلطان محمد کی موت کیوں واقع نہیں ہوئی؟ اور ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ وعید کی پیشگوئی چونکہ عدم توبہ کی شرط سے مشروط ہوتی ہے خواہ شرط نہ بھی بیان کی گئی ہو۔ اس لیے وہ توبہ اور رجوع پر ٹل جاتی ہے اور یہاں تو الہام نے صاف طور پر توبہ کی شرط بیان بھی کر دی تھی اس لیے محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کی توبہ اور رجوع الی اللہ سے نکاح کی پیشگوئی ٹل گئی ہے۔

پس خدا تعالیٰ کے الہامات پر کسی شخص کو یہ اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں

کہ نکاح کیوں وقوع میں نہ آیا۔

سلطان محمد کی توبہ کا قطعی ثبوت

جب بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ سلطان محمد کی موت پیشگوئی کے مطابق واقع نہیں ہوئی اس لیے پیشگوئی پوری نہیں ہوئی تو اس کے جواب میں حضرت اقدسؑ نے انجام آتھم کے حاشیہ صفحہ ۳۲ پر تحریر فرمایا کہ:۔

(الف) "فیصلہ تو آسان ہے احمد بیگ کے داماد سلطان محمد سے کہو کہ تکذیب کا اشتہار دے پھر اس کے بعد جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے اگر اس سے اسکی موت تجاوز کرے تو میں جھوٹا ہوں۔"

(ب) "اور ضرور ہے کہ یہ وعید کی موت اس سے تھمی رہے جب تک وہ گھڑی نہ آجائے کہ اس کو بیباک کر دے۔ سو اگر جلدی کرنا ہے تو اٹھو اس کو بے باک اور مکذب بناؤ اور اس سے اشتہار دلاؤ اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو۔"

(انجام آتھم صفحہ ۳۲)

ان دونوں حوالوں سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدسؑ کے اس چیلنج کے بعد اگر مرزا سلطان محمد خاوند محمدی بیگم صاحبہ کسی وقت شوخی اور بے باکی دکھاتے

یا مخالفین اُن سے تکذیب کا اشتہار دلانے میں کامیاب ہو جاتے تو پھر اس کے بعد مرزا سلطان محمد صاحب کی موت کے لیے جو معیاد مقرر کی جاتی وہ قطعی تقدیر مبرم ہوتی اور اس کے مطابق مرزا سلطان محمد صاحب کی موت ضرور وقوع میں آتی۔ اور اس کے بعد محمدی بیگم صاحبہ کا نکاح حضرت اقدس سے ضروری طور پر ہو جاتا۔

پس کوئی معترض یہ جرأت نہیں رکھتا کہ یہ کہہ سکے کہ اس پیشگوئی کے بارہ میں حضرت اقدس کا کوئی الہام جھوٹا نکلا۔

سلطان محمد صاحب کی توبہ کا ثبوت

اس بات کا ثبوت کہ سلطان محمد صاحب توبہ کر چکے تھے اور پیشگوئی کے مصدق تھے اور اس کی تصدیق پر حضرت مسیح موعود کی زندگی تک قائم رہے یہ ہے کہ حضرت اقدس کے انجام آتھم میں مذکورہ بالا چیلنج شائع کرنے پر آریوں اور عیسائیوں میں سے بعض لوگ مرزا سلطان محمد صاحب کے پاس پہنچے اور انہیں لاکھ لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کیا تا وہ حضرت اقدس پر نالش کر دیں لیکن جیسا کہ اُن کے انٹرویو سے ظاہر ہے چونکہ وہ توبہ کر چکے تھے اور پیشگوئی کی صداقت کے قائل تھے اس لیے وہ ان گراں بہا لالچ دیئے جانے پر بھی کسی قسم کی بے باکی اور شوخی کے لیے تیار نہ ہوئے۔

مرزا سلطان محمد صاحب کا انٹرویو

مکرم حافظ جمال احمد صاحب فاضل مبلغ سلسلہ احمدیہ نے دفعہ مرزا سلطان محمد صاحب خاوند محمدی بیگم صاحبہ کا انٹرویو لیا جو اخبار الفضل ۹/۱۲ جون ۱۹۲۱ء میں مرزا سلطان محمد کے زمانہ حیات میں ہی "مرزا سلطان محمد کا ایک انٹرویو" کے عنوان سے شائع ہوا ہے حافظ جمال احمد صاحب لکھتے ہیں:۔

"میں نے مرزا سلطان محمد سے کہا اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں حضرت مرزا صاحب کی نکاح والی پیشگوئی کے متعلق کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں جس کے جواب میں انہوں نے کہا آپ بخوشی بڑی آزادی سے دریافت کریں"

اس انٹرویو میں مرزا سلطان محمد صاحب نے کہا:۔

"میرے خسر مرزا احمد بیگ صاحب واقعہ میں پیشگوئی کے مطابق فوت ہوئے ہیں مگر خدا تعالیٰ غفور و رحیم بھی ہے اور اپنے دوسرے بندوں کی بھی سنتا اور رحم کرتا ہے۔"

اس آخری فقرہ میں مرزا سلطان محمد صاحب نے اپنی توبہ و استغفار کا اظہار کیا ہے اور پہلے فقرہ میں پیشگوئی کی تصدیق کی ہے اسکے باوجود مزید وضاحت

وضاحت

کے لیے حافظ جمال احمد صاحب نے اُن سے سوال کیا۔

"آپ کو مرزا صاحب کی پیشگوئی پر کوئی اعتراض ہے؟ یا یہ پیشگوئی آپ کے لیے کسی شک و شبہ کا باعث ہوئی؟"

اس کے جواب میں مرزا سلطان محمد صاحب نے کہا:

"یہ پیشگوئی میرے لیے کسی قسم کے بھی شک و شبہ کا باعث نہیں ہوئی۔"

اور یہ بھی کہا:

"میں قسمیہ کہتا ہوں کہ جو ایمان و اعتقاد مجھے حضرت مرزا صاحب پر ہے میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی جو بیعت کر چکے ہیں اتنا نہیں ہوگا۔"

اس پر حافظ جمال احمد صاحب نے سوال کیا کہ آپ بیعت کیوں نہیں کرتے؟ مرزا سلطان محمد نے جواباً کہا:

"اس کی وجوہات کچھ اور ہیں جن کا اس وقت بیان کرنا میں مصلحت کے خلاف سمجھتا ہوں۔"

اور اس سلسلہ میں یہ بھی کہا:

"میرے دل کی حالت کا آپ اس سے بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے وقت آریوں نے لیکھرام کی وجہ سے اور عیسائیوں نے

آتھم کی وجہ سے مجھے لاکھ لاکھ روپیہ دینا چاہا تا کہ میں مرزا صاحب پر نالش کروں۔ اگر وہ روپیہ میں لے لیتا تو امیر کبیر بن سکتا تھا مگر وہی ایمان و اعتقاد تھا جس نے مجھے اس فعل سے روکا۔"

صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحب کی شہادت

اس بارہ میں صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ کی شہادت یہ ہے:

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مرزا سلطان محمد صاحب ایک دفعہ قادیان آئے۔ ان کے ساتھ اُن کا ایک لڑکا بھی تھا۔ وہ شہر کی طرف سے ہائی سکول کی طرف جا رہے تھے تو مجھ سے اُن کے لڑکے نے تعارف کرایا۔ دورانِ گفتگو میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر بھی آ گیا۔ اس پر مرزا سلطان محمد صاحب نے کم و بیش یہی بیان جو ۹/۱۴ جون ۱۹۲۱ء کے الفضل میں انٹرویو کے طور پر شائع کروایا ہے اور انہوں نے دورانِ گفتگو میں اس بات کی بڑے زور سے تائید کی کہ انہیں کبھی بھی حضرت مرزا صاحب کی صداقت کے متعلق شبہ نہیں ہوا۔ اُن کے منہ پر داڑھی تھی اور ایک

ٹانگ سے لڑائی میں زخمی ہونے کی وجہ سے لنگڑاتے تھے۔"

(دستخط حضرت مرزا شریف احمد صاحب رضی)

(ماخوذ از پیشگوئی در بارہ مرزا احمد بیگ اور اس کے متعلقات کی وضاحت صفحہ ۵۸، ۵۹)

اسی طرح خود سلطان محمد صاحب محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند نے اپنے ایک خط میں حضرت اقدس کی تصدیق کی تھی جس کا عکس اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو خط کا مضمون حسب ذیل ہے۔

از انبالہ چھاؤنی ۲۱/۲۲

برادرم مسلم

نوازش نامہ آپ کا پہنچا یاد آوری کا مشکور ہوں۔ میں جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو نیک بزرگ۔ اسلام کا خدمت گزار شریف النفس خدا یاد پہلے بھی اور اب بھی خیال کر رہا ہوں۔ مجھے ان کے مریدوں سے کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ افسوس کرتا ہوں کہ چند ایک امورات کی وجہ سے ان کی زندگی میں ان کا شرف حاصل نہ کر سکا۔

نیازمند سلطان محمد از انبالہ

رسالہ نمبر ۹

عکس خط مرزا سلطان محمد صاحب آف بیٹی

انبالہ چھاؤنی

برادرم مسلم

السلام علیکم۔ نوازش نامہ آپکا پہنچا یاد آوری کا مشکور ہوں میں جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو نیک۔ بزرگ اسلام کا خدمتگزار شریف النفس خدا یاد پہلے بھی اور اب بھی خیال کرتا ہوں۔ مجھے انکے مریدوں سے کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے بلکہ افسوس کرتا ہوں کہ چند ایک امورات کی وجہ سے انکی زندگی میں ان کا شرف حاصل نہ کر سکا

نیازمند سلطان محمد از انبالہ

رسالہ نمبر ۹

اس خط سے ظاہر ہے کہ مرزا سلطان محمد صاحب حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو خادم اسلام سمجھتے رہے ہیں نہ کہ ۱۸۸۶ء میں پیشگوئی کئے جانے کے وقت حضرت اقدس کو صرف اسلام کا خدمت گذار ہونے کا دعویٰ تھا مسیح موعود کا دعویٰ آپ نے ۱۸۹۱ء کے آخر میں کیا ہے۔ پس اس وقت سلطان محمد صاحب کے عذاب سے بچنے کے لیے اتنی تصدیق کافی تھی جس کا ذکر اس خط میں موجود ہے۔

مرزا اسحاق بیگ صاحب پسر مرزا سلطان محمد صاحب کی شہادت

علاوہ ازیں مرزا اسحاق بیگ صاحب پسر مرزا سلطان محمد صاحب و محمدی بیگم صاحبہ خدا کے فضل سے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں وہ اپنے خط میں جو اخبار الفضل میں شائع ہوا لکھتے ہیں:-

"اس پیشگوئی کے مطابق میرے نانا جان مرزا احمد بیگ صاحب ہلاک ہوگئے اور باقی خاندان ڈر کر اصلاح کی طرف متوجہ ہوگیا جسکا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ اکثر نے احمدیت قبول کرلی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غفور و رحیم کے ماتحت قہر کو رحم میں بدل دیا۔"

(اخبار الفضل ۲ فروری ۱۹۲۳ء نمبر ۹)

مولوی ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا کی حلفیہ شہادت

مولوی ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا سے جب خاکسار قاضی محمد نذیر نے اس پیشگوئی کے متعلق ذکر کیا تو انہوں نے ذیل کی شہادت بیان کی اور پھر میری درخواست پر یہ شہادت حلفاً لکھکر دے دی شہادت کا مضمون یہ ہے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی عبدہ المسیح الموعود

حلفیہ شہادت

"پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے کافی عرصہ پہلے غالباً ۱۹۳۳-۳۴ء میں مجھ کو پٹی میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں جانے کا اتفاق ہوا وہاں مرزا سلطان محمد صاحب داماد مرزا احمد بیگ صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے دورانِ گفتگو میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے بیان کیا کہ ایک دفعہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری میرے پاس پٹی آئے میں نے آتے ہی ان کے لیے پانی وغیرہ پلانے کا انتظام کرنا شروع کیا۔

جس پر انہوں نے کہا کہ میں سب سے پہلے اپنا ایک مقصد آپ سے
پورا کرانا چاہتا ہوں اس کے بعد میں پانی وغیرہ پیونگا وہ یہ کہ آپ مرزا
غلام احمد صاحب کے خلاف ایک تحریر مجھ کو دیدیں اور وہ یہ کہ ان
کی پیشگوئی درباره محمدی بیگم غلط ثابت ہوئی ہے مرزا سلطان محمد صاحب
کہنے لگے کہ میں نے انکو کہا کہ آپ ابھی تو آئے ہیں۔ یہ مہمان نوازی کے
آداب میں ہے کہ آنے والے کو پہلے اچھی طرح بٹھا کر اور پانی وغیرہ پلا کر
پھر کسی اور طرف متوجہ ہوں مگر مولوی ثناء اللہ صاحب یہی رٹ
لگاتے رہے جس پر میں نے ایسی تحریر دینے سے صاف طور پر انکار
کر دیا اور وہ بے نیلِ مرام واپس چلے گئے۔
یہ واقعہ سُنا کر انہوں نے کہا کہ یہ حضرت مرزا صاحب کے متعلق
میری عقیدت ہی تھی جس کی وجہ سے میں نے ان کی ایک نہ مانی خیر
انہوں نے یہ بھی کہا کہ عیسائی اور آریہ قوم کے بڑے بڑے لیڈروں نے
بھی مجھ سے اس قسم کی تحریر لینے کی خواہش کی مگر میں نے کسی کی نہ
مانی اور صاف ایسی تحریر دینے سے انکو انکار کرتا رہا بلکہ جہانتک مجھ کو یاد
پڑتا ہے انہوں نے یہ بھی کہا کہ جو عقیدت مجھکو ان سے ہے وہ آپ

میں سے کئی احمدیوں کو بھی نہیں ہے۔"

گواہ شد:- سیّد عبدالحیٔ بقلم خود — خاکسار

گواہ شد:- محمود احمد مختار (شاہد) ظہور حسین سابق مبلغ روس

۲۰ $\frac{۴}{۵۹}$ — ۲۰ $\frac{۴}{۵۹}$ ربوہ

(ماخوذ از پیشگوئی درباره مرزا احمد بیگ اور اسکے متعلقات کی وضاحت ص۱۸۷ تا ص۱۸۹)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

"جب احمد بیگ فوت ہو گیا تو اس کی بیوہ عورت اور دیگر پسماندگان
کی کمر ٹوٹ گئی تو وہ دعا اور تضرّع کی طرف بدل متوجہ ہو گئے۔"

(تحفۃ اللہ ص۱۱ مطبوعہ ۱۸۹۷ء)

پیشگوئی کے مطابق مرزا احمد بیگ کی وفات ہو جانے پر اس خاندان کے بعض افراد نے
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خط بھی لکھے اور دُعا کی درخواست کی ان خطوط کا ذکر حضرت
مسیح موعود نے "اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ" و حقیقۃ الوحی ص۱۸۷ پر کیا ہے۔

پیشگوئی کے پانچ حصّے

اس پیشگوئی کے پانچ حصّے ہیں جن میں سے پہلے
تین حصّے لفظاً پورے ہو چکے ہیں اور پچھلے دو
حصّے مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ اور رجوع الی اللہ کی وجہ سے وعیدی پیشگوئیوں

کی سنت کے مطابق جن کا پورا ہونا عدم توبہ کی شرط سے مشروط ہوتا ہے ٹل گئے ہیں اسلئے پیشگوئیوں کے اصول اور ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی جو سنت ہے اس کے رُو سے نفس پیشگوئی پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔

پیشگوئی کے یہ پانچ حصّے جو حضرت اقدس کی کتاب "آئینہ کمالاتِ اسلام" و "شہادۃ القرآن" صفحہ ۸۱ سے ماخوذ ہیں درج ذیل ہیں:۔

حصّہ اوّل:۔ اگر مرزا احمد بیگ صاحب اپنی بڑی لڑکی کا نکاح حضرت اقدس سے نہیں کریں گے تو پھر وہ اس وقت تک زندہ رہیں گے کہ اپنی اس لڑکی کا نکاح کسی دوسری جگہ کریں۔

حصّہ دوم:۔ نکاح تک وہ لڑکی بھی زندہ رہے گی۔

حصّہ سوم:۔ دوسری جگہ نکاح کرنے کے بعد مرزا احمد بیگ صاحب تین سال کے اندر بلکہ بہت جلد ہلاک ہوجائیں گے۔

حصّہ چہارم:۔ دوسری جگہ نکاح کے بعد اس لڑکی کا خاوند اڑھائی سال کے عرصہ میں ہلاک ہوجائیگا (بشرطیکہ توبہ وقوع میں نہ آئے کیونکہ وعیدی پیشگوئی مشروط بعدم توبہ ہوتی ہے)۔

حصّہ پنجم:۔ خاوند کی ہلاکت کے بعد وہ لڑکی بیوہ ہوگی۔

اور پھر بیوہ ہونے کے بعد پھر حضرت اقدس کے نکاح میں آئے گی۔ گویا یہ آخری حصہ پیشگوئی کا اس لڑکی کے خاوند کی موت سے مشروط تھا۔

نشان اوّل:۔ پیشگوئی کا پہلا حصّہ بطور نشان اوّل پورا ہوگیا اگر محمدی بیگم صاحبہ کا باپ محمدی بیگم کا نکاح کرنے سے پہلے وفات پا جاتا۔ تو پیشگوئی کا حصّہ اول پورا نہ ہوتا مگر یہ صفائی سے پورا ہوا۔

نشان دوم:۔ پیشگوئی کے دوسرے حصّہ کے مطابق لڑکی نکاح تک زندہ رہ کر نشان بنی اگر یہ لڑکی نکاح سے پہلے مر جاتی تو پیشگوئی کا دوسرا حصّہ بھی پورا نہ ہوتا مگر یہ حصّہ بھی نہایت صفائی سے پورا ہوکر نشان بنا۔

نشان سوم:۔ دوسری جگہ نکاح کے بعد لڑکی کا باپ چھ ماہ کے عرصہ میں ہلاک ہوگیا اگر اسکی موت تین سال سے تجاوز کر جاتی تو یہ پیشگوئی کا حصّہ بھی پورا نہ ہوتا مگر یہ حصّہ بھی نہایت صفائی سے پورا ہوگیا اس طرح یہ تینوں حصّے پورے ہوکر عظیم الشان نشان بن گئے۔

پچھلے ۲ دو حصوں کے ظہور کا طریق

پچھلے ۲ دو حصّے اس طرح ظہور پذیر ہوئے کہ محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند پر اپنے خسر کی موت سے سخت ہیبت طاری ہوئی اور اُس نے توبہ اور استغفار کی طرف رجوع کیا اور

وعیدی پیشگوئی کی شرط توبہ کے مطابق توبہ سے فائدہ اٹھاکر موت سے بچ گیا اور پیشگوئی کا یہ حصہ شرط توبہ سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے ٹل گیا جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے توبہ کرنے پر وہ عذاب ٹل گیا تھا جس کے چالیس دن میں پورے ہونے کی پیشگوئی حضرت یونس علیہ السلام نے فرمائی تھی۔

چونکہ مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ اور رجوع سے ان کی موت کی پیشگوئی ٹل گئی اور حضرت اقدس سے نکاح محمدی بیگم صاحبہ کے بیوہ ہونے سے مشروط تھا اس لیے اب اسکا وقوع میں آنا ضروری نہ رہا اور پیشگوئی کے یہ آخری دو حصے شرط توبہ سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے دوسرا رنگ پکڑ گئے۔

اب نکاح کا وقوع صرف اس بات سے معلّق ہوکر رہ گیا کہ سلطان محمد صاحب از خود حضرت اقدس کی زندگی میں کسی وقت بیباکی اور شوخی دکھائیں اور پیشگوئی کی تکذیب کریں۔ اس تکذیب کا صرف امکان ہی تھا یہ ضروری الوقوع نہ تھی اور نکاح کے اس طرح معلّق ہونے کی حدّ حضرت اقدس کی زندگی تک تھی مگر محمدی بیگم کا خاوند اس کے بعد حضرت اقدس کی زندگی میں توبہ پر قائم رہا اور خاندان کے دوسرے افراد نے بھی اصلاح کرلی تو اس وعیدی پیشگوئی کی اصل غرض جو اس خاندان کی اصلاح تھی پوری ہوگئی کیونکہ اس خاندان کے افراد نے الحاد اور دہریت کے خیالات کو ترک کردیا اور اسلام

کی عظمت کے قائل ہوگئے اور اُن میں سے اکثر نے احمدیت قبول کرلی۔ وعیدی پیشگوئی کی اصل غرض چونکہ توبہ اور استغفار کی طرف رجوع دلانا اور خدا تعالیٰ کی عظمت کا سکہ دلوں پر بٹھانا ہوتی ہے اس لیے جب یہ شرط پوری ہوجائے تو پھر سنت اللہ کے مطابق عذاب بالکل ٹل جایا کرتا ہے بشرطیکہ متعلّقین پیشگوئی اپنی توبہ پر قائم رہیں اور اگر انہوں نے توبہ پر قائم نہ رہنا ہو تو پھر سنت اللہ یوں ہے کہ عذاب میں اس وقت تک تاخیر ہوجاتی ہے کہ وعیدی پیشگوئی کے متعلّقین پھر بیباکی دکھائیں اور اپنی توبہ توڑ دیں۔

یونس علیہ السلام کی پیشگوئی کا ٹلنا

تفاسیر میں قوم یونسؑ کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ۔

اِنَّ اَجَلَکُمْ اَرْبَعُوْنَ لَیْلَۃً تمہاری مدت چالیس راتیں ہیں لیکن قوم نے توبہ کرلی اور عذاب ٹل گیا۔ چنانچہ لکھا ہے:

فَتَضَرَّعُوْا اِلَی اللّٰہِ فَرَحِمَھُمْ وَکَشَفَ عَنْھُمْ

(تفسیر کبیر از امام رازی جلد ۵ ص۴۲ و تفسیر فتح البیان جلد ۸ ص۸۹)

یعنی وہ لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائے تو اس نے اُن پر رحم کیا اور اُن سے عذاب دُور کردیا۔

چونکہ یہ لوگ توبہ پر قائم رہے اس لیے عذاب بھی اُن سے ٹلا رہا اور خدا تعالیٰ نے اس قوم سے اپنی پہلی سُنت کے مطابق معاملہ کیا۔ لیکن آلِ فرعون جب عذاب آنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دُعا کی درخواست کرتی تھی اور ایمان لانے کا وعدہ کرتی تھی تو خدا تعالیٰ اُن سے عذاب ٹال دیتا تھا مگر چونکہ وہ اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہتی تھی اس لیے پھر عذاب میں پکڑی جاتی تھی بالآخر آلِ فرعون مع فرعون توبہ پر قائم نہ رہنے کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا تعاقب کرنے پر سمندر میں غرق ہو گئی اس قوم سے خدا تعالیٰ نے اپنی دوسری سُنت تاخیرِ عذاب کے مطابق سلوک کیا۔

پیشگوئی زیرِ بحث میں خدا کی سنّت کا ظہور

اس پیشگوئی میں مرزا احمد بیگ صاحب حضرت اقدس سے اپنی لڑکی کا نکاح نہ کرنے کی وجہ سے پیشگوئی کی میعاد میں پکڑے گئے اور ہلاک ہوئے اس سے کنبہ پر ہیبت طاری ہو گئی اور سلطان محمد صاحب خاوند محمدی بیگم صاحبہ کی توبہ اور استغفار پر اُنکی وعیدی موت ٹل گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:-

مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝

(انفال آیت ۳۴)

"یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب دینے والا نہیں ہے اس حال میں کہ وہ استغفار کر رہے ہوں"

سلطان محمد صاحب کی موت کی پیشگوئی توبہ کی وجہ سے ٹل جانے پر اب حضرت اقدسؑ سے نکاح ضروری نہ رہا۔ اب سلطان محمد صاحب پر عذاب صرف اسی صورت میں نازل ہو سکتا تھا کہ وہ توبہ کو توڑ دیتے اور پیشگوئی کی تکذیب کر دیتے اور پھر ان کی موت کے لیے نئی میعاد خدا کی طرف سے مقرر ہوتی اس لیے انجام آتھم کے صفحہ ۳۲ پر حضرت اقدسؑ نے نکاح کی پیشگوئی کو سلطان محمد صاحب کے آئندہ اس پیشگوئی کی تکذیب کرنے اور بے باکی اور شوخی دکھانے سے اور اس کے لیے نئی میعاد مقرر ہونے سے معلّق قرار دیدیا اور ایسا ہی ہونا ضروری تھا کیونکہ امکان تھا کہ مرزا سلطان محمد کسی وقت تکذیب کر دیتے تو پیشگوئی میں لوگوں کے لیے اشتباہ پیدا ہو جاتا۔

پیشگوئی میں اجتہادی خطا

پیشگوئیوں میں بعض دفعہ اجتہادی خطا بھی شرط کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذکور نہ ہونے کی وجہ سے یا شرط کی طرف سے بھول ہو جانے کی وجہ سے واقع ہو سکتی ہے اور یہ امر قابلِ اعتراض نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام سے وحی الٰہی کے سمجھنے میں اجتہادی غلطی ہو گئی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ

فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ط (سورۃ ھود آیت ۴۱)

یعنی یہاں تک کہ جب ہمارا عذاب کا حکم آ جائے اور چشمے پھوٹ کر بہہ پڑیں تو ہم کہیں گے کہ ہر ایک قسم کے جانوروں میں سے ایک جوڑا (یعنی دو ہم جنس فردوں کو) اور اپنے اہل و عیال کو بھی سوائے اس فرد کے جس کی ہلاکت کے متعلق اس عذاب کے آنے سے پہلے ہی ہمارا فرمان جاری ہو چکا ہے اور نیز ان کو سوار کر لے جو تجھ پر ایمان لائے ہیں۔

اس سے قبل نوح علیہ السلام کو یہ حکم دیا جا چکا تھا:

وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ۝ (ھود آیت ۳۸)

"کہ مجھے ظالموں کے بارے میں خطاب نہ کرنا بے شک وہ غرق ہونے والے ہیں"۔

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا جب غرق ہونے لگا تو انہوں نے خدا تعالیٰ کو اس کا وعدہ یاد دلایا اور کہا:

إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ (ھود آیت ۴۲)

"(اے میرے رب) بیشک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے (یعنی اسے وعدہ کے مطابق بچنا چاہیئے)"۔

یہ وعدہ یاد دلانے میں حضرت نوح علیہ السلام کو پیشگوئی کی اس شرط سے ذہول ہو گیا جو:

إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ اور وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ۝ (سورۃ ھود آیت ۴۱ و ۳۸)

کے الفاظ میں بیان ہوئی تھی اور وہ غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ خدائی وعدہ کے مطابق میرا بیٹا بھی غرق ہونے سے بچنا چاہیئے۔ لیکن انکا یہ اجتہاد درست نہ تھا اس لیے خدا تعالیٰ نے ان کے وعدہ یاد دلانے پر انہیں یہ جواب دیا کہ:

إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ (ھود آیت ۴۷)

کہ یہ بیٹا تیرے اہل سے نہیں ہے یہ تو مجسم غیر صالح ہے اسلیئے مجھ سے ایسی درخواست مت کرو جو تم لاعلمی سے کر رہے ہو میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ آئندہ نادانوں کی طرح کوئی کام نہ کیجیو۔

پس شرط کا نظر انداز ہو جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ پیشگوئی کرنے والا اپنے

دعاوی میں منجانب اللہ نہیں۔

حضرت اقدسؑ نے اس پیشگوئی کی مرزا سلطان محمد صاحب کے متعلق اڑھائی سالہ معیاد گزر جانے کے بعد پیشگوئی کی شرط توبہ والے الہام ذیل:۔

اَیَّتُهَا الْمَرْأَةُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَإِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِكِ
یَمُوْتُ وَیَبْقٰی مِنْهُ کِلَابٌ مُّتَعَدِّدَةٌ۔

کے نظر انداز ہو جانے کی وجہ سے اصل پیشگوئی کے الہامی الفاظ

لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ

کے پیش نظر اجتہاد کیا کہ پیشگوئی میں تاخیر ڈال گئی ہے یہ ٹلی نہیں۔ اس لیے آپ نے اس قسم کی عبارتیں یقین اور وثوق پر مشتمل تحریر فرمائیں کہ محمدی بیگم کا خاوند ضرور مرے گا اور وہ بیوہ ہو کر میرے نکاح میں آئے گی۔

یہ عبارتیں کسی جدید الہام کا نتیجہ نہ تھیں کیونکہ پیشگوئی کی اڑھائی سالہ میعاد گزر جانے کے بعد ۱۹۰۶ء تک آپکو اس بارہ میں کوئی جدید الہام نہیں ہوا اور الہام:۔

لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ

جس اشتہار میں درج تھا اسی کے تتمہ میں پیشگوئی کی الہامی شرط توبہ بھی

اَیَّتُهَا الْمَرْأَةُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ

والے الہام میں درج تھی مگر اس شرط کی طرف عدم توجہ کی وجہ سے حضرت اقدسؑ نے یہی اجتہاد کیا کہ سلطان محمد صاحب کسی وقت ضرور توبہ توڑ دیں گے اور پھر اس کے بعد وہ ہلاک ہوں گے اور اس کے بعد محمدی بیگم صاحبہ ضرور نکاح میں آئیں گی یہ اجتہاد کرنے کا آپ کو بہر حال حق تھا۔ اگر سلطان محمد نے کسی وقت توبہ توڑ دی تو وہ ہلاک ہونگے اور اس کے بعد محمدی بیگم کا نکاح میں آنا ضروری ہوگا۔ مگر حضرت اقدسؑ نے اس سے بڑھ کر یہ اجتہاد فرمایا کہ توبہ کا توڑنا ضروری ہے اور سلطان محمد کی موت میں صرف تاخیر ہو گئی ہے یہ پیشگوئی ٹلی نہیں مگر خدا تعالیٰ نے اپنی سنت مستمرہ کے مطابق آپ کو اس اجتہاد پر قائم نہ رہنے دیا اور ۱۶ر فروری ۱۹۰۶ء کو آپ پر ان الفاظ میں الہام نازل فرمایا:۔

تَکْفِیْكَ هٰذِهِ الْاِمْرَأَةُ (تذکرہ ص۵۸۰)

کہ تمہارے لیے یہ عورت (جو تمہارے نکاح میں ہے) کافی ہے۔

اس الہام کے نازل ہونے پر آپ نے اپنے پہلے اجتہاد میں اصلاح فرمالی اور تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۳ میں صاف لکھ دیا کہ:۔

"جب ان لوگوں نے شرط (توبہ ناقل) کو پورا کر دیا تو نکاح فسخ ہو گیا یا تاخیر میں پڑ گیا"

اس جدید اجتہاد سے جو الہام جدید کی روشنی میں کیا گیا ہے حضرت اقدسؑ کا

درمیانی زمانہ میں جس طرح آپ محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کے توبہ توڑنے کو اور اس کے بعد نکاح کو ضروری قرار دیتے تھے قابل حجت نہ رہا۔

پس جس طرح یہ پیشگوئی اپنی الہامی شرائط کے مطابق ظہور پذیر ہو چکی ہے اور اس پیشگوئی کے الہامات پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اسی طرح حضرت اقدس کا آخری اجتہاد بھی منشاء اللہ کے مطابق درست تھا اس پر بھی کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اس جدید الہام کی وجہ سے درمیانی زمانہ کی عبارتیں جو سلطان محمد صاحب کی موت کو ضروری اور اس کے بعد نکاح کو مبرم قرار دیتی تھیں اس شرط سے مشروط سمجھی جائیں گی کہ اگر سلطان محمد خود توبہ توڑ دیں تو ان کی ہلاکت اور اس کے بعد حضرت اقدسؑ سے نکاح کا وقوع ضرور ہوگا ورنہ نہیں پس جدید اجتہاد کی بنا پر پیش کردہ عبارتیں اوپر کی شرط سے مشروط ہو گئی ہیں۔

عبارتیں یوں پڑھی جائیں

لہذا اب یہ عبارتیں یوں پڑھی جانی چاہئیں:-

۱۔ (اگر مرزا سلطان محمد کسی وقت توبہ توڑ کر پیشگوئی کی تکذیب کرے) تو اس عورت کا اس عاجز کے نکاح میں آ جانا یہ تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی کیونکہ اس کیلئے الہام الٰہی میں یہ کلمہ موجود ہے لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ یعنی میری یہ بات ہرگز نہیں ٹلے گی پس اگر ٹل جائے تو خدا کا کلام باطل ہوتا ہے۔

(اعلان ۶ ستمبر ۱۸۹۶ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۱۵)

۲۔ "ایک حصہ پیشگوئی کا یعنی احمد بیگ کا میعاد کے اندر فوت ہو جانا حسب منشاء پیشگوئی صفائی سے پورا ہو گیا اور دوسرے کی انتظار ہے" (بشرطیکہ مرزا سلطان محمد توبہ توڑ دے اور پیشگوئی کی تکذیب کرے)۔

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۶۴)

۳۔ (اگر کسی وقت سلطان محمد توبہ توڑ کر میری زندگی میں پیشگوئی کی تکذیب کرے تو) یاد رکھو کہ اس کی دوسری جزو پوری نہ ہوئی تو میں ہر ایک بد سے بدتر ٹھہروں گا۔ اے احمقو! یہ انسان کا افتراء نہیں یہ کسی خبیث مفتری کا کاروبار نہیں۔ یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے وہی خدا جس کی باتیں نہیں ٹلتیں۔" (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵۴)

۴۔ "(اگر کسی وقت میری زندگی میں سلطان محمد نے توبہ توڑ دی تو) جس وقت یہ سب باتیں پوری ہو جائیں گی ------------ اس دن نہایت صفائی سے (مخالفین کی) ناک کٹ جائے گی اور ذلت کے سیاہ داغ ان کے منحوس چہروں کو بندروں اور سؤروں کی طرح کر دیں گے۔"

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵۳)

۵۔ "وحی الٰہی میں یہ نہیں تھا کہ دوسری جگہ بیاہی نہیں جائے گی یہ تھا کہ

ضرور ہے اوّل دوسری جگہ بیاہی جائے ۔۔۔۔۔ خدا اس کو
تیری طرف لے آئیگا دلستر یکہ اس کا خاوند توبہ نہ کرے یا توبہ کر کے توڑ
دے ۔
(الحکم ۳۰ رجون ۱۹۰۵ء صفحہ ۲)

پیشگوئی پراعتراضات کے جوابات

اعتراض اوّل ایک اعتراض جو اس پیشگوئی پر مخالفین کی طرف سے کیا جاتا ہے
یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے "ازالہ اوہام" میں ۱۸۹۱ء میں
لکھا کہ خدا تعالیٰ ہر طرح سے اس کو (یعنی محمدی بیگم کو) تمہاری طرف لائے گا۔ باکرہ ہونے کی
حالت میں یا بیوہ کر کے اور ہر ایک روک کو درمیان سے اُٹھا دیگا اور اس کام کو ضرور پورا
کریگا۔ کوئی نہیں جو اس کو روک سکے (ازالہ اوہام صفحہ ۳۹۶ ایڈیشن خورد) تو ایسا لکھنے [illegible]

الجواب: باکرہ ہونے کی حالت میں اس وجہ سے نکاح میں نہ آئی کہ اس کے باپ نے
شوخی کی راہ اختیار کر کے اپنی بیٹی کا نکاح مرزا سلطان محمد ساکن پٹی سے کر دیا
اور پیشگوئی کے مطابق یہ سزا پائی کہ چھ مہینے کے اندر ہلاک ہو گیا، اس سے محمدی بیگم
کے خاوند پر پیشگوئی کی ہیبت طاری ہو گئی اور اس نے توبہ اور استغفار سے
کام لیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں اپنی اس توبہ پر قائم رہا،
اس لیے اس کے شرط توبہ سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے نکاح والا حصّہ منسوخ

ہوگیا۔ یہ حضرت مسیح موعود کا اجتہاد تھا کہ سب روکیں اٹھا دی جائیں گی نہ کہ الہام

اعتراض دوم مرزا صاحبؑ اسی کتاب میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔

"اس کے بعد اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی یہاں تک کہ قریب
موت کے نوبت پہنچ گئی بلکہ موت کو سامنے دیکھ کر وصیت بھی کر دی گئی
اس وقت گویا یہ پیشگوئی آنکھوں کے سامنے آگئی اور یہ معلوم ہو رہا ہے
کہ آخری دم ہے کل جنازہ نکلنے والا ہے تب میں نے اس پیشگوئی کی
نسبت خیال کیا کہ شاید اس کے اور معنی ہوں گے جو میں نہ سمجھ سکا
تب اسی حالت میں قریب الموت میں مجھے الہام ہوا۔ اَلْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ یعنی یہ بات تیرے
رب کی طرف سے سچ ہے تو کیوں شک کرتا ہے"

(ازالہ اوہام صفحہ ۳۹۸ حاشیہ ایڈیشن خورد)

اس سے ظاہر ہے کہ اس الہام نے تصدیق بھی کر دی تھی کہ نکاح ضرور ہوگا،
مگر پھر کیوں نکاح وقوع میں نہ آیا؟

الجواب:۔ مقصود اس الہام سے صرف یہ ہے کہ پیشگوئی کا اللہ تعالیٰ کی طرف
سے ہونا برحق امر ہے مشکوک نہیں۔ لہٰذا آپ کو چاہیئے کہ نفس پیشگوئی میں جو شروط

بھی کبھی شک نہیں کرنا چاہیئے۔ اس الہام سے یہ ظاہر کرنا مقصود نہ تھا کہ پیشگوئی کا
ظہور کس رنگ میں ہوگا کیونکہ ازالہ اوہام ۱۸۹۱ء کی کتاب ہے اس کے بعد احمد بیگ
ہلاک ہوگیا اور پیشگوئی کے اس حصہ کا برحق ہونا روز روشن کی طرح ثابت ہوگیا دوسرا حصہ
الہامی شرط کو پورا کیا جانے کی وجہ سے پیشگوئیوں کے اصول کے مطابق ٹل گیا۔

مرزا احمد بیگ اور مرزا سلطان محمد کی موت کی میعاد میں اختلاف کی حکمت

آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ ۵۷۳ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
مرزا احمد بیگ کو مخاطب کرکے لکھا ہے آخر المصائب موتک فتموت
الی ثلاث سنین بل موتک قریب۔ کہ آخری مصیبت تیری موت
ہے اور تو تین سال بلکہ اس سے قریب مدت میں مرجائیگا اور اسی جگہ محمدی بیگم
صاحبہ کے خاوند کے لئے اڑھائی سال کی مدت بیان کی گئی ہے۔
واقعات کے لحاظ سے موتک قریب کا الہام یوں پورا ہوا کہ

مرزا احمد بیگ اپنی لڑکی کا نکاح سلطان محمد سے کرنے کے بعد چھ ماہ کے عرصہ میں ہی
ہلاک ہوگیا۔ یہ نتیجہ تھا اس کی بے باکی اور شوخی میں بڑھ جانے کا۔ ورنہ ممکن تھا
کہ اس کا داماد پہلے مرجاتا۔ نیز اس میں اشارہ تھا کہ اگر مرزا احمد بیگ کی موت
اپنے داماد سے پہلے واقع ہوجائے تو پھر مرزا سلطان محمد توبہ کرکے ضرور بچ جائیگا اور
ان کے بارہ میں پیشگوئی ٹل جائے گی اور میعاد گذر جانے کے بعد اس کی حضرت
اقدس کی زندگی میں موت اب اس وقت واقعہ ہوسکے گی اگر وہ کسی وقت توبہ توڑ دے
اگر وہ توبہ توڑے تو اس کے بعد اس کی موت کے متعلق نئی میعاد کا تقرر حسب بیان
حضرت مسیح موعود علیہ السلام مندرجہ انجام آتھم صفحہ ۳۲، ۳۳ ضروری ہوگا اور اس میعاد
کے اندر مرنے کے بعد حضرت اقدس کا نکاح محمدی بیگم سے ضروری قرار پائیگا۔

اعتراض سوم "ازالہ اوہام" مطبوعہ ۱۸۹۱ء میں لکھا تھا:۔

"خدا تعالیٰ ہر طرح سے اس کو تمہاری طرف لائیگا باکرہ ہونے کی
حالت میں یا بیوہ ہونے کی حالت میں اور ہر ایک روک کو درمیان
سے اٹھادیگا اور اس کام کو ضرور پورا کریگا۔ کوئی نہیں جو اس کو
روک سکے۔" (ازالہ اوہام ایڈیشن خورد ۹۶)

اعتراض یہ ہے کہ درمیانی روکیں کیوں نہیں اٹھیں اور کیوں نکاح وقوع میں نہیں آیا۔

الجواب:۔ یہ عبارت اجتہادی ہے نہ کہ الہامی۔ اصل پیشگوئی مندرجہ اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۶ء شرطی تھی۔ نیز اس اشتہار میں توبی توبی والا الہام بھی درج تھا۔ لہذا توبہ کی شرط پورا کر لینے کے بعد روکوں کا اُٹھانا خدا کے ذمہ نہ تھا۔ ہاں اگر سلطان محمد صاحب توبہ شکنی کرتے اور پیشگوئی کی تکذیب کا اعلان کرتے تو اس صورت میں روکوں کا اُٹھایا جانا ضروری ہوتا۔ توبہ کی روک کا جبراً اُٹھانا خدا کی شان کے منافی ہے کیونکہ یہ ظلم ہے وَمَا اللّٰہُ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ۔

اعتراض چہارم

حضرت مرزا صاحب "ازالہ اوہام" ایڈیشن خورد ص ۳۹۸ میں اپنی ایک بیماری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس کے بعد اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی یہاں تک کہ قریب موت کے نوبت پہنچ گئی بلکہ موت کو سامنے دیکھ کر وصیت بھی کر دی گئی اس وقت گویا یہ پیشگوئی آنکھوں کے سامنے آگئی اور یہ معلوم ہو رہا ہے کہ آخری دم ہے اور کل جنازہ نکلنے والا ہے۔ تب میں نے اس پیشگوئی کی نسبت یہ خیال کیا کہ شاید اس

کے کوئی اور معنی ہوں جو میں نہ سمجھ سکا۔ تب اسی حالت میں قریب الموت مجھے الہام ہوا۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ۔ یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے تو کیوں شک کرتا ہے۔"

اس پر اعتراض یہ ہے کہ الہام نے تصدیق کر دی تھی کہ پہلے معنی درست ہیں تو پیشگوئی کیوں ٹل گئی۔

الجواب:۔ اس الہام میں اشارہ تھا کہ اس مرض سے آپ کی وفات نہیں ہو گی اور نفس پیشگوئی کا برحق ہونا آپ دیکھیں گے لہٰذا پیشگوئی مشکوک نہیں۔

اس الہام سے یہ ظاہر کرنا مقصود نہیں تھا کہ پیشگوئی کس رنگ میں پوری ہو گی بلکہ صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ نفس پیشگوئی برحق ہے اور چونکہ پیشگوئی شرطی تھی اس لیے شرط کے مطابق وقوع میں آئے گی اس الہام کا یہ ظاہر کرنا مقصود نہ تھا کہ اس بارے میں آپ کا اجتہاد درست ہے یا نہیں؟

اس بیماری میں حضرت اقدسؑ کا یہ خیال کہ شاید اس کے کچھ اور معنی ہوں جو میں سمجھ نہیں سکا۔ پھر اس الہام کا نزول یہ ظاہر کرتا ہے کہ ۱۸۹۰ء میں جبکہ ابھی پیشگوئی کا کوئی مرحلہ پیش نہیں آیا تھا۔ آپ نے جو کچھ اس پیشگوئی کے متعلق

سمجھا ہے وہ غلط نہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت آپ کسی اجتہادی غلطی میں بھی مبتلا نہیں تھے ابھی تو پیشگوئی کا کوئی مرحلہ بھی سامنے نہیں آیا تھا اور اس بات کو تو آپ خوب سمجھتے تھے کہ پیشگوئی شرطی ہے لہٰذا آپ کو شرط کے مطابق اس کا وقوع دیکھنا چاہیئے سو خدا نے آپ [illegible] بیماری سے بچا لیا اور اس کے بعد مرزا احمد بیگ کے اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرنے پر پیشگوئی کے مطابق اس کی موت کا وقوع آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اس کے بعد یہ بھی دیکھا کہ مرزا سلطان محمد توبہ کر کے موت سے بچ گیا اور شرط کے مطابق اس کے بچ جانے کی وجہ سے نکاح والا حصہ منسوخ ہو گیا کیونکہ پیشگوئیوں میں محو و اثبات حسب آیت یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ ہوتا رہتا ہے۔

نوٹ:۔ بیماری کے ذکر سے قبل ازالہ اوہام میں یہ ذکر موجود ہے:۔

"جب یہ پیشگوئی معلوم ہوئی اور ابھی پوری نہیں ہوئی تھی جیسا کہ اب تک جو ۱۶؍ اپریل ۱۸۹۱ء ہے پوری نہیں ہوئی تو اس کے بعد اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی۔"

پروفیسر الیاس برنی نے اپنی کتاب "قادیانی مذہب" کے صفحہ ۳۹ پر اس عبارت کو نقل کرتے ہوئے ۱۸۹۱ء کی بجائے ۱۸۹۶ء لکھ دیا ہے تا وہ دھوکہ دے سکیں کہ گویا محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند مرزا سلطان محمد کی توبہ کے بعد حضرت مرزا صاحب کو یہ الہام

ہوا تھا حالانکہ سلطان محمد کی توبہ کے بعد اس پیشگوئی کے بارہ میں ۱۹۰۶ء تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کوئی الہام نہیں ہوا۔ ثبوت بر گردن منکر۔

اعتراض پنجم | نکاح آسمان پر پڑھا جا چکا تھا تو تاخیر میں کیسے پڑ گیا؟

الجواب:۔ حضرت اقدس کے الفاظ "نکاح آسمان پر پڑھا گیا" الہام زوجنٰکھا کا یہ مفہوم ظاہر کرنے کے لیے کہے گئے تھے کہ نکاح اس وعیدی پیشگوئی کا ایک حصہ ہے اگر سلطان محمد توبہ کرنے کے بعد کسی وقت توبہ توڑ دے تو پھر یہ نکاح ہونے کے لحاظ سے مقدر ہو گا اور جب تک توبہ نہ توڑے پیشگوئی معلّق رہے گی سلطان محمد کی توبہ کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام اجتہاداً اسے مبرم سمجھتے رہے یعنی یہ امر کہ وہ توبہ توڑ دیگا حالانکہ اس بارہ میں آپ پر کوئی جدید الہام نہیں ہوا تھا آخری الہام جو ہوا وہ تَکْفِیْکَ ھٰذِہِ الْاِمْرَءَۃُ تھا کہ یہ عورت جو آپ کے نکاح میں ہے آپ کے لیے کافی ہے اس سے یہ قوی احساس پیدا ہو گیا کہ نکاح کا وقوع منسوخ ہو گیا ہے چونکہ پھر بھی تکذیب اور توبہ توڑنے کا عقلی امکان اب بھی باقی تھا اس لیے آپ نے تتمہ حقیقۃ الوحی میں یہ توجیہہ کی کہ نکاح فسخ ہو گیا ہے یا تاخیر میں پڑ گیا واقعات نے یہ شہادت دی کہ عنداللہ یہ پیشگوئی ٹل چکی ہے چنانچہ بعد

میں اخبار بدر ۲۳ اپریل ۱۹۰۸ء میں آپ نے خود بھی لکھدیا کہ یہ پیشگوئی ٹل گئی ہے اور وعیدی پیشگوئی کا ٹل جانا آیت یمحوا اللّٰہ ما یشاء و یثبت کے مطابق ہوا ہے۔

ماسوا اس کے زوجنکھا کے الہام کا مفہوم کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ قرار دیا کہ بعد واپسی کے ہم نے اس سے تیرا نکاح کر دیا (انجام آتھم ص۱۰) اور یہ نکاح سلطان محمد کی توبہ کی وجہ سے وقوع میں نہ آیا تاہم ایک دوسری تعبیر سے بھی یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہو چکی ہے کہ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو "مسیح موعود" کا منصب جلیل عطا کیا گیا نکاح کے تعبیر بھی منصب جلیل کا ملنا ہوتے ہیں تعطیر الانام میں لکھا ہے:

"النکاح فی المنام یدل علی المنصب الجلیل"

"یعنی خواب میں نکاح کسی بڑے منصب کے ملنے پر دلالت کرتا ہے"

ماسوا اس کے طبرانی اور ابن عساکر نے ابو امامہ سے مرفوعاً روایت کی ہے:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِخَدِیْجَۃَ اَمَا شَعَرْتِ اَنَّ اللّٰہَ زَوَّجَنِیْ مَرْیَمَ ابْنَۃَ عِمْرَانَ وَکَلْثُوْمَ اُخْتَ مُوْسٰی وَامْرَاَۃَ فِرْعَوْنَ قَالَتْ هَنِیْئًا لَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

(تفسیر فتح البیان [illegible])

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ

کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نے میرا نکاح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ) مریم بنت عمران (موسیٰ علیہ السلام کی بہن) کلثوم اور فرعون کی بیوی کے ساتھ کر دیا ہے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یا رسول اللہ! آپ کو مبارک ہو۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تینوں نکاح آسمانی تھے جن کی تعبیر اس رنگ میں پوری ہوئی کہ ان عورتوں کے خاندانوں کے بہت سے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

اسی طرح مرزا احمد بیگ کے خاندان کے بہت سے افراد اس پیشگوئی پر ایمان لا چکے ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل افراد خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں:-

۱- محمد اسحاق پسر مرزا سلطان محمد۔
۲- والدہ محمدی بیگم صاحبہ یعنی اہلیہ مرزا احمد بیگ۔
۳- محمودہ بیگم ہمشیرہ محمدی بیگم۔
۴- عنایت بیگم " " "
۵- مرزا احمد حسن داماد مرزا احمد بیگ۔
۶- مرزا محمد بیگ پسر مرزا احمد بیگ۔

اسی طرح اس خاندان کے دوسرے بہت سے افراد بھی ایمان لائے۔

محمدی بیگم صاحبہ کے پسر مرزا محمد اسحاق بیگ ایک خط میں لکھتے ہیں :۔

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ (حضرت مرزا صاحب) وہی مسیح موعود ہیں جن کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی"۔

(ماخوذ از اعلان احمدیت مندرجہ الفضل ۲۶ فروری ۱۹۲۱ء)

پس جس خاندان کیساتھ اس پیشگوئی کا براہ راست تعلق تھا وہ تو اس پیشگوئی کے مصدق ہیں اور انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں تو دوسروں کو اعتراض کا کیا حق ہے۔

اعتراض ششم

یہ پیشگوئی الہامی تھی نکاح کے لیے حضرت مرزا صاحب نے خطوط وغیرہ کے ذریعہ سے کوشش کیوں کی ؟

الجواب :۔ پیشگوئی کو پورا کرنے کے لیے کوشش کرنا انبیاء کی سنت کے مطابق ہے۔

الف۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ بدر کی فتح کا وعدہ تھا لیکن اس کے باوجود مقابلہ کی ہر ممکن کوشش کی اور حضورؐ نے اس کے لیے خضوع اور خشوع کیساتھ جنگ سے ایک طرف ہو کر دعائیں بھی فرمائیں۔

ب۔ موسیٰ علیہ السلام سے خدا نے وعدہ کیا تھا کہ کنعان کی زمین انہیں دی جائے گی اس کے لیے قوم نے کوشش نہ کی جو ناپسندیدہ امر تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ زمین اُن پر چالیس سال کے لیے حرام کر دی گئی۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِىْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (المائدہ ع ۴) اے قوم ! ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے۔ (یعنی ارض کنعان)

كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کے الفاظ صریح پیشگوئی پر دلالت کرتے ہیں مگر قوم نے جواب دیا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدہ ع ۴) کہ اے موسیٰ تو اور تیرا خدا دونوں جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

اس پر خدا تعالیٰ نے اُن کے رویے کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا۔ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ط (المائدہ ع ۴) کہ بیشک زمین ان کیلئے چالیس سال کیلئے حرام کر دی گئی ہے وہ زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے۔

کیا معترضین یہود کے اس جواب کو "کہ تو اور تیرا خدا جا کر لڑو" اور خود کوشش نہ کرنے کو پسندیدہ امر سمجھتے ہیں ؟

اس بارہ میں قرآن کریم مترجم مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی کے ص ۱۴۷ فائدہ ۲ کے تحت یہود کے اس جواب پر لکھا ہے :۔

"اسباب مشروعہ کا ترک کرنا توکل نہیں۔ توکل تو یہ ہے کہ کسی نیک

مقصد کیلئے انتہائی کوشش اور جہاد کرے اور پھر اس کے مثمر اور منتج ہونے کے لیے خدا پر بھروسہ رکھے اور اپنی کوشش پر نازاں اور مغرور نہ ہو۔ باقی اسباب مشروعہ کو چھوڑ کر خالی امیدیں باندھتے رہنا توکل نہیں بلکہ تعطل ہے۔"

اعتراض ہفتم | مرزا فضل احمد کو بیوی چھوڑنے اور محروم الارث ہونے کا نوٹس کیوں دیا گیا اُن کا کیا قصور تھا؟

الجواب: چونکہ مرزا فضل احمد کی بیوی کا تعلق مخالفین سے تھا اور وہ خود بھی مخالفین میں شامل تھی اور الہام الٰہی بتایا تھا کہ جو لوگ ایسے مخالفین سے علیحدہ نہ ہوں اور ان سے تعلقات رکھیں اُن پر عذاب الٰہی نازل ہوگا لہٰذا حضرت اقدس کو اپنے بیٹے پر شفقت مجبور کرتی تھی کہ وہ بیٹے کو اپنی بیوی سے قطع تعلق کرنے کا مشورہ دیں تا وہ بھی عذاب کا مورد نہ بنیں۔

احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ اگر باپ اپنی بہو کو کسی خلاف شرع بات کی وجہ سے ناپسند کرتا ہو تو وہ بیٹے کو طلاق دینے پر مجبور کر سکتا ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ تَحْتِي امْرَأَةٌ أُحِبُّهَا وَكَانَ أَبِي يَكْرَهُهَا فَأَمَرَنِي أَنْ أُطَلِّقَهَا فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ

عُمَرَ طَلِّقْ امْرَأَتَكَ (الترمذی کتاب الطلاق و مشکوٰۃ مجتبائی باب الشفقة صـ ۴۲۱)

ترجمہ:۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میری ایک بیوی تھی جس سے مجھے بہت محبت تھی، لیکن میرے والد کو اس سے سخت نفرت تھی انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے طلاق دوں۔ میں نے اس بات کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے عبد اللہ بن عمرؓ اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گھر آئے تو ان کی بیوی کے ذریعہ اُنکو پیغام دے گئے۔ غَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِكَ کہ اپنے دروازے کی دہلیز بدل دو۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو اُن کی بیوی نے ان کو حضرت ابراہیم کا پیغام دیا تو آپ نے فرمایا:۔

ذَاكِ أَبِي وَقَدْ أَمَرَنِي أَنْ أُفَارِقَكِ الْحَقِي بِأَهْلِكِ فَطَلَّقَهَا وَتَزَوَّجَ مِنْهُمْ أُخْرٰى۔

ترجمہ:۔ وہ میرے والد ابراہیم تھے۔ وہ مجھے یہ حکم دے گئے ہیں کہ میں تجھے چھوڑ دوں۔ پس تو اپنے والدین کے پاس چلی جا۔ پس آپ نے

اُسے طلاق دیکر نوجی ہم کی ایک اور عورت سے شادی کرلی"

اموال آنے پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے ان اموال میں سے کچھ طلب کیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند فرمایا اور خدا نے بھی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ آیات نازل کیں جن کا ترجمہ یہ ہے:-

"اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو۔ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و آرائش کا سامان چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں یہ سامان دیکر اچھی طرح رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور رسول اور دار آخرت کو چاہتی ہو تو خدا نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بڑا اجر مقرر کر رکھا ہے"

(سورۃ احزاب)

پس ناپسندیدہ امر کے سبب سے طلاق دینا یا دلوانا اسلام کے نزدیک کوئی قابل اعتراض امر نہیں۔

اعتراض ہشتم

پہلی بیوی کو طلاق کیوں دی اور اپنے لڑکے سلطان احمد کے متعلق کیوں اشتہار نکالا کہ وہ محروم الارث ہوگا۔

الجواب:- اشتہار میں اسکی وجہ مذکور ہے کہ مرزا سلطان احمد اور آپ کی اہلیہ کا مخالفین سے جوڑ تھا اور وہ ایسے لوگوں کی مجالس ترک نہیں کر رہے تھے جو مورد عذاب بننے والے تھے چنانچہ حضرت مسیح موعود اس اشتہار میں تحریر فرماتے ہیں:-

"اس کام (محمدی بیگم کے دوسری جگہ نکاح) کے مدار المہام وہ ہو گئے جن پر اس عاجز کی اطاعت فرض تھی ہر چند سلطان احمد کو سمجھایا اور بہت تاکیدی خط لکھے کہ تو اور تیری والدہ اس کام سے الگ ہو جائیں ورنہ میں تم سے جدا ہو جاؤں گا اور تمہارا کوئی حق نہ رہے گا مگر انہوں نے میرے خط کا جواب تک نہ دیا اور بکلی مجھ سے بیزاری کا اظہار کیا۔ اگر مجھے ان کی طرف سے تیز تلوار کا بھی زخم پہنچتا تو بخدا میں اس پر صبر کرتا لیکن انہوں نے دینی مخالفت کرکے اور دینی مقابلہ سے آزار دیکر مجھے بہت ستایا اور اس حد تک میرے دل کو توڑ دیا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اور عمداً چاہا کہ میں ذلیل کیا جاؤں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس لیے میں نہیں چاہتا کہ ان سے کسی قسم کا تعلق رکھوں اور ڈرتا ہوں کہ ایسے دینی دشمنوں سے پیوند رکھنے میں معصیت نہ ہو"

(اشتہار مورخہ ۲ مئی ۱۸۹۱ء تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۹)

دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ازواج کا اموال طلب کرنا کوئی معصیت نہ تھا جبکہ دوسروں کو اموال میں سے حصہ مل رہا تھا ہاں رسول اللہ

اور اللہ تعالیٰ اُن کا کردار اس سے بلند دیکھنا چاہتے تھے اور ان کے دلوں کو دنیا کی محبت سے خالی کرنا چاہتے تھے اس لیے خدا تعالیٰ نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اس مطالبہ پر قائم رہنے کی صورت میں طلاق لینے کی اجازت دیدی۔

اگر ازواج مطہرات اپنے اس مطالبہ پر قائم رہتیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور طلاق دیتے۔ لیکن انہوں نے اپنا مطالبہ ترک کر دیا اور نہایت شاندار کردار کا مظاہرہ کیا اس لیے حضورؐ کو طلاق نہ دینا پڑی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیوی اور بیٹے کا کردار اس وقت سنگین جرم کے مترادف تھا اس صورت میں حضور کا ان سے تعلق رکھنا معصیت الٰہی میں داخل تھا۔

نوٹ:۔ اس پیشگوئی پر ہم نے اصولی بحث کر دی ہے اور اہم اعتراضات کے جوابات بھی دے دئے ہیں لوگوں کے بعض ضمنی اور غیر معقول اعتراضات کے جوابات ہم نے اپنی تین کتب "پیشگوئی مرزا احمد بیگ اور اس کے متعلقات" "تحقیق عارفانہ" اور "احمدیہ تحریک پر تبصرہ" میں دیدئے ہیں۔

پیشگوئی متعلق عبداللہ آتھم

۲۲ رمئی ۱۸۹۳ء سے ۵ جون ۱۸۹۳ء تک امرتسر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پادریوں سے ۱۵ دن کے لیے ایک تحریری مباحثہ الوہیت مسیح کے موضوع پر ہوا۔ یہ مباحثہ تحریری تھا اور اس کے پرچے روزانہ مجلس میں سُنا دیئے جاتے تھے۔ پادریوں کی طرف سے ڈپٹی عبداللہ آتھم مباحثہ کے لیے پیش ہوتے رہے اس بحث میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عیسائیت پر کھُلا کھُلا غلبہ عطا فرمایا۔ چونکہ پادری عبداللہ آتھم نے اپنی ایک کتاب "اندرونہ بائیبل" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ "دجال" لکھا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا سے آپ پر ایک پیشگوئی کا انکشاف فرمایا۔ اس پیشگوئی کو آپ نے اپنے آخری پرچہ میں ان الفاظ میں تحریر فرمایا:۔

"آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جبکہ میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دُعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے سو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق

عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہیں دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لیکر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب یہ پیشگوئی ظہور میں آجائے گی بعض اندھے سوجاکھے کئے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔"

(جنگ مقدس آخری پرچہ)

الہامی الفاظ "ہاویہ میں گرایا جائیگا" کا مفہوم اس وقت اجتہاد کی رو سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ سمجھا کہ عبداللہ آتھم بسزائے موت ہاویہ ذوزخ میں گرایا جائیگا چنانچہ آپ اسی پیشگوئی کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشگوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ آج کی تاریخ سے پندرہ ماہ میں بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا اٹھانے کیلئے تیار ہوں مجھے ذلیل کیا جائے۔ رُوسیاہ کیا جائے میرے گلے میں رسہ ڈال دیا

جائے مجھکو پھانسی دیجائے میں ہر سزا اُٹھانے کو تیار ہوں۔"

اس پیشگوئی سے ڈپٹی عبداللہ آتھم پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ "اس نے فوراً زبان باہر نکالی اور کانوں پر ہاتھ رکھے۔ رنگ زرد ہوگیا آنکھیں پتھرا گئیں اور سر ہلا کر کہا کہ میں نے تو ایسا نہیں لکھا" (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دجال کا لفظ استعمال نہیں کیا)

(رسالہ نور احمد صـ۳۲)

یہ اس کی طرف سے رجوع الی الحق کا آغاز تھا اس کے بعد مرتے دم تک اس نے ایک لفظ بھی اسلام یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ لکھا۔ ماسوا اس کے وہ دل سے عام عیسائیوں کے عقیدہ اُلوہیت مسیح کیساتھ متفق نہ رہا اور اس اسلامی پیشگوئی کی ہیبت اس پندرہ ماہ کے عرصہ میں اسکے دل پر عجب طور سے طاری رہی چنانچہ سراسیمگی کی حالت میں وہ جگہ بہ جگہ پھرتا رہا اور اسے ایک شہر میں قرار نہیں تھا اس کے رجوع الی الحق کے بارے میں خداتعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ان الفاظ میں اطلاع دی:۔

اِطَّلَعَ اللّٰهُ عَلٰى هَمِّهٖ وَغَمِّهٖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَا تَعْجَبُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ بِعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى

وَنُمَزِّقُ الْاَعْدَاءَ كُلَّ مُمَزَّقٍ وَمَكْرُ اُولٰئِكَ هُوَ يَبُوْرُ اِنَّا نَكْشِفُ السِّرَّ عَنْ سَاقِهٖ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ (انوار اسلام صـ۲ـ)

یعنی خدا تعالیٰ نے اس (عبداللہ آتھم) کے ہم و غم پر اطلاع پائی اور اس کو مہلت دی جبتک کہ وہ بے باکی اور سخت گوئی اور تکذیب کی طرف میل کرے اور خدا تعالیٰ کے احسان کو بھلا دے (یہ معنی فقرہ مذکور کے تفہیم الٰہی سے ہیں) اور پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی یہی سنت ہے اور تو ربانی سنتوں میں تغیر اور تبدّل نہیں پائیگا اس فقرہ کے متعلق یہ تفہیم ہوئی کہ عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ وہ کبھی پر عذاب نازل نہیں کرتا جب تک ایسے کامل اسباب پیدا نہ ہو جائیں جو غضب الٰہی کو مشتعل کریں اور اگر دل کے کسی گوشہ میں بھی کچھ خوفِ الٰہی مخفی ہو اور کچھ دھڑکا شروع ہو جائے تو عذاب الٰہی نازل نہیں ہوتا اور دوسرے وقت پر جا پڑتا ہے۔

پھر فرمایا کہ کچھ تعجب مت کرو اور غمناک مت ہو اور غلبہ تمہی کو ہے اگر تم ایمان پر قائم رہو یہ اس عاجز کی جماعت کو خطاب ہے اور پھر

فرمایا کہ ہم دشمنوں کو پارہ پارہ کر دیں گے یعنی ان کو ذلت پہنچے گی اور انکا مکر ہلاک ہو جائے گا اس میں یہ تفہیم ہوئی کہ تم ہی فتحیاب ہو نہ دشمن اور خدا تعالیٰ بس نہیں کریگا اور نہ باز آئیگا جب تک دشمنوں کے تمام مکروں کی پردہ دری نہ کرے اور ان کے مکر کو ہلاک نہ کر دے یعنی جو مکر بنایا گیا اور مجسم کیا گیا اس کو توڑ ڈالے گا اور اس کو مردہ کر کے پھینک دیگا اور اس کی لاش لوگوں کو دکھائے گا اور پھر فرمایا کہ ہم اصل بھید کو اس کی پنڈلیوں میں سے ننگا کر کے دکھا دینگے۔ یعنی حقیقت کو کھول دینگے اور فتح کے دلائل بیّنہ ظاہر کر دیں گے اور اس دن مومن خوش ہونگے۔ پہلے مومن بھی اور پچھلے مومن بھی۔

(انوار اسلام صـ۲ـ۳ـ)

پس اس الہام سے ظاہر ہے کہ عبداللہ آتھم نے پیشگوئی کے الہامی الفاظ "بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے" سے حق کی طرف رجوع کر لینے کی وجہ سے یہ فائدہ اٹھایا کہ وہ پندرہ ماہ کے اندر نہ مرا اور اس عرصہ میں انتہائی ہم و غم میں مبتلا رہا جس کے واقعات بھی گواہ ہیں کہ اسلامی پیشگوئی کا اس کے دل پر ہولناک اثر پڑا اور گھبراہٹ اور دیوانہ پن کی حالت اس پر طاری رہی۔ حضور فرماتے ہیں:-

"الہامی پیشگوئی کے رعب نے اس کے دل کو ایک کچلا ہوا دل بنا دیا یہاں تک کہ وہ سخت بے تاب ہوا اور شہر بشہر اور ہر ایک جگہ ہراساں اور ترساں پھرتا رہا اور اس مصنوعی خدا پر اسکا توکل نہ رہا جس کو خیالات کی کجی اور ضلالت کی تاریکی [illegible] نے الوہیت کی جگہ دے رکھی ہے۔ وہ کتوں سے ڈرا اور سانپوں کا اس کو اندیشہ ہوا اور اندر کے مکانوں سے بھی اس کو خوف آیا اور اس پر خوف اور وہم اور دلی سوزش کا غلبہ ہوا اور پیشگوئی کی پوری ہیبت اس پر طاری ہو گئی اور وقوع سے پہلے ہی اس کا اثر اس کو محسوس ہوا اور بغیر اسکے کہ کوئی اس کو امرتسر سے نکالے آپ ہی ہراساں و ترساں و پریشان ہو بے تاب ہو کر شہر بشہر بھاگتا پھرا۔ اور خدا نے اس کے دل کا آرام چھین لیا اور پیشگوئی سے سخت متاثر ہو کر سراسیموں اور خوفزدوں کی طرح جا بجا بھٹکتا پھرا اور الہام الٰہی کا رعب اور اثر اس کے دل پر ایسا مستولی ہوا کہ اس کی راتیں ہولناک اور دن بے قراری سے بھر گئے۔
...... اس کے دل کے تصوروں نے عظمت اسلامی کو رد نہ کیا بلکہ قبول کیا اس لیے وہ خدا جو رحیم و کریم اور سزا دینے میں دھیما ہے

اور انسان کے دل کے خیالات کو جانچتا اور اس کے تصورات کے موافق اس سے عمل کرتا ہے اس نے اس کو اس صورت پر بنایا جس صورت میں فی الفور کامل ہاویہ کی سزا یعنی موت بلا توقف اس پر نازل نہ ہوتی اور ضرور تھا کہ وہ کامل عذاب اس وقت تک تھما رہے جب تک کہ وہ بے باکی اور شوخی سے اپنے ہاتھ سے اپنے لیے ہلاکت کے اسباب پیدا کرے اور الہام الٰہی نے بھی اسی طرف اشارہ کیا تھا کیونکہ الہامی عبارت میں عذاب موت کے آنے کا وعدہ تھا نہ مطلق بلا شرط۔"

(انوار الاسلام صفحہ [illegible])

نیز تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ غیر ممکن ہے کہ خدا اپنے قرار دادہ وعدہ کو بھول جائے کیونکہ شرائط کا لحاظ رکھنا صادق کے لیے ضروری ہے اور خدا اصدق الصادقین ہے ہاں جس وقت مسٹر عبداللہ آتھم اس شرط کے نیچے سے اپنے تئیں باہر کرے اور اپنے لیے اپنی شوخی اور بے باکی سے ہلاکت کے سامان پیدا کرے تو وہ دن نزدیک آ جائیں گے اور سزائے ہاویہ کامل طور پر نمودار ہوگی اور یہ پیشگوئی عجیب طور پر اپنا اثر دکھائیگی۔"

(انوار الاسلام ص ۵)

۱:- یہ عبارت عبداللہ آتھم کے لیے رجوع کر لینے کے بعد بے باکی دکھانے کی صورت میں

پیشگوئی کی معین اور آخری صورت ہے جو یہ ہے کہ بے باکی اور شوخی کے ظہور پر یعنی
رجوع الی الحق کے ماننے سے انکار کرنے پر یا رجوع الی الحق کی صورت کو کسی تدبیر سے
مشتبہ بنانے کی صورت میں اس کی ہلاکت کے دن نزدیک آجائیں گے اور پھر موت کے
ذریعہ سزا لئے ہاویہ کا وہ جلد شکار ہو جائے گا اور پیشگوئی کا اثر غیر معمولی رنگ میں
ظاہر ہوگا گویا اب یہ پیشگوئی ڈپٹی عبداللہ آتھم کی بے باکی اور شوخی سے معلق ہو گئی۔

مخالفین کا شور و شر

جب مسٹر عبداللہ آتھم رجوع الی الحق کی شرط سے
فائدہ اٹھا کر پندرہ ماہ کے اندر مرنے سے بچ گیا تو
عیسائیوں نے اپنی جھوٹی فتح کا نقارہ بجایا۔ جلوس نکالے اور خوب شور و شر اور ہنگامہ آرائی
کی اور مسیح موعود کی شان میں گستاخانہ رویہ اختیار کیا اور بعض سادہ لوح مسلمان یا
حضور سے تعصب رکھنے والے مسلمان بھی ان کے ہمنوا ہو گئے تو ان کی حالت کو دیکھ کر خدا تعالیٰ
سے الہام پا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عبداللہ آتھم کو مباہلہ کا چیلنج دیا اور اس
دعوت مباہلہ کے ساتھ ایک ہزار روپیہ کا انعام بھی رکھا۔ دعوت مباہلہ والے اشتہار
میں آپ نے لکھا:-

"اگر عیسائی صاحبان اب بھی جھگڑیں اور اپنی مکارانہ کارروائیوں کو کچھ
چیز سمجھیں یا کوئی اور شخص اس میں شک کرے تو اس بات کے تصفیہ کے

لیے کہ فتح کس کو ہوئی آیا اہل اسلام کو جیسا کہ در حقیقت ہے یا عیسائیوں
کو جیسا کہ وہ ظلم کی راہ سے خیال کرتے ہیں تو میں ان کی تسلی کے واسطے
کے لیے مباہلہ کو تیار ہوں اگر وہ دروغ گوئی اور چالاکی سے باز نہ آئیں
تو مباہلہ اس طور پر ہوگا کہ ایک تاریخ مقرر ہو کر ہم فریقین ایک میدان
میں حاضر ہوں اور مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کھڑے ہو کر تین مرتبہ
ان الفاظ کا اقرار کریں کہ اس پیشگوئی کے عرصہ میں
اسلامی رُعب ایک طرفۃ العین کے لیئے بھی میرے
دل پر نہیں آیا اور میں اسلام اور نبی اسلام صلی اللہ
علیہ وسلم کو ناحق پر سمجھتا رہا اور سمجھتا ہوں اور
صداقت کا خیال تک نہیں آیا اور حضرت عیسیٰؑ
کی ابنیت اور الوہیت پر یقین رکھتا رہا اور رکھتا
ہوں اور ایسا ہی یقین جو فرقہ پروٹسٹنٹ کے

عیسائی رکھتے ہیں اور اگر میں نے خلاف واقعہ کہا ہے اور حقیقت کو چھپایا ہے تو اے خدائے قادر! مجھ پر ایک برس میں عذاب موت نازل کر۔"

اس دعا پر ہم آمین کہینگے اور اگر دعا کا ایک سال تک اثر نہ ہوا اور وہ عذاب نازل نہ ہوا جو جھوٹوں پر نازل ہوتا ہے تو ہم ہزار روپیہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کو بطور تاوان کے دینگے۔ چاہیں تو پہلے کسی جگہ جمع کرا دینگے اگر وہ ایسی درخواست نہ کریں تو یقیناً سمجھو کہ وہ کاذب ہیں اور عنقریب وقت اپنی سزا پائینگے۔" (انوار الاسلام ص۶)

بالآخر حضور تحریر فرماتے ہیں:۔

"پس یقیناً سمجھو کہ اسلام کو فتح حاصل ہوئی اور خدا تعالیٰ کا ہاتھ بالا ہوا اور کلمۂ اسلام اونچا ہوا اور عیسائیت نیچے گری۔"

مسٹر عبداللہ آتھم اس مؤکد بعذاب قسم کھانے کے لیے آمادہ نہ ہوئے تو حضورؑ نے دوسرا اشتہار دو ہزار روپے کے انعام کے ساتھ شائع کیا اور اس میں تحریر فرمایا۔

"حضرت یہ تو دو خداؤں کی لڑائی ہے اب وہی غالب ہوگا جو سچا خدا ہے۔

جبکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے خدا کی ضرور یہ قدرت ظاہر ہوگی کہ اس قسم والے برس میں ہم نہیں مریں گے، لیکن اگر آتھم صاحب نے جھوٹی قسم کھائی تو ضرور فوت ہو جائیں گے تو جائے انصاف ہے کہ آتھم صاحب کے خدا پر کیا حادثہ نازل ہوگا کہ وہ ان کو بچا نہیں سکے گا اور منجی ہونے سے مستعفی ہو جائیگا۔ غرض اب گریز کی کوئی وجہ نہیں یا تو مسیح کو قادر کہنا چھوڑ دیں یا قسم کھالیں۔ ہاں اگر عام مجلس میں یہ اقرار کر لیں کہ ان کے مسیح ابن اللہ کو چار برس تک زندہ رکھنے کی قدرت نہیں مگر برس کے تیسرے حصہ یا تین دن تک البتہ قدرت ہے اور اس مدت تک اپنے پرستار کو زندہ رکھ سکتا ہے تو ہم اس اقرار کے بعد چار مہینہ یا تین دن ہی تسلیم کر لیں گے۔"

(اشتہار انعامی دو ہزار روپیہ ۲۰ ستمبر ۱۸۹۴ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم ص۱۳۵ تا ص۱۳۶)

عبداللہ آتھم انعامی رقم ڈبل کیا جانے پر بھی اس روحانی مقابلہ پر آمادہ نہ ہوا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تین ہزار روپے کا انعامی اشتہار دیا اور اس میں اس سوال کا کہ ایک سال کی میعاد کی کیا ضرورت ہے خدا ایک دن میں بھی جھوٹے کو مار سکتا ہے یہ جواب دیا:۔

"ہاں بے شک خدائے قادر ذوالجلال ایک دن میں بلکہ ایک طرفۃ العین میں مار سکتا ہے مگر اس نے الہامی تفہیم سے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا تو اس کی پیروی کرنا لازم ہے کیونکہ وہ حاکم ہے ...... لیکن آپ کا (عیسائیوں کا) مصنوعی خدا ایک سال تک آتھم کو نہیں بچا سکتا حالانکہ ان کی عمر بھی ایسی بڑی [illegible] بلکہ میری عمر سے صرف چند سال ہی زیادہ ہیں پھر اس مصنوعی خدا پر کونسی ناتوانی طاری ہو جائیگی کہ ایک سال تک بھی ان کو بچا نہ سکے گا۔ ایسے خدا پر نجات کا بھروسہ رکھنا بھی سخت خطرناک ہے جو ایک سال کی حفاظت سے بھی عاجز ہے کیا ہم نے نہیں کہا کہ ہمارا خدا اس سال ضرور ہمیں مرنے سے بچائیگا اور آتھم صاحب کو اس جہان سے رخصت کر دیگا کیونکہ یہی قادر سچا خدا ہے جس سے بد نصیب عیسائی منکر ہیں اور اپنے جیسے انسان کو خدا

نہیں

بنا بیٹھے ہیں"

انعامی

انعامی اشتہار تین ہزار روپیہ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۴۴ تا ۱۴۵)

اس اشتہار میں حضرت اقدس نے بطور چٹھی عبداللہ آتھم صاحب کو لکھا:

"از طرف عبداللہ الاحد عافاہ اللہ وایّد۔ آتھم صاحب کو معلوم ہو کہ میں نے آپ کا وہ خط پڑھا جو آپ نے "نور افشاں" ۲۱ ستمبر ۱۸۹۴ء کے صفحہ ۱۰ میں چھپوایا ہے مگر افسوس ہے اس خط میں دونوں ہاتھ سے کوشش کر رہے ہیں کہ حق ظاہر نہ ہو۔ میں نے خدا تعالیٰ سے سچا الہام پاکر یقینی اور قطعی طور پر جیسا کہ آپ نظر آجاتا ہے معلوم کر لیا ہے کہ آپ نے میعاد پیشگوئی کے اندر اسلامی عظمت اور صداقت کا اثر اپنے دل پر ڈالا اور اس بناء پر پیشگوئی کے وقوع کا ہم و غم کمال درجہ آپ کے دل پر غالب ہوا۔ میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ بالکل صحیح ہے اور خدا تعالیٰ کے مکالمہ سے مجھ کو اطلاع ملی ہے اور اس پاک ذات نے مجھے یہ اطلاع دی ہے جو انسان کے دل کے تصورات کو جانتا ہے اور اس کے پوشیدہ حالات کو دیکھتا ہے اگر میں اس بیان میں

حق پر نہیں تو خدا مجھکو آپ سے پہلے موت دے۔
پس اسی وجہ سے میں نے چاہا کہ آپ مجلس عام میں قسم غلیظ
مؤکد بعذاب موت کھاویں ایسے طریق سے جو میں بیان کر چکا
ہوں تا میرا اور آپ کا فیصلہ ہو جائے اور دنیا تاریکی میں نہ رہے۔
اگر آپ چاہیں تو میں بھی ایک برس یا دو
برس یا تین برس کے لیے کھاؤنگا۔ چونکہ میں
جانتا ہوں سچا ہرگز برباد نہیں ہو سکتا بلکہ وہی
ہلاک ہوگا جسکو جھوٹ نے پہلے ہلاک کر دیا ہے
اگر صدق اسلام اور صدق اسلام پر مجھے قسم دی جائے تو میں آپ
سے ایک پیسہ نہیں لیتا۔ لیکن آپ کے قسم کھانے کے وقت تین
ہزار روپے کے بیعانے پہلے پیش کیے جائیں گے ......

جبکہ میں بھی قسم کھا چکا اور آپ کھائیں گے تو جو

شخص دونوں میں جھوٹا ہوگا۔ وہ دنیا پر اثر
ہدایت ڈالنے کے لیے جہان سے اٹھا لیا
جائیگا۔ اگر آپ چونسٹھ برس کے ہیں تو میری عمر بھی قریبا
ساٹھ کی ہو چکی ہے۔ دو خداؤں کی لڑائی ہے ایک اسلام کا
ایک عیسائیوں کا۔ پس جو سچا اور قادر ہوگا وہ ضرور اپنے بندہ کو
بچا لیگا۔ اگر آپ کی نظر میں کچھ بھی عزت اس
مسیح کی ہے جس نے مریم صدیقہ سے تولد پایا
تو اس کی عزت کی سفارش کر کے پھر میں آپ
کو خداوند قادر کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس
اشتہار کے منشاء کے مطابق قسم مؤکد بعذاب
کھاویں یعنی یہ کہیں کہ مجھے خدا تعالیٰ کی قسم کہ میں نے پیشگوئی

کی میعاد میں اسلامی عظمت اور صداقت کا کچھ اثر اپنے دل پر نہیں ڈالا
اور نہ اسلامی پیشگوئی کی حقانی ہیبت میرے دل پر طاری ہوئی نہ میرے
دل نے اسلام کو حقانی مذہب خیال کیا بلکہ میں درحقیقت مسیح
کی ابنیت اور الوہیت اور کفارہ پر یقین کامل کے ساتھ اعتقاد
رکھتا رہا اگر میں اس بیان میں جھوٹا ہوں تو اے قادر خدا! جو دل
کے تصورات کو جانتا ہے اس بیباکی کے عوض میں سخت ذلت اور
دکھ کے ساتھ عذاب موت ایک سال کے اندر میرے پر نازل کر
اور تین مرتبہ کہتا ہوگا اور ہم تین مرتبہ آمین کہیں گے۔ اب ہم دیکھتے
ہیں کہ آپ کو مسیح کی عزت کا کچھ بھی پاس ہے یا نہیں"
(اشتہار انعامی تین ہزار روپیہ ۵ / اکتوبر ۱۸۹۴ء
مجموعہ تبلیغ رسالت جلد سوم و ضمیمہ انوار الاسلام)

ڈپٹی عبداللہ آتھم کے عذرات

مسٹر عبداللہ آتھم نے دو عذر کئے اول یہ کہ قسم کھانا اُن کے مذہب میں
ممنوع ہے۔ دوم یہ کہ پیشگوئی کے زمانہ میں وہ ڈرے تو ضرور ہیں مگر پیشگوئی کے اثر

سے نہیں بلکہ اس لیے کہ کہیں ان کو قتل نہ کروا دیا جائے۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کے دونوں عذرات اپنے آخری اشتہار میں
جس میں چار ہزار انعام دینے کا وعدہ کیا تھا توڑ دیئے اور پادری عبداللہ آتھم اس اشتہار
کا کوئی جواب نہ دے سکا۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دلائل سے ثابت فرمایا کہ انجیل کی رُو سے صرف آسمان
یا زمین یا یروشلم یا اپنے سر کی قسم کھانا ممنوع ہے۔ (متی ۵ / ۳۴-۳۵)
ورنہ قسم پطرس حواری نے بھی کھائی (متی ۲۶ / ۷۴) پولوس رسول نے بھی
کھائی (کرنتھیوں ۱ / ۲۳) بلکہ پولوس رسول نے تو لکھا کہ ہر ایک مقدمہ کی حد قسم ہے
(عبرانیوں ۶ / ۱۶) [illegible] بائبل
میں خدا فرشتوں اور نبیوں کی قسمیں موجود ہیں اور انجیل میں عیسیٰ کی قسم پطرس کی
کی قسم اور پولوس کی قسمیں درج ہیں۔ اس جہت سے علماء عیسائیت نے جوازِ قسم
پر فتویٰ دیا ہے (دیکھئے تفسیر انجیل مصنفہ پادری کلارک و پادری عماد الدین مطبوعہ ۱۸۷۵ء)
علاوہ ازیں عیسائی سلطنت میں پارلیمنٹ کے ممبروں اور تمام متعہد عیسائی
ملازموں حتیٰ کہ گورنر جنرل سے بھی قسم لی جاتی ہے پھر آپ نے تحریر فرمایا۔
"پھر اب سوچنا چاہیئے جبکہ پطرس نے قسم کھائی۔ پولس نے قسم کھائی۔
مسیحیوں کے خدا نے قسم کھائی۔ فرشتوں نے قسم کھائی۔

نبیوں نے قسمیں کھائیں اور تمام پادری ذرہ ذرہ مقدمات پر قسمیں کھاتے ہیں اور پارلیمنٹ کے ممبر قسم کھاتے ہیں ہر ایک گورنر جنرل قسم کھا کر آتا ہے تو پھر آتھم صاحب ایسے ضروری وقت پر کیوں قسم نہیں کھاتے۔ حالانکہ وہ خود اپنے اس اقرار سے کہ میں پیشگوئی کے بعد ضرور موت سے ڈرتا رہا ہوں ایسے الزام کے نیچے آ گئے ہیں کہ وہ الزام بجز قسم کھانے کے کسی طرح ان کے سر پر سے اٹھ نہیں سکتا۔ کیونکہ ڈرنا جو رجوع کی ایک قسم ہے ان کے اقرار سے ثابت ہے پھر بعد اس کے وہ ثابت نہ کر سکے کہ وہ صرف قتل کئے جانے سے ڈرتے تھے نہ انہوں نے حملہ کرتے ہوئے کسی قاتل کو پکڑا۔ نہ انہوں نے یہ ثبوت دیا کہ ان سے پہلے کبھی اس عاجز نے چند آدمیوں کا خون کر دیا تھا جس کی وجہ سے ان کے دل میں دھڑکا بیٹھ گیا کہ اسی طرح میں بھی مارا جاؤں گا اگر کوئی نمونہ انکی نظر کے سامنے تھا تو یہی یہی کہ ایک پیشگوئی موت کی یعنی مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کی موت ان کے سامنے ظہور میں آئی تھی لہٰذا جیسا کہ الہام الٰہی نے بتلایا ضرور وہ پیشگوئی کی عظمت سے ڈرے اور یہ بات بداہتاً موجودہ

سے بالکل برخلاف ہے کہ وہ پیشگوئی کی صداقت تجربہ شدہ سے نہیں ڈرے بلکہ ہمارا خونی ہونا جو ایک تجربہ کی رو سے ایک تحقیقی امر تھا اس سے ڈر گئے پس اس الزام سے وہ بجز اس کے کیونکر بری ہو سکتے تھے کہ بحیثیت شاہد کے قسم کھائیں اور بموجب قول پولس رسول کے جو ہر ایک مقدمہ کی حد قسم ہے اس مشتبہ امر کا فیصلہ کر دیں، لیکن یہ نہایت حد درجہ کی مکاری اور بددیانتی ہے کہ قسم کی طرف تو رجوع نہ کریں اور یونہی حق پوشی کے طور پر جا بجا خط بھیجیں اور اخباروں میں چھپوائیں کہ میں عیسائی ہوں اور عیسائی تھا۔"

(اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۸۹۴ء)

پھر حضور تحریر فرماتے ہیں :۔

"اب بتلاؤ کہ آتھم صاحب کا یکطرفہ بیان جو صرف دعویٰ کے طور پر اغراض نفسانیہ سے بھرا ہوا اور دلائل موجودہ کے مخالف ہے کیونکر قبول کیا جائے اور کونسی عدالت اس پر اعتماد کر سکتی ہے یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ صرف ہمارے الہام پر مدار نہیں رہا بلکہ آتھم صاحب نے خود موت کے خوف کا اقرار اخباروں میں چھپوا دیا اور جا بجا خطوط میں اقرار کیا اب یہ بوجھ آتھم صاحب

کی گردن پر ہے کہ اپنے اقرار کو بے ثبوت نہ چھوڑیں بلکہ قسم کے
طریق سے جو ایک سہل طریق ہے اور جو ہمارے نزدیک قطعی
اور یقینی ہے ہمیں مطمئن کر دیں کہ وہ پیشگوئی کی عظمت سے نہیں
ڈرتے بلکہ وہ فی الحقیقت ہمیں ایک خونی انسان یقین کرتے اور
ہماری تلواروں کی چمک دیکھتے تھے ہم انہیں کچھ بھی تکلیف نہیں
دیتے بلکہ اس قسم پر چار ہزار روپیہ بشرائط اشتہار ۹ ستمبر ۱۸۹۴ء
و ۲۰ ستمبر ۱۸۹۴ء ان کی نذر کریں گے۔"

اس اشتہار میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا آخری الہام درج فرمایا:

"خدا تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ میں بس نہیں کرونگا جب تک اپنے قوی
ہاتھ کو نہ دکھلا دوں اور شکست خوردہ گروہ کی سب پر ذلت
ظاہر نہ کروں۔"

اور اس الہام پر یہ تشریحی نوٹ لکھا:۔

"اب اگر آتھم صاحب قسم کھا لیویں تو وعدہ ایک سال قطعی اور
یقینی ہے جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں اور تقدیر مبرم ہے اور
اگر قسم نہ کھاویں تو پھر بھی خدا تعالیٰ ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے

گا جس نے حق کا اخفاء کر کے دنیا کو دھوکہ دینا چاہا لیکن ہم اس
مؤخر الذکر شق کی نسبت ابھی صرف اتنا کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے
نشان کو ایک عجیب طور پر دکھلانا ارادہ کیا ہے جس سے دنیا کی آنکھ
کھلے اور تاریکی دُور ہو اور وہ دن نزدیک ہیں دُور نہیں مگر اس
وقت اور گھڑی کا علم جب دیا جائیگا تب اس کو شائع کر دیا
جائے گا۔" (اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ مندرجہ انوار الاسلام)

اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ کے بعد مسٹر عبداللہ آتھم قسم کھانے پر تو
آمادہ نہ ہوئے مگر ان کا قسم سے انکار کمال کو پہنچ گیا کیونکہ اس کے بعد حضرت مسیح
موعود علیہ السلام نے یکے بعد دیگرے تین اور اشتہار دیئے اور آخری اشتہار ۳۰ دسمبر
۱۸۹۵ء کو دیا گیا جس میں حضور فرماتے ہیں:۔

"اگر پادری صاحبان ملامت کرتے کرتے ان (آتھم) کو ذبح بھی
کر ڈالیں۔ تب بھی وہ میرے مقابل پر قسم کھانے کے لیے ہرگز
نہیں آئیں گے کیونکہ وہ دل میں جانتے ہیں کہ پیشگوئی پوری ہو
گئی۔ میری سچائی کے لیے یہ نمایاں دلیل کافی ہے کہ آتھم صاحب
میرے مقابل پر میرے مواجہ میں ہرگز قسم نہیں اٹھائیں گے اگرچہ

عیسائی لوگ ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں الغرض وہ قسم کھالیں تو یہ پیشگوئی
بلاشبہ دوسرے پہلو پر پوری ہو جائے گی خدا کی باتیں ٹل نہیں سکتیں"۔
(اشتہار ۳۰ر دسمبر ۱۸۹۵ء)

حضرت مسیح موعودؑ نے آتھم کو قسم کھانے کے علاوہ نالش کرنے کی بھی ترغیب دی تھی۔ لیکن آتھم نے نہ قسم کھائی اور نہ نالش کی اور اس طریق سے بتا دیا کہ ضرور اُس نے رجوع بحق کیا تھا اور چونکہ اُس نے علانیہ طور پر زبان سے اس رجوع کا اظہار نہیں کیا اس لیے خدا نے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑا۔ اور اخفائے حق کی سزا میں آخری اشتہار سے جو ۳۰ر دسمبر ۱۸۹۵ء کو شائع ہوا۔ سات ماہ کے اندر گرفت الٰہی میں آ گیا اور ۲۷ر جولائی ۱۸۹۶ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہلاک ہو کر عیسائیوں کی شکست کو ظاہر کر گیا۔

پیشگوئی پر اعتراضات کے جوابات

مولوی غلام جیلانی برق نے اعتراض کیا ہے کہ آتھم اور اس کے فریق نے پیشگوئی کی شرط رجوع الی الحق کو قبول نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنے طغیان اور تمرّد پر اڑے ہوئے تھے ...... عبد اللہ آتھم اسلام اور مرزا صاحب کے خلاف مسلسل لکھتا رہا۔ اس کی ایک

نہایت زہریلی کتاب "خلاصہ مباحثہ" جس میں تثلیث پر بیہودہ دلائل ہیں اور توحید کا مضحکہ اُڑایا گیا ہے اور جناب مرزا صاحب پر بے پناہ پھبتیاں کسی گئی ہیں۔ اسی زمانے پندرہ ماہ کی تصنیف ہے۔

ہم نے جناب برق صاحب سے خط و کتابت کی جس کی تفصیل میری کتاب "تحقیق عارفانہ" ص۲۶۵ تا ص۲۶۶ تک میں درج ہے۔ جناب برق صاحب عبد اللہ آتھم کی طرف سے "خلاصہ مباحثہ" لکھا جانے کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکے۔ وہ تو میعاد کے اندر سرگردان و سراسیمہ تھا اور دن رات روتا رہتا تھا۔ اس کی حالت نیم دیوانہ کے مشابہ تھی اور اس کی قوت متخیّلہ میں اُسے ایسے حملہ آور دکھائی دیتے تھے جن کا ذکر کرنے پر عیسائیوں نے اُسے حضرت مرزا صاحبؑ پر نالش کرنے کو کہا اور یہاں تک پیشکش کی کہ تم صرف کاغذ پر دستخط ہی کر دو مقدمہ ہم دائر کریں گے مگر وہ آمادہ نہ ہوا بھلا اس سراسیمگی کی حالت میں وہ خلاصہ مباحثہ کیسے لکھ سکتا تھا ہماری نظر سے کوئی ایسا رسالہ نہیں گذرا۔ اگر عبد اللہ آتھم نے ایسا کوئی رسالہ ان ایام میں لکھا ہوتا تو وہ اسے قسم کھانے کی دعوت کے مقابلہ میں بطور وجہ شہادت پیش کرتے کہ دیکھو میں نے کوئی رجوع نہیں کیا اور ان کو ضرورت نہ تھی کہ کچے عذرات سے قسم کو ٹال دیتے۔ دبی زبان سے تو اُس نے رجوع کا اعتراف بھی کر لیا چنانچہ وہ "نور افشاں"

۱۲ستمبر ۱۸۹۴ء میں حضرت اقدس کے ذکر میں لکھتا ہے :۔

"میں عام عیسائیوں کے عقیدہ ابنیت اور الوہیت کیساتھ متفق نہیں اور نہ میں ان عیسائیوں سے متفق ہوں جنہوں نے آپ کیساتھ بیہودگی کی۔"

جب وہ عیسائیوں کے ساتھ عقیدہ تثلیث میں متفق نہ رہے تو پیشگوئی کی میعاد میں وہ تثلیث پر پُرزور دلائل کیسے لکھ سکتے تھے اور جب وہ عیسائیوں کی بے ہودگی کو ناپسند کرتے تھا تو وہ حضرت مرزا صاحبؑ پر پھبتیاں کیسے کس سکتے تھے۔

برق صاحب نے حرف محرمانہ صـ۱۴۲ پر تسلیم کیا ہے کہ رجوع الی الحق کا مفہوم ایک ہی ہو سکتا ہے یعنی تثلیث سے تائب ہو کر توحید قبول کرنا جب آتھم صاحب نے عام عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث سے رجوع کر لیا جس کا خود انہوں نے اعتراف کیا ہے تو ان کا ایسا کرنا توحید کے عقیدہ کو مستلزم ہے۔

اعتراض دوم حضرت مرزا صاحبؑ نے کشتی نوح صـ۶ پر لکھا ہے :۔

"پیشگوئی میں یہ بیان تھا کہ فریقین میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔"

نیز تحفہ گولڑویہ میں لکھا ہے :۔

"میں نے ڈپٹی عبداللہ آتھم کے مباحثہ میں قریباً ساٹھ آدمیوں کے رُوبرو یہ کہا تھا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مریگا سو آتھم اپنی موت سے میری سچائی کی گواہی دے گیا۔" اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ پیشگوئی میں پہلے اور پیچھے کا کوئی ذکر نہیں وہاں صرف اسقدر ذکر ہے کہ جھوٹا پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائیگا۔ ([illegible] ۱۴۲)

الجواب :۔ "پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاویگا بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے" کا مفہوم یہی ہو سکتا ہے کہ دونوں فریق میں سے جو جھوٹا ہے وہ پندرہ ماہ تک مر کر دوزخ میں پڑے گا۔ کیونکہ ہاویہ کے معروف معنی دوزخ ہی ہیں۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ کی اس پیشگوئی میں ساتھ ہی یہ الفاظ بھی موجود ہیں :۔

"اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اُس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی۔" (تذکرہ صـ۲۲۹)

جس کے یہ معنی ہیں کہ سچا فریق میعاد پیشگوئی میں زندہ رہیگا اور جھوٹا فریق ثانی سے پہلے نہیں مریگا۔ خود آگے چل کر حضرت اقدسؑ تشریحی الفاظ میں فرماتے ہیں :۔

"میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ یعنی وہ فریق جو خدا کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ آج کی تاریخ سے پندرہ ماہ میں

بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا اٹھانے کیلئے تیار ہوں۔"
اس عبارت سے ظاہر ہے کہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے اُسے پندرہ ماہ تک بسزائے موت ہاویہ میں پڑنا چاہیئے، اور سچے کو اس عرصہ میں نہیں مرنا چاہیئے۔

جب عبداللہ آتھم رجوع کر لینے کی وجہ سے پندرہ ماہ کے اندر نہ مرا۔ کیونکہ اُس نے بچ جانے کی شرط پوری کر لی تو اب یہ پیشگوئی مطلق صورت میں معلّق ہو گئی۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے تحریر فرمایا:۔

"جس وقت عبداللہ آتھم اس شرط (رجوع نافع) سے اپنے تئیں باہر کرے اور اپنے لیے شوخی اور بے باکی سے ہلاکت کے سامان پیدا کرے تو وہ دن نزدیک آجائیں گے اور سزائے ہاویہ کامل طور پر نمودار ہو گی اور پیشگوئی عجیب طور پر اپنا اثر دکھائے گی۔" (انوار الاسلام ص۵)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ پندرہ ماہ گذر جانے کے بعد حضرت اقدسؑ کے نزدیک پیشگوئی مطلق صورت میں جھوٹے کے سچے کی زندگی میں مرنے پر قائم ہے چنانچہ قسم والے اشتہار انعامی میں بھی حضور نے لکھا:۔

"ہمارے خدا کی ضرور یہ قدرت ظاہر ہو گی کہ اس قسم والے برس میں ہم نہیں مرینگے لیکن اگر آتھم صاحب نے جھوٹی قسم کھالی تو ضرور فوت ہو جائینگے۔"

پھر تین ہزار روپیہ کے انعامی اشتہار میں تحریر فرماتے ہیں:۔
"کیا ہم نے نہیں کہا کہ ہمارا خدا اس سال ہمیں ضرور مرنے سے بچائے گا اور آتھم صاحب کو اس جہان سے رخصت کریگا۔"

پھر فرماتے ہیں:۔
"جبکہ میں بھی قسم کھا چکا اور آپ کھائیں گے تو جو شخص دونوں میں جھوٹا ہوگا وہ دنیا پر اثر ہدایت ڈالنے کیلئے اس جہان سے اٹھا لیا جائیگا۔" (اشتہار انعامی ۳ ہزار روپیہ)

ان حوالہ جات سے ثابت ہے کہ جھوٹے کے سچے کی زندگی میں مرنے کا روحانی مقابلہ ایک لمبے عرصہ تک جاری رہا اور چونکہ عبداللہ آتھم نے رجوع کے بارے میں اخفائے حق سے کام لیا اس لیے حضرت اقدس کے آخری اشتہار مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۸۹۵ء کے بعد سات ماہ کے عرصہ میں حضرت اقدس کی زندگی میں ہلاک ہو کر حضرت اقدس کی سچائی اور اپنے جھوٹے ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر گیا لہٰذا کشتی نوح اور تحفہ گولڑویہ کا بیان درست ہے کہ پیشگوئی جھوٹے کے سچے کی زندگی میں مرنے کے متعلق پہلے الہام میں ہی موجود تھی جو آخر تک قائم رہی۔

پیشگوئی ۱

اپنی وفات کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات

اور

ڈاکٹر عبد الحکیم کی پیشگوئی

دسمبر ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی وفات سے اڑھائی سال قبل اپنی وفات کے قریب ہونے کے متعلق الہامات ہوئے جو آپ نے اپنے رسالہ الوصیت کے شروع میں درج کئے ہیں :-

قَرُبَ اَجَلُكَ الْمُقَدَّرُ وَلَا نُبْقِی لَكَ مِنَ الْمُخْزِیَاتِ ذِکْرًا۔ قَلَّ مِیْعَادُ رَبِّكَ وَلَا نُبْقِی لَكَ مِنَ الْمُخْزِیَاتِ شَیْئًا۔

ترجمہ:- تیری اجل قریب آگئی ہے اور ہم تیرے متعلق ایسی باتوں کا نام و نشان نہیں چھوڑیں گے جن کا ذکر تیری رسوائی کا موجب ہو۔ تیری

نسبت خدا کی میعاد مقررہ تھوڑی رہ گئی ہے اور ہم ایسے تمام اعتراض دُور اور دفع کر دیں گے اور کچھ بھی ان میں سے باقی نہیں رکھیں گے جن کے بیان سے تیری رسوائی مطلوب ہو۔

پھر آگے چل کر اُردو زبان میں یہ الہام ہوا:۔

"بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں اُس دن سب پر اُداسی چھا جائیگی یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ بعد اسکے تمہارا واقعہ ہوگا۔ تمام حوادث اور عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئیگا۔"

پھر ریویو دسمبر ۱۹۰۵ء میں آپکا ایک رؤیا درج ہوا ہے:-

"ایک کوری ٹنڈ میں مجھے کچھ پانی دیا گیا پانی صرف دو تین گھونٹ اس میں باقی رہ گیا ہے، لیکن نہایت صاف اور مقطر پانی ہے اسکے ساتھ الہام ہوا۔ "آب زندگی"۔"

ان الہامات اور رؤیا سے ظاہر ہو رہا تھا آپ کی زندگی کے صرف دو تین سال ہی باقی ہیں ان الہامات کے اڑھائی سال بعد آپ کی وفات ہو گئی۔

ڈاکٹر عبد الحکیم کی پیشگوئی

ڈاکٹر عبد الحکیم جسے مسیح موعود علیہ السلام نے بعض وجوہ سے اپنی جماعت سے خارج

کر دیا تھا اور اب تو وہ آپ کا دشمن ہو چکا تھا الوصیت کے شائع ہو جانے کے بعد ۱۲ ر جولائی ۱۹۰۶ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تین سال میں مرنے کی پیشگوئی کر دی اس پر ۱۶ ر اگست ۱۹۰۶ء کو مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اشتہار بنام "خدا سچے کا حامی ہو" شائع فرمایا اور اس میں اپنا یہ الہام درج کیا:-

"خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں ان پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ خدا کے فرشتوں کی کھچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے پر تو نے وقت کو نہ پہچانا نہ دیکھا نہ جانا۔"

رب فرق بین صادق و کاذب انت تریٰ کل مصلح و صادق۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کی نئی پیشگوئی

اس پر ڈاکٹر صاحب نے اپنی سہ سالہ پیشگوئی کو منسوخ کر کے یہ لکھ دیا۔

"سہ سالہ میعاد میں سے جو ۱۲ ر جولائی ۱۹۰۹ء کو پوری ہوتی تھی دس مہینے اور گیارہ دن کم کر دیئے اور مجھے یکم جولائی ۱۹۰۷ء کو الہام فرمایا مرزا آج سے چودہ ماہ تک بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جائیگا۔"

(اعلان الحق و اتمام الحجۃ و تکملہ)

اسکے جواب میں حضرت اقدسؑ نے ۵ ر نومبر ۱۹۰۷ء کو تبصرہ نامی اشتہار میں اپنا الہام شائع فرمایا:-

"اپنے دشمن سے کہہ دے کہ خدا تجھ سے مواخذہ کریگا اور تیری عمر کو بھی بڑھاؤں گا۔"

ڈاکٹر عبدالحکیم نے اس پر چودہ ماہ کی میعاد میں تبدیلی کر دی اور لکھا:-

"الہام ۱۶ ر فروری ۱۹۰۸ء مرزا ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ مطابق ۴ ر اگست ۱۹۰۸ء تک ہلاک ہو جائیگا۔" (اعلان الحق)

اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام چشمہ معرفت تصنیف فرما رہے تھے حضور نے ڈاکٹر عبدالحکیم کی یہ پیشگوئی چشمہ معرفت میں نقل فرما کر تحریر فرمایا کہ:-

"میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔" (چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۲)

خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کا یہ سامان کیا کہ عبدالحکیم نے ۴ ر اگست ۱۹۰۸ء والی پیشگوئی کو یہ لکھ کر منسوخ کر دیا:

"ایک موقعہ پر میری زبان سے یہ بد دعا نکلی اے خدا اس ظالم کو جلد غارت کر .... اسلئے ۴ ر اگست ۱۹۰۸ء مطابق ۲۱ ر ساون سمت ۱۹۶۵ کی میعاد بھی منسوخ کی گئی۔" (اعلان الحق و اتمام الحجۃ و تکملہ)

پھر ۸؍مئی ۱۹۰۸ء کے خط میں جو پیسہ اخبار اور اہلحدیث میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا:۔

"مرزا قادیانی کے متعلق میرے جدید الہامات شائع کرکے ممنون فرمائیں۔

۱۔ مرزا ۲۱؍ساون سمت ۱۹۶۵ ب (۴؍اگست ۱۹۰۸ء) کو مرض مہلک میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔

۲۔ مرزا کے کنبہ میں ایک بڑی معرکۃ الآراء عورت مر جائے گی۔"

(پیسہ اخبار ۱۵؍مئی ۱۹۰۸ء و اہلحدیث ۱۵؍مئی ۱۹۰۸ء)

اس پیشگوئی میں ڈاکٹر عبدالحکیم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت کا دن معین کیا اور بتایا کہ آپ ۴؍اگست ۱۹۰۸ء کو وفات پائیں گے۔ اس پیشگوئی میں عبدالحکیم کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے اب اللہ تعالیٰ کو حضورؑ کی عمر بڑھانے کی ضرورت نہ رہی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ۲۶؍مئی ۱۹۰۸ء کو وفات دیکر عبدالحکیم کو اس پیشگوئی میں جھوٹا ثابت کرکے آپ کو اس کے شر سے محفوظ کر دیا۔

جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے لکھا:۔

"ہم خدا لگتی کہنے سے رک نہیں سکتے کہ ڈاکٹر صاحب اگر اس پر

بس کرتے یعنی ۱۴ ماہ پیشگوئی کرکے مرزا کی موت کی تاریخ مقرر نہ کر دیتے جیسا کہ انہوں نے کیا۔ چنانچہ ۱۵؍مئی ۱۹۰۸ء کے اہلحدیث میں ان کے الہامات درج ہیں کہ ۲۱ ساون یعنی ۴؍اگست کو مرزا مریگا تو آج وہ اعتراض نہ ہوتا جو معزز ایڈیٹر پیسہ اخبار نے ڈاکٹر صاحب کے اس الہام پر چبھتا ہوا کیا ہے۔ کہ ۲۱؍ساون "کو" کی بجائے ۲۱؍ساون "تک" ہوتا تو خوب ہوتا۔" (اہلحدیث ۱۲؍جون ۱۹۰۸ء)

تبصرہ میں حضورؑ کا یہ تحریر فرمانا کہ میرا دشمن میرے سامنے اصحاب فیل کی طرح نیست و نابود ہو جائیگا۔ حضرت اقدس کا ایک اجتہاد تھا جو آپ نے اپنے الہام اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ سے کیا حالانکہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب فیل کا واقعہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا اسی طرح یہ منشاء نہ تھا کہ وہ آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جائیگا۔

نبراس صفحہ ۳۹۲ میں لکھا ہے۔

كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قد يجتهد فيكون خطأً كما ذكره الاصوليون۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اجتہاد فرماتے لیکن وہ واقعہ

کے خلاف ہوتا۔ جیسا کہ اصولیوں نے ذکر کیا ہے۔

اس اصول کے ثبوت میں آگے یہ حدیث نبوی بھی درج ہے:۔

مَا حَدَّثْتُکُمْ عَنِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ فَھُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِیْہِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِیْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ اُخْطِیُٔ وَ اُصِیْبُ

کہ جو بات میں تمہیں خدا کی طرف سے سناؤں ہو تو درست اور حق ہو گی مگر جو بات اس کی تشریح میں اپنی طرف سے کہوں تو میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں میں خطا بھی کر جاتا ہوں اور درست بھی کہتا ہوں۔

پیشگوئی کی اصل غرض یہ تھی کہ آپ عبدالحکیم کے شر سے محفوظ رہیں گے اور خدا سچے اور جھوٹے میں فرق دکھلا دیگا۔ سو خدا نے آپ کو اسکے شر سے محفوظ رکھا اور اس کی پیشگوئی کو جھوٹا ثابت کر دیا اور حضور کو خدا نے اپنے الہامات کے مطابق وفات دی۔

اپنی عمر کے متعلق پیشگوئی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے فرمایا:۔

ثمانین حولا او قریبا من ذلک

کہ تیری عمر اسّی برس یا اس کے قریب ہوگی۔

اس کے بارے میں حضورؑ نے فرمایا:۔

"جو الفاظ وحی عمر کے متعلق ہیں وہ ۷۴ اور ۸۶ سال کے اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۷ حاشیہ)

چنانچہ خود حضور کو ان الفاظ میں بھی الہام ہوا:۔

"اسّی یا اس پر پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم" (حقیقۃ الوحی ص۹۶)

چنانچہ اس کے مطابق حضورؑ کی عمر ۷۵ سال ۶ ماہ دس دن ہوئی۔

(پیدائش ۱۲۵۰ ہجری۔ وفات ۱۳۲۶ ہجری)

حضورؑ کی تاریخ پیدائش کسی کتاب میں درج نہیں کیونکہ حضورؑ کی پیدائش جس زمانہ میں ہوئی اسکی یادداشت نہیں رکھی گئی سرکاری رجسٹروں کا بھی رواج نہ تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۹۳ پر لکھا ہے:۔

"عمر کا اصل اندازہ تو خدا کو معلوم ہے مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے میری عمر ستر برس کے قریب ہے"

تحقیقات کرنے کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ قرائن سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضورؑ کی تاریخ پیدائش ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء مطابق

۱۴ رشوال ۱۲۵۰ہجری بروز جمعہ ثابت ہوتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتب میں اپنی عمر اندازاً لکھتے رہے ہیں۔ کتاب البریّہ میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی اور ۱۸۵۷ء میں ۱۶ برس یا سترہ برس میں تھا۔" (کتاب البریّہ ص۱۳۴)

حضورؑ کی وفات اپنے الہامات مندرجہ الوصیّت و کشف مندرجہ ریویو دسمبر ۱۹۰۵ء کے مطابق مئی ۱۹۰۸ء میں ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"یہ عجیب امر ہے اور میں اس کو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں کہ ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں یہ عاجز شرفِ مکالمہ و مخاطبہ پا چکا تھا۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۹۹)

پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

"جب میری عمر چالیس برس تک پہنچی تو پھر خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا۔" (تریاق القلوب ص۶۸)

براہین احمدیہ حصہ پنجم میں فرماتے ہیں:۔

۵ تھا برس چالیس کا میں اس مسافر خانہ میں
جبکہ میں نے وحیٔ ربانی سے پایا افتخار

ان ہر دو بیانات سے ظاہر ہے کہ سنہ ۱۲۹۰ھ میں حضورؑ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ گویا سن پیدائش ۱۲۵۰ھ بنا۔

۲۴ ربیع الثانی ۱۳۲۶ ہجری مطابق ۱۹۰۸ء میں آپؑ کا وصال ہوا گویا آپؑ کی عمر ساڑھے چھہتر سال ہوئی۔ حضورؑ نے فرمایا تھا:۔

"میری پیدائش جمعہ کے دن چاند کی چودھویں تاریخ کو ہوئی تھی۔"
(تحفہ گولڑویہ ص۱۱۱ طبع اوّل حاشیہ)

حضورؑ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ:۔

"میری پیدائش کا مہینہ پھاگن تھا۔ چاند کی چودھویں تاریخ تھی جمعہ کا دن تھا۔" (ذکرِ حبیب ص۲۳۸ و ص۲۳۹)

ماہ پھاگن میں جمعہ کو چاند کی چودھویں تاریخ صرف دو ۲ سالوں میں آئی ہے۔ ۱۷ فروری ۱۸۳۲ء و ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء مطابق ۱۴ رشوال ۱۲۵۰ ہجری۔

اس لحاظ سے ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء مطابق ۱۴ رشوال ۱۲۵۰ھ زیادہ صحیح تاریخ پیدائش ہے جو حقیقۃ الوحی اور تریاق القلوب کی مندرجہ بالا تحریروں کے عین مطابق ہے لہٰذا آپ کی عمر ۷۵ سال ۴ ماہ ۱۰ دن قرار پاتی ہے اور الہامی وعدہ کے مطابق پوری ہوگئی۔

مخالفین کا اعتراض

حضرت اقدسؑ کے اندازاً اپنا سن پیدائش بعض جگہ ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء لکھنے سے بعض لوگوں نے یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ آپؑ کی عمر ۶۸ یا ۶۹ سال ہوئی ہے۔ جو اسی سے ۱۱-۱۲ سال کم ہے۔ یعنی عمر کے متعلق آپ کی پیشگوئی جھوٹی نکلی۔

الجواب:- ہم ثابت کر آئے ہیں کہ حضرت اقدسؑ نے ۱۸۳۹ء، ۱۸۴۰ء سن پیدائش محض اندازے سے لکھا ہے ورنہ آپ کی ہی بیان کردہ دوسری علامات کو مدِنظر رکھکر ۱۳ رفروری ۱۸۳۵ء مطابق ۱۴ رشوال ۱۲۵۰ھ تاریخ پیدائش قرار پاتی ہے جس سے ظاہر ہے کہ آپ کی وفات آپ کی پیشگوئی کے مطابق ہوئی۔

دیگر اندازے

حضورؑ تحریر فرماتے ہیں:-

(۱) "میری طرف سے ۲۳ راگست ۱۹۰۳ء کو ڈوئی کے مقابل پر انگریزی میں یہ اشتہار شائع ہوا تھا جس میں یہ فقرہ ہے کہ میں عمر میں ستر برس کے قریب ہوں اور ڈوئی جیسا کہ وہ بیان کرتا ہے پچاس برس کا جوان ہے۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی ص۷۷ حاشیہ)

جب ۲۳ راگست ۱۹۰۳ء کو حضورؑ کی عمر ستر برس کے قریب تھی تو اس

کے پانچ سال بعد ۱۹۰۸ء میں جب حضورؑ کی وفات ہوئی تو آپ کی عمر پچھتر سال کی ثابت ہوتی ہے۔

(۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام عبداللہ آتھم کی زندگی میں اُسے مخاطب کرکے فرماتے ہیں:-

"اگر آپ ۶۴ سال کے ہیں تو میری عمر بھی ساٹھ سال کے قریب ہو چکی ہے" (اشتہار ۱۵ اکتوبر ۱۸۹۴ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۳ ص۱۶۱)

اس اشتہار کے چودہ سال بعد حضورؑ کی وفات ہوئی گویا ۶۰ + ۱۴ = ۷۴ سال شمسی اور ۷۶ سال قمری آپ کی عمر ہوئی جو پیشگوئی کے مطابق ہے۔

مخالفین کی شہادت

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں:-

"مرزا صاحب ...... کہہ چکے ہیں کہ میری موت عنقریب اسی سال سے کچھ نیچے اوپر ہے جس کے سب زینے غالباً آپ طے کر چکے ہیں۔"

(اہلحدیث ۳ رمئی ۱۹۰۷ء)

اس کے ایک سال بعد حضورؑ کی وفات ہوئی۔

الہاماتِ مسیح موعود علیہ السّلام کی تشریح

الہاماتِ مسیح موعود علیہ السّلام کی تشریح

۱۔ اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ۔ (حقیقۃ الوحی ص ۷۴)

اِس الہام کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ "تو مجھ سے ہے اور مَیں تجھ سے ہوں"۔ معترضین کی طرف سے اس الہام کا یہ ترجمہ کہ "تو میرا بیٹا ہے اور مَیں تیرا بیٹا ہوں" خود ملہم کے منشاء اور محاوراتِ زبانِ عربی کے خلاف ہے۔

ملہم نے اس کی تشریح میں لکھا ہے:۔

"اس الہام کا پہلا [illegible] بالکل صاف ہے کہ تو جو ظاہر ہوا یہ میرے فضل اور کرم کا نتیجہ ہے اور جس انسان کو خدا تعالیٰ مامور کر کے دنیا میں بھیجتا ہے اُس کو اپنی مرضی اور حکم سے مامور کر کے بھیجتا ہے جیسے حکام کا بھی یہ دستور اور قاعدہ ہے۔ اب اس الہام میں جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَنَا مِنْکَ اس کا یہ مطلب اور منشاء ہے کہ میری توحید اور

میرا جلال اور میری عزت کا ظہور تیرے ذریعہ ہوگا۔" (اخبار الحکم جلد ۵ نمبر ۴۳)

ملہم کی اس تشریح سے ظاہر ہے کہ اس الہام میں مقام مظہریت بیان ہوا ہے جو اتحاد فی المقاصد پر دلالت کرتا ہے عربی محاورہ کے لحاظ سے یہاں "من" اتصالیہ ہے احادیث نبویہ میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی شان میں فرمایا:۔

"ھُوَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ" (مشکوٰۃ باب المناقب)

کہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ علیؓ میرا بیٹا ہے اور میں اس کا بیٹا۔

اسی طرح حضرت حسینؓ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ"۔ (مشکوٰۃ باب المناقب)

کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے۔

اور قبیلہ اشعریہ کے متعلق فرماتے:۔

"ھم منّی وانا منھم"۔ (بخاری جلد ۲ ص۶۳۰ مدی)

"کہ وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں"۔

ان تمام حدیثوں سے اتحاد فی المقاصد مراد ہے یعنی علیؓ اور میرا مقصد ایک ہے اسی طرح حسینؓ اور میرا مقصد ایک ہے۔ اسی طرح میرے اور قبیلہ اشعریہ کے

مقصد میں اتحاد ہے آخری حدیث کی تشریح میں صحیح بخاری کے حاشیہ میں درج ہے:۔

علمۃ "من" ھی الاتصالیۃ ای ھم متصلون بی۔

(حاشیہ صحیح بخاری جلد ۲ ص۶۲۹ مطبع ہاشمی میرٹھ)

اس جگہ "من" اتصالیہ ہے اور مراد یہ ہے کہ وہ مجھ سے اتصال رکھتے ہیں مجھ سے کنارہ کش نہیں۔

عربی زبان کا ایک شاعر عمر بن شاس اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

اِنْ کُنْتِ مِنِّیْ اَوْ تُرِیْدِیْنَ صُحْبَتِیْ فَکُوْنِیْ لَهُ

کَالسَّمْنِ رُبَّتْ لَهُ الْاَدَمُ۔ (حماسہ مجتبائی ص۴)

اس جگہ اِنْ کُنْتِ مِنِّیْ کے یہ معنی ہیں اگر تو مجھ سے موافقت رکھتی ہے مطلب شعر کا یہ ہے کہ اگر تو مجھ سے موافقت رکھتی ہے اور میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو میرے پہلے بیٹے کے ساتھ اچھی طرح مل جل کر رہ۔

قرآن مجید میں ہے کہ طالوت نے اپنے لشکروں سے کہا کہ

"فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ"۔ (البقرہ آیت ۲۵۰)

ترجمہ:۔ جو شخص اس نہر سے پیئے گا وہ مجھ سے نہیں یعنی میرے مقاصد

ہے انحاد نہیں رکھتا اور جس نے اس حصّہ پایا تو بلے شک وہ مجھ سے
ہے یعنی میرے ساتھ متحد ہے۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:۔
"فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ۔" (سورۃ ابراھیم)

یعنی جو شخص میری اتباع کریگا وہ مجھ سے ہے یعنی میرے ساتھ مقاصد میں اتحاد رکھتا ہے۔ لیں "من" اتصالیہ اتحاد کا مفہوم رکھتا ہے اور یہی مفہوم زیر بحث الہام میں مراد ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جماعت کو تلقین فرماتے ہیں:۔
"وہ یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے
نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اس کا بیٹا ہے۔" (کشتی نوح صفحہ ۱۰)

۲۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۶)
کہ تو مجھ سے میرے بیٹے کے بجا ہے۔

معترض کہتا ہے کہ اس الہام میں بانی سلسلہ احمدیہ خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔

الجواب:۔ واضح ہو کہ اس الہام کا ترجمہ یہ ہے کہ تو میری طرف سے میرے بیٹے کے مرتبہ پر ہے اور مراد یہ ہے کہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرتبہ پر ہے اور

ان کا مثیل ہے جنہیں عیسائی میرا بیٹا قرار دیتے ہیں اس الہام میں ولد کی اضافت یائے متکلم کی طرف اضافت بادنیٰ ملابست عیسائیوں کے زعم کے لحاظ سے ہے۔

قرآن مجید میں اس کی مثال "اَیْنَ شُرَکَآئِیَ" کی آیت میں پائی جاتی ہے دیکھئے خدا کا در حقیقت کوئی شریک نہیں۔ لیکن خدا مشرکوں سے قیامت کے دن کہے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں؟ مراد یہ ہے کہ جن کو تم میرا شریک بناتے ہو وہ کہاں ہیں؟ اس جگہ بھی اضافت شرکاء کی یائے متکلم کی طرف ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے جو مشرکین کے زعم باطل کے لحاظ سے ہے اسی طرح "وَلَدِیْ" کی اضافت کا حال ہے
خدا کی کوئی اولاد نہیں۔ لیکن عیسائی انہیں خدا کا بیٹا ٹھہراتے ہیں۔

۲۔ ولد کا لفظ اس الہام میں بطور مجاز اور استعارہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے اس صورت میں یہ اضافت ولد مجاز کی یائے متکلم کی طرف ہوگی صوفیوں نے اولیاء اللہ کو مجازی طور پر ہی خدا کے بیٹے قرار دیا ہے نہ حقیقی طور پر۔ چنانچہ مثنوی مولانا روم میں ہے:۔

"اولیاء اطفالِ حق اند اے پسر" (مثنوی روم)

یعنی اے بیٹے اولیاء خدا کے اطفال ہیں۔

صوفیاء کا یہ اولیاء اللہ کو مجازاً خدا کے بیٹے قرار دینا حدیث نبوی

ف (نمل ۲۷۔ قصص ۶۲، ۷۴)

"یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ" ایسا ہی ہمارے "قُلْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ" کے "قُلْ یَا عِبَادِیْ"...... پس اس خدا کے کلام کو ہوشیاری اور احتیاط سے پڑھو اور از قبیل متشابہات سمجھ کر ایمان لاؤ اور اس کی کیفیت میں دخل نہ دو اور حقیقت کو بحوالہ خدا کرو اور یقین رکھو کہ خدا اتخاذ ولد سے پاک ہے تاہم متشابہات کے رنگ میں بہت کچھ اس کے کلام میں پایا جاتا ہے پس اس سے بچو کہ متشابہات کی پیروی کرو اور ہلاک ہو جاؤ۔ اور میری نسبت بینات میں سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے۔ "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰـہُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ۔

دیکھو کہ میں تو صرف تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے اور ہر ایک بھلائی قرآن میں موجود ہے۔ ناقل" (دافع البلاء ص ۶ حاشیہ)

الہام ۲: "اَنْتَ مِنْ مَّائِنَا وَھُمْ مِّنْ فَشَلٍ" (اربعین ص ۲)

تو ہمارے پانی سے ہے اور دوسرے لوگ فشل سے۔

"اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ" (مشکوٰۃ باب الشفقت) کے عین مطابق ہے۔ اس حدیث میں مجازاً مخلوق کو خدا کا کنبہ قرار دیا گیا ہے حالانکہ خدا بیوی بچوں سے پاک ہے۔ پس مخلوق کو عیال اللہ قرار دینا بطور مجاز اور استعارہ کے ہے نہ بطور حقیقت کے۔

خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اس الہام کی تشریح میں فرماتے ہیں:-

الف۔ "خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک اور یہ کلمہ بطور استعارہ کے ہے چونکہ اس زمانہ میں ایسے ایسے الفاظ سے نادان عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا ٹھہرا رکھا ہے اس لیے مصلحت الٰہی نے یہ چاہا کہ اس سے بڑھکر الفاظ اس عاجز کے لیے استعمال کرے تا عیسائیوں کی آنکھیں کھلیں اور وہ سمجھیں کہ وہ الفاظ جن سے مسیح کو وہ خدا بناتے ہیں اس امت میں بھی ایک ہے جس کی نسبت اس سے بڑھکر ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ ص ۷۶)

ب۔ "یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ بیٹا ہے اور نہ کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں، لیکن یہ فقرہ اس جگہ قبیل مجاز اور استعارہ میں سے ہے خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور فرمایا:-

مخالف اس کا یہ ترجمہ کرتا ہے کہ تو ہمارے نطفہ سے ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جنہیں یہ الہام ہوا اس کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں :۔

" یہ جو فرمایا کہ تو ہمارے پانی سے ہے اور وہ لوگ فشل سے۔ اس جگہ پانی سے مراد ایمان کا پانی، استقامت کا پانی، تقویٰ کا پانی، وفا کا پانی، صدق کا پانی، حب اللہ کا پانی ہے جو خدا سے ملتا ہے اور فشل بزدلی کو کہتے ہیں جو شیطان سے آتی ہے اور ہر ایک بے ایمانی اور بدکاری کی جڑ بزدلی اور نامردی ہے "

(انجام آتھم حاشیہ ص۵۶)

اصل اللہ کے اسی مفہوم میں حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ تحریر فرماتے ہیں :۔

فَإِنْ شِئْتَ مَاءَ اللّٰهِ فَاقْصِدْهُ مُسَارِعًا

فَيُعْطِيكَ مِنْ عَيْنٍ وَيُعْطِيكَ تُتْرَعُ (کرامات الصادقین)

کہ اگر تو خدا کا پانی چاہتا ہے تو میرے گھاٹ کا قصد کر پس وہ خدا تمہیں ایک چشمہ سے دیگا اور آنکھ بھر جائیگی۔

بس ماء اللہ سے مراد الہام میں مجازی طور پر ایمان واستقامت اور تقویٰ وغیرہ روحانی برکات ہیں جو خدا سے ملتی ہیں۔

الہام ۷۴ :۔ " أَسْمَعُ وَأَرٰى "

اس الہام کا ترجمہ یہ ہے کہ میں خدا سنتا اور دیکھتا ہوں۔ اس الہام کو غلطی سے کتاب " البشریٰ " جلد اول ص۵۹ پر مرتب کتاب بابو منظور الٰہی صاحب نے اَسْمع وَلدي کے الفاظ میں بدل کر لکھ دیا تھا اور اس کا ترجمہ لکھ دیا تھا " اے میرے بیٹے سن " اس کیلئے حوالہ مکتوبات احمدیہ جلد اول ص۲۳ کا دیا تھا اصل حقیقت یہ ہے کہ مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ ۲۳ پر اسمع ولدی کی بجائے اَسْمَعُ وَأَرٰى کے الفاظ درج ہیں کہ میں جو خدا ہوں سنتا بھی ہوں اور دیکھتا بھی ہوں۔ بابو منظور الٰہی صاحب کو جب اس غلط اندراج کی طرف توجہ دلائی گئی تو انہوں نے معذرت کے ساتھ اس کی تصحیح الفضل میں کرادی اور لکھا :۔

" البشریٰ جلد اول ص۵۹ سطر دس میں حضرت مسیح موعود کا ایک الہام غلطی سے اسمع وارٰی کی بجائے اسمع ولدی چھپا ہے اور ترجمہ بھی اے میرے بیٹے سن غلط کیا گیا ہے افسوس کہ آج تک کسی دوست نے اس کی طرف توجہ نہ دلائی میں اپنے ایک مہربان بزرگ کا بہت مشکور ہوں کہ انہوں نے اس کی طرف توجہ دلائی حوالہ مندرجہ البشریٰ اصل کے ساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا

کہ اصل الہام اسمع وادری ہے جن احباب کے پاس البشریٰ ہو۔ وہ اس غلطی کی اصلاح کرلیں۔" (الفضل جلد ۹ ص۹۶)

الہام ۵:۔ "رَبُّنَا عَاجٌ"

تشریح:۔ اس الہام میں لفظ عَاجٌ نہیں جس کے معنے ہاتھی دانت کے ہوتے ہیں بلکہ عَاجٌّ ہے۔ ج کی تشدید سے ہے اور عَاجٌّ کے معنے پکارنے والا یا آواز دینے والا۔ مراد یہ ہے کہ ہمارا خدا دنیا کو اپنی طرف با آواز بلند دعوت دینے والا ہے عَاجٌّ کے معنے دودھ کے ذریعہ غذا دینے والے کے بھی ہیں۔ اس صورت میں مراد یہ ہے کہ اللہ مخلوق کو ان کی بیکسی کی حالت میں روحانی دودھ یا غذا پہنچانے والا ہے یہ دونوں معنے بلحاظ لغت درست ہیں اگر یہ لفظ عَجّ۔ عَجًّا و عجیجًا سے مشتق سمجھا جائے تو اس کے معنے بلند آواز سے پکارنے والا ہونگے۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ افضل الحج العج کہ حج میں افضل ترین آواز تلبیہ اور لبیک کہنا ہے اگر عَاجٌ ناقص وادی عَجَا یعجو سے اسم فاعل سمجھا جائے تو اس کے معنے ہوں گے دودھ پلانے والا۔ چنانچہ کہتے ہیں عَجَتِ الْاُمُّ الْوَلَدَ۔ اَیْ سَقَتْهُ اللَّبَنَ یعنی ماں نے بچہ کو دودھ پلایا۔ العجوۃ کے معنے قاموس میں لکھے ہیں۔ لَبَنٌ یُعَالَجُ بِهِ الصَّبِیُّ الْیَتِیْمُ اَیْ یُغَذّٰی۔

یعنی وہ دودھ مراد ہے جس سے یتیم بچہ کی پرورش کی جاتی ہے یعنی وہ اسے بطور غذا دیا جاتا ہے۔

الہام ۶:۔ "اُفْطِرُ وَاَصُوْمُ" یعنی خدا کہتا ہے کہ میں روزہ کھول بھی دیتا ہوں اور رکھ بھی لیتا ہوں۔

تشریح:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس الہام کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"ظاہر ہے کہ خدا روزہ رکھنے اور افطار کرنے سے پاک ہے اور یہ الفاظ اپنے اصل معنی کی رو سے اس کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے پس یہ صرف ایک استعارہ ہے اور اس کا ماحصل مطلب یہ ہے کہ کبھی میں اپنا قہر نازل کرونگا اور کبھی کچھ مہلت دونگا۔ اس شخص کی مانند جو کبھی کھاتا ہے اور کبھی روزہ رکھ لیتا اور اپنے تئیں کھانے سے روکتا ہے اس قسم کے استعارے خدا کی کتابوں میں بہت ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں بھی لکھا ہے کہ قیامت کو خدا کہیگا میں بیمار تھا۔ بھوکا تھا۔ ننگا تھا۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۰۲)

رسالہ دافع البلاء میں اس کی تشریح یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں اپنے وقتوں کو تقسیم کر دونگا۔ کچھ حصہ برس کا تو میں افطار

کروں گا۔ یعنی طاعون سے لوگوں کو ہلاک کروں گا اور کچھ حصہ برس کا میں روزہ رکھوں گا۔ یعنی امن رہیگا اور طاعون کم ہو جائیگی یا بالکل نہیں رہے گی۔"

(دافع البلاء صک ۸)

حقیقۃ الوحی کی عبارت میں جس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے صحیح مسلم میں ان الفاظ میں مندرج ہے :-

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ ......

یَا ابْنَ آدَمَ ...... اِسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ ......

...... یَا ابْنَ آدَمَ اِسْتَسْقَیْتُکَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ۔

(مسلم عیادۃ المریض)

ترجمہ :- حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو کہیگا۔ اے ابن آدم میں بیمار تھا، تو نے میری تیمار داری نہ کی۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا، تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے

مجھے نہ پلایا۔

اس حدیث میں مریض کی عیادت نہ کرنے اور سائل کو کھانا کھلانے اور پانی پلانے سے رکنے کو استعارہ کے طور پر یوں بیان کیا گیا ہے کہ گویا انسان کی بجائے خدا کی تیمار داری نہیں کی گئی اور اسے کھانا نہیں کھلایا گیا اور اُسے پانی نہیں پلایا گیا۔

الہام ۷ :- اَسْھَرُ وَاَنَامُ

"میں بیدار ہوتا ہوں اور سو بھی جاتا ہوں۔"

تشریح :- یہ الہام بھی بطور مجاز اور استعارہ کے ہے خدا تعالیٰ در حقیقت سونے سے پاک ہے اس جگہ سونے سے یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ بعض گنہگاروں سے چشم پوشی کرتا ہے اور مراد جاگنے سے یہ ہے کہ بعض اوقات سزا بھی دیتا ہے۔

الہام ۸ :- اُخْطِیُٔ وَاُصِیْبُ

تشریح :- خدا تعالیٰ خطا کرنے سے پاک ہے اس جگہ اُخْطِیُٔ کا لفظ مجازی استعمال ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس الہام کی تشریح فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

"میں اپنے ارادہ کو کبھی چھوڑ بھی دونگا اور کبھی ارادہ پورا کرونگا ...

... جیسا کہ احادیث میں لکھا ہے کہ میں مومن کے قبض روح کے وقت تردد میں پڑتا ہوں حالانکہ خدا تردد سے پاک ہے اس کے یہ

معنے ہیں کہ کبھی میں اپنی تقدیر اور ارادہ کو منسوخ کر دیتا ہوں اور کبھی وہ ارادہ جیسا کہ چاہا ہوتا ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۱)

اُوپر کے اقتباس میں جس حدیث کی طرف اشارہ ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:-

"وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ۔"

(صحیح بخاری کتاب الرقاق باب التواضع جلد ۴ صفحہ مصری)

یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے کسی شے کے متعلق کبھی اتنا تردّد نہیں کیا جتنا ایک مومن کی روح قبض کرنے کے وقت مجھے تردّد ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا تردّد سے پاک ہے اور مراد اس جگہ تردّد سے ملتی جلتی حالت ہے نہ کہ درحقیقت شک و شبہ۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے اپنی طرف نسیان کو بھی منسوب کیا ہے۔ جیسے فرمایا:-

فَالْيَوْمَ نَنْسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا۔

(الاعراف آیت ۵۲)

"کہ آج ہم انہیں بھلا دیں گے جیسا کہ انہوں نے آج کے دن کی ملاقات کو بھلا دیا۔"

اللہ تعالیٰ خطاء اور نسیان سے پاک ہے اس جگہ مجازاً نسیان سے ملتی جلتی حالت

مراد ہے یعنی بھولنے کا نتیجہ چھوڑ دینا مراد ہے یعنی بے تعلقی اور اپنے قرب سے محروم رکھنا۔ پس جو الہامات از قسم متشابہات ہوں۔ ان کا مفہوم محکمات کے مطابق لینا چاہیئے ورنہ مجاز کو حقیقت پر محمول کرنا بد ذوقی کی علامت ہوگی۔

الہام ۹:- يَحْمَدُكَ اللّٰهُ مِنْ عَرْشِهٖ

تشریح:- معترض کہتا ہے کہ حمد کا لفظ خدا کے سوا کسی پر نہیں بولا جاتا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ خدا تعالیٰ مرزا صاحب کی حمد کرتا ہے۔

الجواب:- یہ معترض کی ناواقفی ہے کہ حمد کا لفظ خدا کے سوا کسی کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ "حمد" سچی تعریف کو کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ ہے۔ صفاتی لحاظ سے اس کے معنے ہیں بہت حمد کیا گیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مقام کے بارہ میں فرمایا ہے:-

"عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔"

(بنی اسرائیل رکوع ۹)

یعنی قریب ہے کہ تیرا رب تجھے ایک قابلِ حمد مقام پر کھڑا کرے۔"

لغت کی کتاب مجمع البحار میں لکھا ہے:-

"تَحْمِدُ الرَّجُلَ عَلٰى صِفَاتِهِ الذَّاتِيَّةِ وَعَلٰى

عَطَائِہٖ ۔" (مجمع البحار جلد ا صفحہ ۳۰۶)

یعنی کہ ہر شخص کی صفات ذاتیہ پر اور بخشش پر لفظ حمد کا استعمال کر سکتے ہیں۔

امام بیضاوی زیر آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

حَمِدْتُ زَیْدًا عَلٰی کَرَمِہٖ وَعِلْمِہٖ ۔"

یعنی میں نے زید کی حمد کی اُس کے علم اور کرم پر۔

بخاری جلد ا صفحہ ۱۶۹ مصری میں ہے :۔

"کَاَنَّہٗ حَمِدَہٗ" گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سائل کی حمد کی۔

بالآخر یہ واضح رہے کہ حمد کا اصل مستحق تو خدا ہی ہے لہٰذا دوسرے لوگوں کی جو حمد ہو اس کا مرجع بھی دراصل خدا تعالیٰ ہی ہوتا ہے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "اعجاز المسیح" میں فرمایا ہے :۔

وَلَہُ الْحَمْدُ فِیْ ھٰذِہِ الدَّارِ وَتِلْکَ الدَّارِ وَ اِلَیْہِ یَرْجِعُ کُلُّ حَمْدٍ یُنْسَبُ اِلَی الْاَغْیَارِ ۔"

ترجمہ :۔ اس دنیا اور آخرت میں حقیقی حمد خدا تعالیٰ کی ہی ہے اور ہر حمد

جو غیروں کی ہوتی ہے وہ بھی دراصل خدا کی طرف راجع ہے۔"

پس کسی بندے یا مقام کی حمد کا مرجع بھی درحقیقت خدا تعالیٰ ہی ہوتا ہے

الہام ۴ :۔ اربعین نمبر ۴ صفحہ ۱۹ پر ایک الہام درج ہے :۔

"یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّرَوْا طَمْثَکَ وَاللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یُّرِیَکَ اِنْعَامَہٗ الْاِنْعَامَاتِ الْمُتَوَاتِرَۃَ۔"

ترجمہ :۔ وہ تیرا حیض دیکھنا چاہتے ہیں اور اللہ چاہتا ہے کہ تجھے اپنا انعام دکھائے۔ متواتر انعامات۔

اس الہام کی بناء پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحبؑ کو حیض آتا تھا پس وہ عورت ہوئے نہ مرد؟

الجواب :۔ اس جگہ طمث کا لفظ مجازاً ناپاکی یا پلیدی کیلئے استعمال ہوا ہے۔ جب مرد کے لیے حیض کا لفظ استعمال ہو تو اس سے مراد ناپاکی اور پلیدی ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اس الہام کے یہ معنی ہیں کہ مخالف آپؑ میں کسی ناپاکی اور پلیدی پر اطلاع پانا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تجھے اپنا انعام دکھائے گا اور انعامات پے در پے ہوں گے۔ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے :۔

"کَمَا اَنَّ لِلنِّسَاءِ مَحِیْضًا فِی الظَّاھِرِ وَھُوَ مُوْجِبٌ

"نُقصانِ ایمانِہِنّ بِمنعِہِنّ عن الصّلوٰۃِ والصَّوم فکذٰلک للرّجال محیضٌ فِی البَاطِنِ وھُوَ مُوجِبُ نقصانِ اِیمَانِہِم بِمَنعِہِم عن حقیقۃِ الصَّلوٰۃِ۔" (روح البیان جلد ۱ صفحہ ۲۳۶)

ترجمہ :- جس طرح عورتوں کو ظاہر میں حیض آتا ہے جو انکے ایمان میں نقصان کا موجب ہوتا ہے۔ انہیں نماز اور روزہ سے روکنے کی وجہ سے۔ اسی طرح مردوں کو بھی باطن میں حیض آتا ہے وہ ان کے ایمان میں ان کو نماز کی حقیقت سے ناواقف کرنے کے سبب اُن کے ایمان میں نقص پیدا کرتا ہے۔

دیلمی میں ایک حدیث ہے :-

"اَلْکَذِبُ حَیْضُ الرَّجُلِ وَالْاِسْتِغْفَارُ طَھَارَتُہٗ"

کہ جھوٹ بولنا مرد کا حیض ہے اور استغفار کرنا اسکی پاکیزگی ہے۔

اس لحاظ سے الہام کا مطلب یہ ہے کہ دشمن تجھ کو جھوٹ یا کسی بدی میں مبتلا دیکھنا چاہتا ہے لیکن خدا کے فضل سے تجھ میں کوئی بدی نہیں۔ خدا تو تجھ پر انعام پر انعام کرنا چاہتا ہے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اربعین میں یہ الہام

درج کرتے ہوئے ترجمہ میں لکھا ہے :-

"یہ لوگ خون حیض تجھ میں دیکھنا چاہتے ہیں یعنی ناپاکی، پلیدی اور خباثت کی تلاش میں ہیں۔"

پس یہ الہام آپؑ کے وجود میں حیض یعنی ناپاکی کی نفی کرتا ہے نہ کہ اثبات۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ابن مریم بننے کی حقیقت کو کشتی نوح میں یوں بیان کیا ہے :-

"جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے۔ دو برس تک صفتِ مریمیت میں مَیں نے پرورش پائی اور پردے میں نشوونما پاتا رہا۔ اور پھر جب اس پر دو برس گزر گئے تو جیسا کہ براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ ۴۹۶ میں درج ہے مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینہ کے بعد جو دس مہینہ سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ ۵۵۶ پر درج ہے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔" (کشتی نوح صفحہ ۴۶، ۴۷)

اس عبارت پر بعض مخالفین ہنسی اڑاتے ہیں کہ مرزا صاحب عورت بن گئے بعد پھر حاملہ ہوئے حالانکہ کشتی نوح کی عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کا مریم بننا ایک استعارہ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ شروع میں آپ مریمی صفات کے
حامل تھے اور پھر نفخ رُوح سے استعارۃً آپ کو حاملہ ٹھہرایا گیا اور اس طرح دس
ماہ کے بعد صفاتِ مریمی سے صفاتِ عیسوی کی طرف انتقال ہوا۔

حضورؑ نے کشتی نوح کے صفحہ ۴۵ پر لکھا ہے:۔

"خدا نے سورۃ فاتحہ میں آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ
میں یہ بشارت دی کہ اس امت کے بعض افراد انبیائے گزشتہ
کی نعمت بھی پائیں گے نہ کہ نرے یہودی بنیں یا عیسائی بنیں اور
ان قوموں کی بدی تو لے لیں لیکن نیکی نہ لیں۔ اسی کی طرف سورۃ
تحریم میں بھی اشارہ کیا ہے کہ بعض افراد امت کی نسبت فرمایا ہے کہ
وہ مریم صدیقہ سے مشابہت رکھیں گے جس نے پارسائی اختیار کی
تب اس کے رحم میں عیسیٰ کی روح پھونکی گئی اور عیسیٰ اس سے پیدا
ہوا۔ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس امت میں
ایک شخص ہوگا کہ پہلے مریم کا مرتبہ اس کو ملے گا۔ پھر اس میں عیسیٰ کی
روح پھونک دی جاوے گی۔ تب مریم میں سے عیسیٰ نکل آئے گا یعنی وہ
مریمی صفات سے عیسوی صفات کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ گویا

مریم ہونے کی صفات نے عیسیٰ ہونے کا بچہ دیا اور اس طرح پر وہ
ابن مریم کہلائے گا۔"

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ اس جگہ کوئی جسمانی حمل مراد نہیں بلکہ ایک رُوحانی
کیفیت کو حمل قرار دیا گیا ہے اور اس ولادت سے جسمانی ولادت مراد نہیں بلکہ ولادت
معنویہ مراد ہے۔ ولادتِ معنوی کا محاورہ علماء اور صوفیاء میں استعمال ہوتا ہے۔ امام
الطائفہ شیخ سہروردی فرماتے ہیں:۔

"یَصِیْرُ الْمُرِیْدُ جُزْءَ الشَّیْخِ کَمَا اَنَّ الْوَلَدَ جُزْءُ
الْوَالِدِ فِی الْوِلَادَۃِ الطَّبِیْعِیَّۃِ وَتَصِیْرُ ھٰذِہٖ
الْوِلَادَۃُ آنِفًا وِلَادَۃً مَعْنَوِیَّۃً"

ترجمہ:۔ مرید شیخ کا حصہ بن جاتا ہے جیسا کہ بیٹا ولادت طبعیہ میں
باپ کا جزء ہوتا ہے یہ ولادت کبھی معنوی بھی ہوتی ہے۔
(عوارف المعارف جلد ۱ صفحہ [illegible])

حضرت مولانا رومؒ مثنوی میں فرماتے ہیں:۔

ہمچو مریم جان از آں آسیبِ جیب — حاملہ شد از مسیحِ دلفریب

کہ مریم کی طرح جان جیب کے تماشے سے حاملہ ہوئی اور اس نے دلفریب

مسیح کو حمل میں لیا۔"

اس جگہ بھی جان کے مریم بننے اور پھر ترقی کر کے مسیح کے مقام تک پہنچنے کو روحانی حمل کے ذریعہ مریمی مقام سے عیسوی مقام کی طرف انتقال قرار دیا ہے ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

جان ہا در اصل خود عیسیٰ دم اند ۔ یک زمان زخم اند دیگر مرہم اند
گر حجاب از جان ہا برخاستے ۔ گفت ہر جانے مسیح آسا استے

یعنی جانیں اپنے اصل کے لحاظ سے عیسیٰ دم ہی ہیں کبھی وہ زخم ہوتی ہیں اور کبھی مرہم۔ اگر جانوں سے حجاب اُٹھ جائے تو ہر جان ہی کہنے لگے کہ میں مثیلِ مسیح ہوں۔

مقصود یہ ہے کہ تمام انسانوں کی ارواح کا سرچشمہ خدا ہے اور اُن پر کچھ حجاب ہوتا ہے اگر وہ حجاب اُٹھ جائے تو سب یہی کہنے لگیں کہ ہم مسیح ہیں کیونکہ اصل میں ساری جانیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفخِ روح کے ذریعہ داخل ہوتی ہیں اور جسم کی زندگی کا موجب ہوتی ہیں۔ نفخِ رُوح کا معاملہ سب انسانوں سے متعلق ہے چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو استعارہ کے طور پر حاملہ قرار دیا گیا اور مسیح کی ولادت کے وقت مریم کو دردِ زِہ بھی ہوا تھا اس لیے الہامی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر

"فاجاءھا المخاض الی جذع النخلۃ" کی آیت بھی نازل ہوئی یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ مریم سے مسیح بننے پر آپ کو بہت سی تکالیف سے گزرنا پڑیگا۔ کشتی نوح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں:-

"جب خدا نے مجھے پہلے مریم کا خطاب دیا اور پھر نفخِ رُوح کا الہام کیا پھر بعد اس کے یہ الہام ہوا تھا فاجاءھا المخاض الی جذع النخلۃ قالت یالیتنی مِتُّ قبل ھٰذا وکنت نسیاً منسیا۔ یعنی پھر مریم کو جو مراد اس عاجز سے ہے دردِ زہ تنہ کھجور کی طرف لے آیا یعنی عوام الناس اور جاہلوں اور بے سمجھ علماء سے واسطہ پڑا جن کے پاس ایمان کا پھل نہ تھا جنھوں نے توہین و تکفیر کی اور گالیاں دیں اور ایک طوفان برپا کیا تب مریم نے کہا کہ کاش میں اس سے پہلے مر جاتی اور میرا نام و نشان باقی نہ رہتا یہ اس شور کی طرف اشارہ ہے جو ابتداء میں مولویوں کی طرف سے بحیثیت مجموعی پڑا اور وہ اس دعویٰ کی برداشت نہ کر سکے اور مجھے ہر ایک حیلہ سے انھوں نے فنا کرنا چاہا۔ تب اس وقت جو کرب اور قلق نا سمجھوں کا شور و غوغا دیکھ کر میرے دل پر گزرا اس کا اس

جگہ خدا تعالیٰ نے نقشہ کھینچ دیا ہے۔" (کشتی نوح صفحہ ۴۸،۴۷)

صفاتی رنگ میں مریم اور ابن مریم بننے کا ذکر ایک حدیث نبوی میں بھی آیا ہے۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

"مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا وَالشَّيْطَانُ يَمَسُّهُ حِيْنَ يُوْلَدُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ اِيَّاهُ اِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا۔" (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق جلد ۲۔ نیز بخاری کتاب التفسیر سورۃ آل عمران جلد ۱ مصری)

ترجمہ:- ہر پیدا ہونے والے بچہ کو بوقت ولادت شیطان مس کرتا ہے۔ پس وہ بچہ مسِ شیطان سے چیختا چلاتا ہے مگر مریم اور ابن مریم کو مسِ شیطان نہیں ہوتا۔"

علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں لکھا ہے:-

مَعْنَاهُ اَنَّ كُلَّ مَوْلُوْدٍ يَطْمَعُ الشَّيْطَانُ فِي اِغْوَائِهِ اِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا فَاِنَّهُمَا كَانَا مَعْصُوْمَيْنِ وَكَذٰلِكَ عَلٰى مَنْ كَانَ فِي صِفَتِهِمَا۔" اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ:-

"شیطان ہر بچہ کو گمراہ کرنا چاہتا ہے سوائے مریم اور ابنِ مریم

کے۔ کیونکہ وہ دونوں پاک تھے۔ اسی طرح ہر بچہ مسِ شیطان سے محفوظ رہتا ہے جو مریم یا ابن مریم کا ہم صفت ہو۔"

اِن معنیٰ سے ظاہر ہے کہ علامہ زمخشری کے نزدیک مریم اور ابن مریم کے الفاظ سے صرف اصلی مریم اور ابن مریم ہی مراد نہیں بلکہ بطور کنایہ ان کے ہم صفات لوگ بھی مراد ہیں جو معنوی طور پر مریم اور ابن مریم ہوتے ہیں۔ اگر اس حدیث کے یہ معنیٰ نہ لئے جائیں تو تمام انبیاء کو مسِ شیطان سے غیر محفوظ ماننا پڑے گا۔ حالانکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں یہ بھی واضح رہے کہ حدیث میں جس ولادت کا ذکر ہے اس سے مراد ولادتِ معنوی ہی ہے۔ جب کہ انسان دین کی باتوں کو سمجھنے لگ جائے اسی موقعہ پر شیطان اس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اور مریم و ابنِ مریم کی صفات رکھنے والے اولیاء اور انبیاء شیطان کی گمراہی سے محفوظ رہتے ہیں۔ ورنہ جسمانی ولادت کے وقت تو ہر بچہ روتا ہے اور چیختا چلاتا ہے اور یہ چیخنا اور چلانا تو زندگی کی علامت ہوتا ہے اور یہ چیخنا چلانا مسِ شیطان سے نہیں ہوتا بلکہ ایک طبعی امر ہے۔

مختلف اعتراضات کے جوابات

مختلف اعتراضات کے جوابات

حضرت موسیٰ ع کی حیات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب نور الحق میں لکھا ہے:

"هٰذَا هُوَ مُوْسٰی فَتَی اللّٰہِ الَّذِیْ اَشَارَ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ اِلٰی حَیَاتِہٖ وَ فَرَضَ عَلَیْنَا اَنْ نُؤْمِنَ اَنَّہٗ فِی السَّمَاءِ حَیٌّ لَمْ یَمُتْ وَ لَیْسَ مِنَ الْمَیِّتِیْنَ"

(نور الحق ص ۵۱)

ترجمہ: "یہی موسیٰ اللہ کا جوان ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں اس کی زندگی کا اشارہ کیا ہے اور ہم پر فرض کیا ہے کہ ہم ایمان لائیں کہ وہ آسمان میں زندہ ہے وہ مرا ہوا نہیں اور مرنے والوں میں سے نہیں۔"

اس عبارت کی بناء پر معترضین کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بانی سلسلہ احمدیہ نے مردہ نہیں بلکہ آسمان میں زندہ مانا ہے تو حضرت عیسیٰ ع

کو زندہ ماننا کس طرح ناممکن ہے؟

الجواب:- حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک تمام انبیاء اپنی روحانی زندگی کے ساتھ بعد از وفات آسمان میں زندہ موجود ہیں اور ان میں سے آپؑ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سب سے زیادہ فوقیت رکھتی ہے اور بے مثال ہے۔

آپؑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس عبارت میں روحانی موت کی نفی کر رہے ہیں نہ جسمانی موت کی نفی۔ اُن کی جسمانی موت کا ذکر نور الحق کے اگلے پیراگراف میں موجود ہے جس میں آپؑ فرماتے ہیں:-

"مَا مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا تُوُفِّیَ وَقَدْ خَلَتِ الرُّسُلُ مِنْ قَبْلِ عِیْسٰی"۔ (نور الحق صـ۵۲)

ترجمہ:- ہر ایک رسول نے وفات پائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے سب رسول گذر چکے ہیں۔

اس عبارت میں تمام انبیاء کے وفات پانے کا ذکر موجود ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

نور الحق کے اقتباس میں لَیْسَ مِنَ الْمَیِّتِیْنَ (کہ وہ آئندہ مرنے والوں میں سے نہیں ہیں) کے الفاظ بھی اس بات کے لیے قوی قرینہ ہیں کہ اس

جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خاکی جسم کے ساتھ زندگی زیر بحث نہیں ہے بلکہ بعد از وفات رُوحانی زندگی کا ہی ذکر ہے کیونکہ مادی جسم پر موت کا وارد ہونا بموجب آیت قرآنی "کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ" از بس ضروری ہے۔

دوسری جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام واضح طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وفات پانے کا ذکر ان الفاظ میں فرما چکے ہیں:-

"ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا جبکہ حضرت موسیٰ مصر اور کنعان کی راہ میں پہلے اس سے جو بنی اسرائیل کو وعدہ کے موافق منزلِ مقصود تک پہنچا دیں فوت ہو گئے اور بنی اسرائیل میں اُن کے مرنے سے ایک بڑا ماتم برپا ہوا جیسا کہ توریت میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل اس بے وقت موت کے صدمہ سے اور حضرت موسیٰ کی ناگہانی جدائی سے چالیس دن تک روتے رہے"۔ (الوصیت صـ۶)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی۔

نور الحق میں جو مضمون مجمل بیان ہوا ہے اس مضمون کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حمامۃ البشریٰ کے صـ۳۴، ۳۵ پر مفصل طور پر بیان فرمایا ہے۔ نور الحق میں

توحضورؑ نے یہ لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی طرف اشارہ کیا ہے اور حمامۃ البشریٰ میں از رُوئے حدیث نبوی معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انبیاء علیہم السلام سے ملنا بیان فرماتے ہیں یہ آدمؑ کو پہلے آسمان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُس کے خالہ زاد بھائی حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دوسرے آسمان میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پانچویں آسمان میں اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ تمام انبیاء کا رفع ہوا اور فرماتے ہیں کہ جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور رفع کے قائل ہیں وہ معراج کی حدیث پڑھتے ہیں اور پھر اُس کو بھول جاتے ہیں پھر آگے لکھتے ہیں :-

"أَعِيْسَىٰ حَيٌّ وَمَاتَ الْمُصْطَفٰى تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاِذَا ثَبَتَ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ كُلَّهُمْ اَحْيَاءٌ فِي السَّمٰوٰتِ فَاَيُّ خُصُوْصِيَّةٍ ثَابِتَةٌ لِحَيَاتِ الْمَسِيْحِ اَهُوَ يَشْرَبُ وَيَأْكُلُ وَهُمْ لَا يَأْكُلُوْنَ وَلَا يَشْرَبُوْنَ بَلْ حَيَاةُ كَلِيْمِ اللّٰهِ ثَابِتٌ بِنَصِّ الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ اَلَا تَقْرَأُ فِي الْقُرْاٰنِ مَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَزَّوَجَلَّ فَلَا

تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهٖ - وَاَنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ نَزَلَتْ فِيْ مُوْسٰى، فَهِيَ دَلِيْلٌ صَرِيْحٌ عَلٰى حَيَاةِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ لِاَنَّهٗ لَقِيَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاَمْوَاتُ لَا يُلَاقُوْنَ الْاَحْيَاءَ وَلَا تَجِدُ مِثْلَ هٰذِهِ الْاٰيَاتِ فِيْ شَانِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ - نَعَمْ جَاءَ ذِكْرُ وَفَاتِهٖ فِيْ مَقَامَاتٍ شَتّٰى فَتَدَبَّرْ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَدَبِّرِيْنَ ٥" (حمامۃ البشریٰ صفحہ ۳۵)

ترجمہ :- کیا عیسیٰؑ زندہ ہے اور مصطفیٰؐ وفات پا گئے ہیں یہ تو بڑی بھونڈی تقسیم ہے۔ انصاف سے کام لو کہ انصاف تقویٰ سے زیادہ قریب ہے جب ثابت ہو گیا کہ انبیاء سارے کے سارے آسمانوں میں زندہ ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کو کیا خصوصیت حاصل ہے۔ کیا وہ کھاتے اور پیتے ہیں ؟ اور دوسرے سب نبی نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کلیم اللہ کی زندگی تو قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے کیا تم قرآن میں نہیں پڑھتے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهٖ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سے ملاقات کے بارہ میں شک نہ کرنا) اور تم جانتے ہو کہ یہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں نازل ہوئی۔ پس یہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی پر صریح دلیل ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور مُردے زندوں سے ملاقات نہیں کرتے اور تم اس جیسی آیات عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں نہیں پاؤ گے۔ ہاں اُن کی وفات کا ذکر مختلف مقامات میں آیا ہے پس تدبّر سے کام لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تدبّر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک تمام انبیاء علیہم السلام آسمانوں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث معراج سے ثابت ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کی زندگی پر نص قرآنی بھی موجود ہے جو بتاتی ہے کہ معراج کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ شکّی امر نہ تھا بلکہ یہ ملاقات یقینی تھی۔ انبیاء کی اس زندگی کو جو

آسمانوں میں پائی جاتی ہے حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی سے مختلف قسم کی قرار نہیں دیا۔ بلکہ اس زندگی کو روحانی زندگی ہی تسلیم کیا ہے جو انبیاء کو بعد از وفات ملتی ہے۔

پھر آپ آئینہ کمالات اسلام کے اشتہار "قیامت کی نشانی" میں جسے صفحہ ۶۱۲ کے آگے شائع کیا ہے صفحہ د اور ذ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"انبیاء تو سب زندہ ہیں۔ مُردہ تو اُن میں سے کوئی بھی نہیں معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی لاش نظر نہ آئی سب زندہ تھے۔"

دیکھئے اللہ جلّ شانہٗ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰؑ کی زندگی کی قرآن کریم میں خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے:۔

"فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهٖ"

اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنا زندہ ہو جانا اور آسمان پر اٹھائے جانا اور رفیقِ اعلیٰ کو جا ملنا بیان فرماتے ہیں۔ پھر حضرت مسیح کی زندگی میں کونسی انوکھی بات ہے جو دوسروں میں نہیں معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کو برابر زندہ پایا اور حضرت عیسیٰ کو حضرت یحییٰ کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھا۔

خدا تعالیٰ مولوی عبدالحق محدث دہلوی پر رحم کرے وہ ایک محدّث وقت کا قول لکھتے ہیں کہ اُن کا یہی مذہب ہے کہ اگر کوئی مسلمان ہو کر کسی دوسرے نبی کی حیات کو آنحضرت صلعم کی حیات سے قوی تر سمجھے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے یا شاید یہ لکھا ہے کہ قریب ہے کہ وہ کافر ہو جائے۔" (آئینہ کمالات اسلام)

پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمانی زندگی اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی آسمانی زندگی میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ السلام کی آسمانی زندگی کو دوسرے انبیاء کی آسمانی زندگی سے قوی تر جانتے ہیں اور آیت لَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَائِهِ کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمان میں اسی طرح زندہ مانتے ہیں جس طرح دیگر انبیاء کو۔

ان سب حوالجات سے ظاہر ہے کہ یہ سراسر معترض کا مغالطہ ہے کہ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خاکی وجود کے ساتھ آسمان میں زندہ موجود ہیں۔

خدائی کے دعویٰ کا الزام

اعتراض: مرزا صاحب نے آئینہ کمالات اسلام میں اپنے آپ کو عین اللہ قرار دیکر الوہیت کا دعویٰ کیا ہے اور نئی زمین اور نیا آسمان بنانے کا ذکر کیا ہے۔

الجواب: حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب "آئینہ کمالات اسلام" میں محض اپنی ایک رؤیا لکھی ہے جو یوں ہے:-

"رَأَيْتُنِي فِي الْمَنَامِ عَيْنَ اللّٰهِ وَتَيَقَّنْتُ أَنَّنِي هُوَ وَلَمْ يَبْقَ لِي إِرَادَةٌ وَلَا خَطْرَةٌ وَلَا عَمَلٌ مِنْ جِهَةِ نَفْسِي .... وَأَعْنِي بِعَيْنِ اللّٰهِ رُجُوعَ الظِّلِّ إِلَى أَصْلِهِ وَغَيْبُوبَتَهُ فِيهِ كَمَا يَجْرِي مِثْلُ هٰذِهِ الْحَالَاتِ فِي بَعْضِ الْأَوْقَاتِ عَلَى الْمُحِبِّينَ وَتَفْصِيلُ ذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا مِنْ نِظَامِ الْخَيْرِ جَعَلَنِي مِنْ تَجَلِّيَاتِهِ الذَّاتِيَّةِ بِمَنْزِلَةِ مَشِيَّتِهِ وَعِلْمِهِ وَجَوَارِحِهِ وَ

تَوحِیدِہٖ وَتَفرِیدِہٖ لِاِتمَامِ مُرَادِہٖ وَتَکمِیلِ مَوَاعِیدِہٖ کَمَا جَرَت عَادَتُہٗ بِالاَبدَالِ وَالاَقطَابِ وَالصِّدِّیقِینَ فَرَئَیتُ اَنَّ رُوحَہٗ قَد اَحَاطَ عَلَیَّ وَاستَوٰی عَلٰی جِسمِی وَلَفَّنِی فِی ضِمنِ وُجُودِہٖ حَتّٰی مَا بَقِیَ مِنِّی ذَرَّۃٌ وَکُنتُ مِنَ الغَائِبِینَ ...... وَبَینَمَا اَنَا فِی ھٰذِہِ الحَالَۃِ کُنتُ اَقُولُ اِنَّا نُرِیدُ نِظَامًا جَدِیدًا سَمَاءً جَدِیدًا وَاَرضًا جَدِیدَۃً فَخَلَقتُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ اَوَّلًا بِصُورَۃٍ اِجمَالِیَّۃٍ لَا تَفرِیقَ فِیھَا وَلَا تَرتِیبَ ثُمَّ فَرَّقتُھَا وَرَتَّبتُھَا بِوَضعٍ ھُوَ مُرَادُ الحَقِّ وَکُنتُ اَجِدُ نَفسِی عَلٰی خَلقِھَا کَالقَادِرِینَ ...... وَاُلقِیَ فِی قَلبِی اَنَّ ھٰذَا الخَلقَ الَّذِی رَئَیتُہٗ اِشَارَۃٌ اِلٰی تَائِیدَاتٍ سَمَاوِیَّۃٍ وَاَرضِیَّۃٍ ...... وَلَا نَعنِی بِھٰذِہِ الوَاقِعَۃِ کَمَا یُعنٰی فِی کُتُبِ اَصحَابِ وَحدَۃِ الوُجُودِ وَمَا نَعنِی بِذٰلِکَ مَا ھُوَ مَذھَبُ الحُلُولِیِّینَ بَل ھٰذِہِ الوَاقِعَۃُ تُوَافِقُ حَدِیثَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ اَعنِی

بِذٰلِکَ حَدِیثَ البُخَارِیِّ فِی بَیَانِ مَرتَبَۃِ قُربِ النَّوَافِلِ لِعِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِینَ۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۶۴ تا ص۵۶۶)

ترجمہ:۔ "میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں اور میرا اپنا کوئی ارادہ کوئی خیال اور کوئی عمل نہیں رہا .... عین اللہ سے مراد میری ظلّ کا اپنے اصل کی طرف رجوع کرنا اور اس کی طرف غائب ہو جانا ہے جیسا کہ اس قسم کے حالات خدا کے پیاروں پر بعض اوقات طاری ہوتے ہیں اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ایک اچھے نظام کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے مجھے اپنی ذاتی تجلی سے بمنزلہ اپنی مشیت اپنے علم اور اپنے جوارح اور بمنزلہ اپنی توحید و تفرید کے بنا لیا۔ اپنی مراد کو پورا کرنے اور اپنے وعدوں کی تکمیل کے لیے جیسا کہ اس کی عادت ابدال اور اقطاب اور صدیقوں کے لیے جاری ہے۔
پس میں نے دیکھا کہ اس کی روح نے میرا احاطہ کر لیا ہے اور اس نے میرے جسم پر مستولی ہو کر اپنے وجود میں مجھے پنہاں کر لیا ہے۔

یہاں تک کہ میرا کوئی ذرہ بھی باقی نہیں رہا اور میں غائبین میں سے
ہو گیا .... اس اثناء میں کہ میں اس حالت میں تھا میں کہتا تھا کہ ہم
ایک نیا نظام۔ نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں پس میں نے آسمانوں
اور زمین کو پہلے اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی تفریق اور ترتیب
موجود نہ تھی پھر میں نے منشاء حق کے موافق اس کی ترتیب اور
تفریق کی اور میں دیکھتا تھا کہ میں اسکے خلق پر قادر ہوں ....
میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ پیدائش جسے میں نے دیکھا ہے
آسمانی اور ارضی تائیدات کی طرف اشارہ ہے .... اور ہم اس
واقعہ سے وہ مراد نہیں لیتے جو وحدت الوجود ماننے والوں کی کتابوں
میں مراد لیا جاتا ہے اور نہ اس واقعہ کو حلول کے قائل لوگوں کے مذہب
کے مطابق مانتے ہیں۔ بلکہ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے
مطابق ہے۔ میری مراد اس سے بخاری کی وہ حدیث ہے جو کہ خدا کے
نیک بندوں کے لیے قرب نوافل کے مرتبہ کے بیان پر مشتمل ہے۔"

اس رؤیا کی تشریح جو خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کر دی ہے
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک کشفی واقعہ تھا جو آپ کے اس طرح فانی فی اللہ ہونے کو ظاہر کرنے

والا تھا جس طرح اولیاء۔ ابدال اور اقطاب خدا تعالیٰ کی ذات میں فانی ہوتے ہیں اور ان پر
بعض اوقات ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے کہ ان کا اپنا وجود مخفی ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ
کی تجلیات ذاتیہ وارد ہو کر اسے اپنی ذات عین خدا نظر آتی ہے مگر وہ درحقیقت خدا نہیں
بن جاتا بلکہ مراد اس سے صرف یہ ہوتا ہے کہ ظل نے اپنے اصل کی طرف رجوع کیا ہے اور
ظل پر اصل مستولی ہو گیا ہے اور ظل اصل میں غائب ہو گیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث
میں وارد ہے:۔

"مَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ
فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ
وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَ
رِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا" (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع)

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔
کہ نفل گذار بندہ میرے قرب میں ترقی کرتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے
محبت کرنے لگتا ہوں پس جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں
اُس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اس کی آنکھ بن جاتا ہوں
جن سے وہ دیکھتا ہے اسکے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا

پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ رؤیا بخاری شریف کی مذکورہ حدیث سے موافق ہے جس میں خدا کے اپنے محبوب بندے کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بن جانے کا ذکر ہے اور یہ دراصل وحدت شہودی کا مقام ہوتا ہے نہ کہ وحدت الوجود کا۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف فرما دیا ہے کہ اس واقعہ سے نہ وحدت الوجود مراد ہے اور نہ خدا کا بندے میں حلول کر جانا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ اس مرتبہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"وآں مرتبہ قرب نوافل کہ مقام فناء صفات
است و نزد محققین اَنَا الحَق ناشی ازیں شہود"

(فتوح الغیب فارسی مقالہ ۳ صفحہ ۱)

ترجمہ:۔ "قرب نوافل کا وہ مرتبہ جو اپنی صفات کو فناء کرنے کا مقام ہے اور اس سے محققین کے نزدیک اَنَا الحَق کا شہود پیدا ہوتا ہے۔"

کئی بزرگانِ امت کو وحدت کا یہ مقام حاصل ہوا چنانچہ حضرت شیخ فریدالدین عطار فرماتے ہیں:۔

؎ منم خدا منم من خدا   فارغ از کینہ و از کبر و ہوا

کہ کینہ اور کبر اور حرص سے فارغ ہو کر میں خدا ہوں میں خدا ہوں میں خدا ہوں۔ (فوائد فریدیہ مترجم بار اول صفحہ ۸۵)

۲۔ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:۔

"میں کہتا ہوں اور میں ہی سنتا ہوں۔ دونوں جہان میں میرے سوا کوئی اور نہیں۔" (فوائد فریدیہ مترجم صفحہ ۷۲ مطبوعہ ڈیرہ غازیخان)

۳۔ حضرت معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ اسی فنا فی اللہ کے ذکر کی حالت کے متعلق فرماتے ہیں:۔

؎ نہ عصیاں ماند نے طاعت   شدم محو اندراں ساعت
چناں گشتم دراں حالت   کہ وے من گشت و منم وے

(دیوان معین الدین)

"یعنی حالت فناء میں نہ نافرمانی رہی نہ فرمانبرداری۔ میں اس گھڑی اس ذات باری میں ایسا محو ہو گیا کہ وہ میں ہو گیا اور میں وہ۔"

بعض صوفیاء نے تو یہاں تک فرمایا ہے:۔

سُبحَانِی مَا اَعظَمُ شَانِی۔ (قول ابویزید بحوالہ کشف المحجوب اردو صفحہ ۲۸۷)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس کشف پر جب آپ کی زندگی میں

مخالفین نے اعتراض کیا۔ تو آپ نے اس کے جواب میں لکھا:۔

"ایک دفعہ کشفی رنگ میں میں نے دیکھا کہ میں نے نئی زمین اور آسمان پیدا کیا ہے اور پھر میں نے کہا کہ آؤ اب انسان کو پیدا کریں۔ اس پر نادان مولویوں نے شور مچایا کہ دیکھو اب اس شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔

حالانکہ اس کشف سے یہ مطلب تھا کہ خدا میرے ہاتھ پر ایک ایسی تبدیلی کریگا کہ گویا آسمان اور زمین نئے پیدا ہو جائیں گے اور حقیقی انسان پیدا ہوں گے۔" (چشمہ مسیحی حاشیہ صفحہ ۵۸ طبع اول)

پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

"وہ کیا ہے نیا آسمان اور کیا ہے نئی زمین؟ نئی زمین وہ پاک دل ہیں جن کو خدا اپنے ہاتھ سے تیار کر رہا ہے جو خدا سے ظاہر ہوئے اور خدا اُن سے ظاہر ہوگا اور نیا آسمان وہ نشان ہیں جو اس کے بندے کے ہاتھ سے اُسی کے اذن سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ لیکن افسوس کہ دنیا نے خدا کی اس نئی تجلی سے دشمنی کی۔"

(کشتی نوح صفحہ ۷ طبع اول)

پھر اصولی طور پر لکھتے ہیں:۔

"ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت میں روحانی طور پر نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۹۹)

نئی زمین اور نیا آسمان بنانے کا محاورہ اہل علم میں مشہور ہے شاعر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال لکھتے ہیں ؎

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیر تقدیر | خواب میں دیکھتا ہے عالم نو کی تصویر
اور جب بانگ اذاں کرتی ہے بیدار اُسے | کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دنیا تعمیر

(ضرب کلیم زیر عنوان "عالم نو" صفحہ ۱۳۰ طبع ہفتم ۱۹۴۷ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:۔

"شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے لیڈر اپنے خیالات کے مطابق خود کوئی عملی تحریک اٹھاتے ہیں اور بگڑی ہوئی دنیا کو توڑ موڑ کر اپنے ہاتھوں سے نئی دنیا بنانے کے لیے میدان میں نکل آتے ہیں۔" (تجدید و احیائے دین بحوالہ الفرقان صفحہ ۸ مرتبہ خورشید الاسلام علی گڑھ)

ہم اس بحث کو تعطیر الانام کے اس حوالہ پر ختم کرتے ہیں اس میں لکھا ہے:۔

مَن رأی فِی المنامِ کانّہ صار الحق سبحانہ تعالیٰ اھتدیٰ الی

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" (تعطیر الانام صفحہ ۹)

"کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ خدا بن گیا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اس شخص کو سیدھی راہ کی ہدایت مل گئی"

پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے اس کشف کی تعبیر یہی ہے کہ آپؑ صراطِ مستقیم پر ہیں اور معترضین حق پر نہیں۔

واضح ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے رؤیا میں دیکھا تھا جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:-

"اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ" (سورۃ یوسف آیت ۵)

حضرت یوسفؑ باپ کو خواب بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ چاند اور سورج اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

دوسری طرف سورۃ حج میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ۔

(سورۃ حج آیت ۱۹)

یعنی کیا تو نے دیکھا نہیں کہ جو کوئی بھی آسمان میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کر رہا ہے اور جو کوئی زمین میں ہے وہ بھی اور سورج چاند ستارے، پہاڑ، درخت اور چارپائے بھی اور لوگوں میں سے بھی بہت سے۔"

اس آیت سے ظاہر ہے کہ سجدہ صرف خدا کو کیا جاتا ہے اُدھر حضرت یوسف علیہ السلام کی رؤیا ہے کہ سورج چاند اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ تو کیا اس سے ان کی خدائی کا دعویٰ لازم آئے گا۔ کوئی بے وقوف ہی ایسا خیال کر سکتا ہے۔ کیونکہ خواب ہمیشہ تعبیر طلب ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب مصر میں حضرت یوسفؑ کے والدین اور گیارہ بھائی آئے اور انہوں نے یوسفؑ کی عظمت کا اظہار کیا تو اس موقعہ پر حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:-

"هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا" (سورۃ یوسف آیت ۱۰۱)

"کہ یہ میری اس خواب کی تعبیر ہے جسے میرے رب نے سچا کر دکھایا۔"

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا ہے:-

"وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی۔"

(سورۃ انفال آیت ۱۸)

کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر میں کنکروں کی جو مٹھی
تو نے دشمنوں کی طرف پھینکی تھی وہ تو نے نہیں پھینکی تھی اللہ
نے پھینکی تھی۔

یہ آیت قرآنیہ تصوف کی جان ہے اور اس میں بظاہر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فعل کو اللہ کا فعل قرار دیا ہے۔ اور بڑا ہی بے وقوف وہ شخص ہوگا جو اس سے یہ نتیجہ نکالے۔ کہ اس آیت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کو اس جگہ منفی قرار دیکر جو کام آپؐ نے کیا۔ اس کی اپنی طرف نسبت دی ہے اس لیے کہ آپؐ فنا فی اللہ کے اتم درجہ پر پہنچے ہوئے تھے اور سر سے پاؤں تک اللہ تعالیٰ آپؐ میں مخفی تھا اسی قسم کی کیفیت بعض اوقات خدا کے برگزیدہ پر طاری ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہہ اٹھتا ہے ؎

سر سے لیکر پاؤں تک وہ یار مجھ میں ہے نہاں
اے مرے بدخواہ کرنا ہوش کر کے مجھ پہ وار

جنگ بدر میں اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ایک الٰہی

فعل تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت اس طرح شامل حال ہوئی۔ کہ کنکروں کی مٹھی ایک تیز آندھی میں مبدل ہو گئی جس کا رُخ دشمنان اسلام کی طرف تھا اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے تیر نہایت تیزی سے کافروں کو نشانہ بنا رہے تھے اور کافروں کا کوئی تیر مسلمانوں تک پہنچ نہیں سکتا تھا لہٰذا اس معجزانہ الٰہی قوت نے جنگِ بدر میں ایسا نشان دکھایا کہ دشمنِ اسلام مسلمانوں سے تین گنا زیادہ جمعیت اور ساز و سامان رکھنے کے باوجود ذلت آمیز شکست کھا گیا۔

اولیاء پر بھی کبھی ایسی حالت طاری ہوتی ہے اور وہ کہہ اٹھتے ہیں جیسا کہ سید عبدالقادر جیلانی پیرِ پیران نے کہا:۔

"لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ"

(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ص ۲۴۴ مکتوب ۲۹۲)

ترجمہ:۔ "کہ میرے پیرہن میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں"

اسی فنا فی اللہ کی حالت میں دراصل اولیاء اللہ سے ایسی کرامات صادر ہوتی ہیں جن میں الٰہی تصرف نظر آتا ہے۔

تشریعی اور مستقلہ نبوت کے ادعا کا الزام

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ الزام دیا ہے کہ :-

"مرزا صاحب کی تصنیفات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے نبی مستقل صاحب شریعت ہونے کے بھی قائل تھے ۔ انہوں نے اربعین میں تشریعی یا صاحب شریعت نبی کی تعریف کی ہے جس کی وحی میں امر و نہی ہو ۔ اور وہ کوئی قانون مقرر کرے اگرچہ یہ امر و نہی کسی نبی سابق کی کتاب میں پہلے آچکے ہوں ۔ اُن کے نزدیک صاحب شریعت نبی کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ بالکل جدید احکام لائے پھر وہ صاف دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس تعریف کے مطابق صاحب شریعت اور مستقل نبی ہیں ۔"

(قادیانیت صفحہ ۹۴، ۹۵)

الجواب :- مولوی ابوالحسن صاحب کا یہ الزام درست نہیں ۔ ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی تحریر میں یہ دعویٰ موجود نہیں کہ وہ مستقل

نبی ہیں ۔ آپ کا دعویٰ صرف یہ ہے کہ آپ ایک پہلو سے اُمتی ہیں اور ایک پہلو سے نبی ہیں اور یہ مقام آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افاضۂ رُوحانی سے حاصل کیا ہے اربعین کا جو حوالہ مولوی ابوالحسن صاحب نے پیش کیا ہے اس میں ہرگز ایسے الفاظ موجود نہیں کہ آپ مستقل نبی ہیں یا صاحب شریعت جدیدہ نبی ہیں ۔ اربعین سے ایک سال بعد کی تصنیف اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں فرماتے ہیں :-

"جس جس جگہ مَیں نے نبوّت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ مَیں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ ہی مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ مَیں نے اپنے رسول مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کرکے اور اپنے لیے اس کا نام پاکر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں ۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے ۔" (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۴، ۵)

تشریعی نبی آپ کے نزدیک وہ ہوتا ہے جو شریعتِ جدیدہ لائے چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ نبوت تشریعی کا دروازہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی

کتاب نہیں جو نئے احکام لائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اس کی پیروی معطل کرے بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے"۔

(الوصیت صفحہ ۱۲ حاشیہ)

نیز تحریر فرماتے ہیں :۔

"ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سید و مولا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں نہ کوئی شریعت ہے اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردود ہے"۔ (چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۴)

یہ سب عبارتیں اربعین سے بعد کی ہیں۔ ان سے ظاہر ہے کہ آپ پر تشریعی نبوت اور مستقل نبوت کے دعویٰ کا الزام سراسر مردود ہے۔

اربعین کی عبارت کو ان حوالہ جات کی روشنی میں پڑھنا چاہیئے۔ حضرت مسیح موعود پر شریعت اسلامیہ کے بعض اوامر اور نواہی کا نزول بطور تجدید شریعت ہے نہ بطور شریعت جدیدہ اور تشریعی نبی آپ اُسے ہی قرار دیتے ہیں جو شریعت جدیدہ لائے یا شریعت سابقہ کے کسی حکم کو منسوخ یا معطل کرے پس بالواسطہ صاحب شریعت ہونا اور بات ہے اور مستقل طور پر تشریعی نبی ہونا اور بات ہے صاحب شریعت

تو ایک معنی میں ہر مومن ہوتا ہے لہٰذا مجددِ دین بدرجہ اولیٰ صاحب شریعت ہوتا ہے اگر مجددِ دین پر اس کی مسلّمہ شریعت کے بعض اوامر اور نواہی بذریعہ الہام نازل ہوں تو وہ اوامر اور نواہی تو شریعت ہی ہونگے لیکن جس پر نازل ہوں ان سے وہ مستقل صاحب شریعت نہیں بن جاتا۔ ان اوامر و نواہی کے نزول کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مجدد کے لیے ان باتوں پر زور دینا ضروری ہے۔ علماءِ امت کو یہ مسلّم ہے کہ مسیح موعود پر شریعتِ محمدیہ کا نزول ہوگا۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانیؒ حضرت محی الدین ابن العربیؒ کا مذہب یوں لکھتے ہیں :۔

"يُرْسَلُ وَلِيًّا ذَا نُبُوَّةٍ مُطْلَقَةٍ وَيُلْهَمُ بِشَرْعِ مُحَمَّدٍ"۔

"یعنی مسیح موعود ایسے ولی کی صورت میں بھیجا جائیگا۔ جو نبوت مطلقہ کا حامل ہوگا اور اس پر شریعتِ محمدیہ الہاماً نازل ہوگی"۔

(الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۸۹ بحث ۴۷)

فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۲۸ پر لکھا ہے۔

"تَنَزُّلُ الْقُرْآنِ عَلَى قُلُوْبِ الْأَوْلِيَاءِ مَا انْقَطَعَ مَعَ كَوْنِهٖ مَحْفُوْظًا لَهُمْ وَلٰكِنْ لَهُمْ ذَوْقُ الْإِنْزَالِ وَهٰذَا لِبَعْضِهِمْ"۔

"کہ قرآنِ کریم کا نزول اولیاء کے قلوب پر منقطع نہیں باوجودیکہ ان کے پاس اپنی اصلی صورت میں محفوظ ہے لیکن اولیاء اللہ کو نزولِ قرآنی کے ذوق کی خاطر قرآن ان پر نازل ہوتا ہے اور یہ شان بعض کو عطا کی جاتی ہے۔"

اسی شان کا بالواسطہ صاحب شریعت مسیح موعود کو سمجھنا چاہئیے نہ کہ شریعت مستقلہ کا حامل جس سے تشریعی نبی ہونا لازم آتا ہے۔ افسوس ہے کہ مولوی ابوالحسن صاحب نے اربعین کا حوالہ پورا پیش نہیں کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آگے لکھتے ہیں:۔

"میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے" (اربعین عـــ۴ـــ ص ۶ حاشیہ)

پھر اربعین میں زیر بحث حوالہ کے ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں:۔

"ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن ربانی کتابوں کا خاتم ہے تاہم خدا تعالیٰ نے اپنے نفس پر حرام نہیں کیا کہ تجدید کے طور پر کسی مامور کے ذریعہ یہ احکام صادر کرے کہ جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹی گواہی نہ دو۔ زنا نہ کرو۔ خون نہ کرو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا بیان کرنا بیان شریعت ہے جو مسیح موعود کا بھی کام ہے" (اربعین عـــ۴ ص ۸)

پس مسیح موعود ان معنوں میں صاحب شریعت ہیں کہ ان کے ذریعہ بیان

شریعت مقصود تھا نہ کہ نئی شریعت مستقلہ۔ شریعت لانا۔ پس مولوی ابوالحسن صاحب ندوی جیسے عالم کا اربعین کی عبارت سے مسیح موعود علیہ السلام پر تشریعی اور مستقلہ نبوت کا الزام دینا تعجب انگیز ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے کسی معاون نے اُدھورے حوالے اُن کے سامنے پیش کئے ہیں۔

اب ہم اربعین کے حوالہ کو پیش کر کے اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ حضورؑ نے اپنے تئیں کیوں صاحب شریعت لکھا سو واضح ہو کہ اس کتاب میں حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی صداقت کی نسبت آیت "وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ" کی روشنی میں یہ دلیل دی تھی کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی والہام کے دعویٰ کے بعد ۲۳ سال کی لمبی عمر پائی جو آپؐ کی سچائی کی دلیل ہے۔ اسی طرح میرے دعویٰ وحی والہام پر بھی ۲۳ سال کا عرصہ گذر چکا ہے سو خدا نے مجھے ہلاک نہیں کیا۔ حالانکہ اس آیت کی رُو سے خدا کا قانون ہے کہ وہ جھوٹے نبی کو اتنی مہلت نہیں دیتا جتنی مہلت اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ بلکہ اس مدت سے پہلے ہی اس کو ہلاک کر دیتا ہے اس پر بعض ملفوں کی طرف سے یہ اعتراض ہوا کہ خدا تعالیٰ کی یہ وعید جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے اس کا تعلق اس مدعی سے ہے جو شریعت کے امر و نواہی پر مشتمل ہو۔ اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اربعین کی

وہ عبارت لکھی جسے مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے ادھورا پیش کیا ہے۔ وہ عبارت یہ ہے:-

"ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی
وحی کے ذریعہ چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون
مقرر کیا وہی صاحب الشریعۃ ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی
ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی
مثلاً یہ الہام قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم
ذلک ازکی لھم۔ یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں
امر بھی ہے اور نہی بھی اور اس پر تئیس برس کی مدت بھی گزر
گئی۔ ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور
نہی بھی۔" (اربعین نمبر ۴ صفحہ ۶)

واضح ہو یہ ساری عبارت بطور الزام خصم کے ہے کہ اگر لو تقول علینا والی
وعید کو اوامر و نواہی سے مخصوص کیا جائے جن میں بناوٹ کا دخل ہو تو پھر مدعی
پکڑا جاتا ہے حضور نے مخالفین پر حجت ملزمہ قائم کر دی ہے کہ تم صاحب شریعت
کی یہ تعریف کرو کہ اس کی وحی میں اوامر و نواہی ہوتے ہیں تو میری وحی میں اوامر
بھی ہیں اور نواہی بھی اور ان پر تئیس برس کا عرصہ بھی گزر گیا ہے تو اب تم پر فرض ہو

گیا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت کی روشنی میں مجھے سچا جانو۔ پھر آگے لکھا ہے کہ:-

"اگر کہو شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں احکام ہوں تو
یہ باطل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ
الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی یعنی قرآنی تعلیم توراۃ
میں بھی موجود ہے اگر کہو شریعت وہ ہے جس میں باستیفاء
احکام شریعت کا ذکر ہوتا ہے تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔ غرض
یہ سب خیالات فضول اور کوتاہ اندیشیاں ہیں۔" (اربعین نمبر ۴ صفحہ ۷)

اس جگہ تعریف شریعت مطلقہ کی ہو رہی ہے نہ شریعت جدیدہ کی جو شریعت
مطلقہ کی ایک مقید صورت ہے اور جو شریعت سابقہ میں ترمیم و تنسیخ کا نام ہے
یا اوامر و نواہی جدیدہ کا نام ہے اسی کا حامل حضرت مرزا صاحب کے نزدیک تشریعی
نبی کہلاتا ہے محض شریعت مطلقہ کا حامل جس کا نزول تجدید دین اور بیان شریعت
کے طور پر ہو تشریعی نبی نہیں ہوتا خواہ اس پر اوامر و نواہی نازل ہوں۔ یہی حضرت مسیح
موعود کا مذہب ہے کیونکہ وہ اوامر و نواہی صرف تجدید دین اور بیان شریعت کے طور پر ہونگے نہ شریعت مستقلہ
لانے کے طور پر اور ایسا ملہم بالواسطہ صاحب شریعت ہوگا نہ براہ راست لہذا وہ تشریعی نبی نہیں کہلا سکتا اور نہ
مستقل صاحب شریعت نبی کہلا سکتا ہے خلاصہ بحث یہ ہے کہ تجدید دین کے طور پر شریعت سابقہ
کے اوامر و نواہی کا نزول گو شریعت ہی ہے اور اس کا حامل بیان شریعت کے واسطے صاحب شریعت

کہلا سکتا ہے مگر تشریعی نبی یا نبوتِ مستقلہ کا حامل ہرگز نہیں کہلا سکتا۔

اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں آپؑ نے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ مستقل شریعت لانے یا مستقل نبی ہونے سے صاف انکار کیا ہے پس آپ پر جو شریعت کے احکام نازل ہوئے وہ بالاستقلال نہیں۔ اس لیے اربعین کے حوالہ کی بناء پر آپؑ کو مستقل صاحبِ شریعت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ایسا الزام سراسر بے بنیاد ہے۔ جس کی تردید پر حضورؑ کی تصنیفات گواہ ہیں۔

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی اپنے الزام کو مضبوط کرنے کے لیے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ تشریعی نبی ہونے کا تھا تریاق القلوب صفحہ ۱۳۰ کے حاشیہ کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں:۔

"یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعویٰ سے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے احکام جدیدہ اور شریعت لاتے ہیں۔ لیکن صاحبِ شریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں گو وہ کیسے ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعتِ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن سکتا۔"

پھر اس کے مقابل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض عبارتیں پیش کی ہیں۔

۱۔ "مجھے الہام ہوا ہے جو شخص تیری پیروی نہیں کریگا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہوگا۔" (معیار الاخیار صفحہ ۸)

۲۔ "خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اُس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔"

(الذکر الحکیم ۲ صفحہ ۲۴)

۳۔ "کفر دو قسم پر ہے۔ (اوّل) ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ (دوم) دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لیے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں کیونکہ جو شخص باوجود شناخت کر لینے کے خدا اور رسول کے حکم کو نہیں مانتا وہ بموجب نصوص صریحہ قرآن اور

حدیث کے خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا" (حقیقۃ الوحی ص۱۷۹)

افسوس ہے کہ ابوالحسن صاحب ندوی نے اگلی عبارت درج نہیں کی جو آپؑ کے مذہب کی وضاحت کرتی ہے اور وہ یہ ہے :-

"اس میں شک نہیں کہ جس پر خدا تعالیٰ کے نزدیک اوّل قسم کفر یا دوسری قسم کفر کی نسبت اتمام حجت ہو چکا ہے وہ قیامت کے دن مواخذہ کے لائق ہو گا اور جس پر خدا تعالیٰ کے نزدیک اتمام حُجّت نہیں ہوا اور وہ مکذّب اور منکر ہے تو گو شریعت نے جس کی بناء ظاہر پر ہے اس کا نام بھی کافر ہی رکھا ہے اور ہم بھی اس کو باتباعِ شریعت کافر کے نام سے ہی پکارتے ہیں مگر پھر بھی وہ خدا کے نزدیک بموجب آیت لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے قابلِ مؤاخذہ نہیں ہو گا۔ ہاں ہم اس بات کے مجاز نہیں ہیں کہ اس کی نجات کا حکم دیں اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے ہمیں اس میں دخل نہیں اور جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں یہ علم محض خدا تعالیٰ کو ہے کہ اس کے نزدیک باوجود دلائل عقلیہ اور نقلیہ اور عمدہ تعلیم اور آسمانی نشانوں کے کس پر ابھی تک اتمام حُجّت نہیں ہوا" (حقیقۃ الوحی ص۱۸۰)

اور صفحہ ۱۷۹ پر یہ لکھتے ہیں :-

"بہر حال کسی کے کفر اور اس پر اتمام حُجّت کے بارے میں فرد فرد کا حال دریافت کرنا ہمارا کام نہیں ہے یہ اس کا کام ہے جو عالم الغیب ہے ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ خدا کے نزدیک جس پر اتمام حجت ہو چکا ہے لہٰذا خدا کے نزدیک جو منکر ٹھہر چکا ہے وہ مواخذہ کے لائق ہو گا"

ص۱۷۹ اور ص۱۸۰ کی ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ آپؑ کے نزدیک جہنّمی صرف وہ کافر ہے جس پر اتمام حجت ہو چکا ہو اور پھر آپکو جھوٹا جانتا ہو ورنہ اگر کسی شخص پر اتمام حجت نہیں ہوا اور وہ آپ کا مکذب اور منکر ہے تو وہ قابلِ مؤاخذہ یعنی جہنمی نہیں ہو گا۔

دُوسری عبارت میں جو یہ لکھا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کامل مسلمان نہیں ہے اس جگہ نفی علی الاطلاق مراد نہیں بلکہ نفیٔ کمال مراد ہے جس پر آپ کا الہام "مسلماں را مسلماں باز کردند" جو مسلمان کو پورا مسلمان کرنے کے ذکر پر مشتمل ہے ۔شاہدِ ناطق ہے۔ آپؑ کے اس الہام میں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے منکرین مسلمانوں کا نام مسلمان ہی رکھا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا آپؑ کے خلفاء نے بھی آپؑ کا انکار کرنے والے مسلمانوں کو کہیں بھی غیر مسلم یا غیر مسلموں کی طرح کافر قرار نہیں دیا۔

تریاق القلوب کی جو عبارت مولوی ابو الحسن صاحب ندوی نے پیش کی ہے اس
سے ان الفاظ کا منطوق کہ اپنے دعویٰ سے انکار کرنے والوں کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں
کا کام ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں حقیقۃ الوحی کی
پیش کردہ عبارت کی روشنی میں کافر قسم اوّل ہے نہ کافر قسم دوم اور مسیح موعود کا انکار
کفر قسم اوّل قرار نہیں دیا گیا کیونکہ آپ شریعت جدیدہ لانے والے نہیں بلکہ کفر قسم دوم
قرار دیا گیا ہے اور ہمارے نزدیک کفر قسم دوم سے کلمہ گو مسلمان کافر قسم اوّل یا غیر مسلم
نہیں ہو جاتے بلکہ ملّت اسلامیہ کی ظاہری چار دیواری میں داخل ہی سمجھے جاتے ہیں قسم
دوم کی وجہ کفر پایا جانے کے باوجود ہم انہیں مسلمان ہی کہتے ہیں نہ غیر مسلموں کی طرح کافر۔
صرف شریعت جدیدہ لانے والے انبیاء کا انکار ہی کفر قسم اوّل ہوگا اس لئے یہی تریاق
القلوب میں مراد ہے کیونکہ مسیح موعود شریعت جدیدہ لانیوالے نبی نہیں ہیں جیسا
کہ پہلے بیان ہو چکا ہے چونکہ آپؑ غیر تشریعی اُمتی نبی ہیں اس لیے آپؑ کا منکر مسلمانوں
میں سے اُمتی کافر ہوگا نہ کہ غیر مسلم۔

دونوں قسم کے کفر کو ایک قسم کا کفر اطلاق جنس کے لحاظ سے قرار دیا گیا ہے
نہ حقیقت کے لحاظ سے انواع میں دونوں قسم کے منکرین کفر میں ہم مسلم اور غیر مسلم کا
فرق کریں گے۔ رہا باطن کا معاملہ۔ سو اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ دونوں

قسم کے کفر میں جس شخص پر اتمام حجت ہو چکا ہوگا۔ وہ قابلِ مؤاخذہ ہوگا اور جس پر
اتمام حجت نہیں ہوا ہوگا وہ قابل مؤاخذہ نہیں ہوگا اور اتمام حجت کا علم بموجب قول
حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کو ہے جو عالم الغیب ہے پس فرد فرد کے جہنمی
ہونے کا فتویٰ ہم نہیں دے سکتے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکذّب اور منکر قرار پا چکا ہے
خواہ غیر مسلم ہو یا مسلم منکر مسیح موعود ہی قابل مؤاخذہ ہوگا یہ ہے مفہوم اس عبارت کا
کہ "اگر غور سے دیکھا جائے تو دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں" ورنہ حقیقت
میں دو قسموں کا ایک قسم ہونا محال ہے۔ کیونکہ قسمیں باہم متخالف اور متباین ہوتی ہیں۔

پس حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ اپنے مکفّرین اور مکذّبین کو کافر قسم اوّل
قرار نہیں دیتے اور آپ کے نزدیک کافر قسم اوّل وہ ہوتا ہے جو سرے سے اسلام کا یا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہو۔

پس مولوی ابو الحسن صاحب کا پیش کردہ نتیجہ سراسر غلط ہے کہ مرزا صاحب شریعت
مستقلہ لانے والے نبی ہیں۔ بالفرض مولوی ابو الحسن صاحب ندوی کا مزعوم مسیح
اگر آ جاتے تو اس کا منکر کافر ہوگا یا نہیں؟ اور اس کے منکر کو گروہ کافر قرار دیں تو کیا
وہ شریعت مستقلہ لانے کا مدعی ہوگا اور قرآن مجید کے بعد وہ کوئی نئی شریعت لانے
والا نبی ہوگا؟ اگر نہیں تو منطقی طور پر آپ کو بھی کہنا پڑیگا کہ مسیح موعود کا منکر کافر قسم دوم ہوگا

نہ کافر قسم اوّل تبھی ان کا مزعوم مسیح موعود شریعتِ جدیدہ لانے کے دعوے کے الزام سے بچ سکتا ہے۔

ایک اور نکتہ یاد رکھنے کے قابل

جس کی عبارت میں دوسری قسم اس شخص کو قرار دیا گیا ہے جو باوجود اتمامِ حجت کے مسیح موعود کو جھوٹا جانتا ہو کیونکہ آپ کے الفاظ یہ ہیں:۔

"دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کے باوجود اتمامِ حجت کے جھوٹا جانتا ہے۔"

پس جس پر اتمامِ حجت نہ ہوا ہو اس میں کفر قسم دوم کی وجہ عند اللہ نہیں پائی جائے گی۔ ہاں چونکہ شریعت کی بناء ظاہر پر ہے اور اتمامِ حجت کا علم محض خدا تعالیٰ کو ہے اس لیے منکرین مسیح موعودؑ مسلمانوں کے متعلق حجت پوری ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ ہم نہیں کر سکتے اور ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شخص پر اتمامِ حجت نہیں ہوا۔ بلکہ ایسے لوگوں کو منکرین مسیح موعودؑ کے زمرہ میں ہی شمار کیا جا سکتا ہے ہاں جماعت احمدیہ ایسے مسلمانوں کو ہرگز غیر مسلموں کی طرح کافر قسم اوّل نہیں جانتی اور جماعت احمدیہ کے کسی خلیفہ نے ایسے مسلمانوں کو جو منکر مسیح موعود ہوں کبھی غیر مسلم بھی قرار نہیں دیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا بیان جو آئینہ صداقت

سے ابوالحسن صاحب نے نقل کیا ہے کہ:۔

"کل مسلمان جو حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔"

یہ آخری فقرہ بطور تغلیظ ہے اور مراد اس سے صرف یہ ہے کہ وہ حقیقتِ اسلام کو پانے سے محروم ہیں ورنہ انہیں اسجگہ مسلمان ہی کہا گیا ہے جس پر "کل مسلمان" کے الفاظ شاہدِ ناطق ہیں انہیں غیر مسلم قرار نہیں دیا گیا۔ آپکا یہ فقرہ اس حدیث نبوی کے مفہوم میں ہے جس میں آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

"من مشٰی مع ظالم لیقویہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خرج من الاسلام"

کہ جو ظالم کی تائید کے لیے کھڑا ہوا وہ اسلام سے نکل گیا۔ اس سے بھی مراد یہ ہے کہ اس کا یہ فعل حقیقتِ اسلام سے بعید ہے نہ یہ کہ وہ غیر مسلم ہو جاتا ہے۔

تحقیقاتی کمیشن کے سامنے خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس عبارت کی ایسی ہی تشریح کی تھی کیونکہ آپؓ کا مذہب یہ ہے:۔

"کافر کے ہم ہرگز یہ معنے نہیں لیتے کہ ایسا شخص جو کہتا ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہوں اُسے کون کہہ سکتا ہے کہ تو نہیں مانتا۔ یا کافر کے ہم ہرگز یہ معنے نہیں لیتے کہ ایسا شخص خدا تعالیٰ کا منکر ہوتا ہے جب

کوئی شخص کہتا ہو کہ میں خدا تعالیٰ کو مانتا ہوں تو ایسے شخص کو کون کہتا ہے کہ تو خدا تعالیٰ کو نہیں مانتا۔ ہمارے نزدیک اسلام کے اصول میں سے کسی اصل کا انکار کفر ہے جس کے بغیر کوئی شخص حقیقی طور پر مسلمان نہیں کہلا سکتا ہمارا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ کافر جہنمی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کافر ہو اور وہ جنتی ہو مثلاً منکر ہے ناواقفیت کی حالت میں ہی وہ ساری عمر رہا ہو اور اس پر اتمامِ حجت نہ ہوئی ہو گو ہم ایسے شخص کے متعلق یہی کہیں گے کہ کافر ہے۔ مگر خدا تعالیٰ اُسے دوزخ میں نہیں ڈالیگا کیونکہ حقیقی دین کا اُسے کچھ علم نہ تھا اور خدا ظالم نہیں کہ وہ بے قصور کو سزا دے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت خلیفہ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ مندرجہ الفضل یکم مئی ۱۹۳۵ء)

مولوی ابوالحسن صاحب نے احمدی کے غیر احمدی کو لڑکی نہ دینے کا معاملہ اور غیر احمدی کے پیچھے نماز کی ممانعت کا معاملہ اور غیر احمدی کے جنازے کا معاملہ بھی پیش کیا ہے۔ مگر ان معاملات میں جماعت کی یہ کارروائی جوابی ہے جو دراصل غیر احمدی علماء کے فتاویٰ کفریہ کا ردِعمل ہے جن میں احمدیوں سے مناکحت حرام، احمدیوں کو امام بنانا حرام قرار دیا گیا۔ انکے جنازے پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے فتویٰ تکفیر میں ہرگز ابتداء نہیں کی اور بانی فتاویٰ میں ابتداء کی ہے آپ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۲۳ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"پھر اس جھوٹ کو تو دیکھو کہ ہمارے ذمہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے بیس کروڑ مسلمان اور کلمہ گو کو کافر ٹھہرایا۔ حالانکہ ہماری طرف سے کوئی سبقت نہیں ہوئی۔ خود ہی اُن کے علماء نے ہم پر کفر کے فتوے لکھے اور تمام پنجاب اور ہندوستان میں شور ڈالا کہ یہ لوگ کافر ہیں اور نادان لوگ ان فتووں سے ایسے ہم سے متنفر ہو گئے کہ ہم سے سیدھے مُنہ سے کوئی نرم بات کرنا بھی اُن کے نزدیک گناہ ہو گیا۔ کیا کوئی مولوی یا کوئی اور مخالف یا کوئی سجادہ نشین یہ ثبوت دے سکتا ہے کہ پہلے ہم نے ان لوگوں کو کافر ٹھہرایا تھا اگر کوئی ایسا کاغذ یا اشتہار یا رسالہ ہماری طرف سے ان لوگوں کے فتویٰ کفر سے پہلے شائع ہوا ہے جس میں ہم نے مخالف مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہو تو وہ پیش کریں ورنہ وہ خود سوچ لیں کہ یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر تو ٹھہراویں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگاویں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے اس قدر خیانت اور جھوٹ اور خلاف واقعہ تہمت کس قدر دل آزار ہے ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے اور پھر جبکہ ہمیں اپنے فتووں کے ذریعے سے کافر ٹھہرا چکے اور آپ ہی اس بات کے قائل بھی ہو گئے کہ جو شخص مسلمان

کو کافر کہے تو کفر الٹ کر اُسی پر پڑتا ہے تو اس صورت میں کیا ہمارا حق
نہ تھا کہ بموجب انہی کے اقرار کے ہم ان کو کافر کہتے۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۲۰، صفحہ ۱۲۱)

پس کفر کے فتووں میں اور نماز اور مناکحت اور جنازہ وغیرہ کے فتووں میں تقدیم (پہل) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے نہیں ہوئی آپؑ کے فتاوی جوابی ہیں اور وہ بھی قرآن مجید کی آیت جَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کی روشنی میں نہ کسی شریعت مستقلہ کے ماتحت۔ لہذا آپؑ پر شریعت مستقلہ کا الزام سراسر دروغ بے فروغ ہے۔

بالآخر یہ عرض ہے کہ باوجود مسلمان علماء کے جماعت احمدیہ پر کفر کا فتوی لگانے کے ہم انہیں ملت اسلامیہ کے افراد ہی سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہمارے پیارے آقا و مولا سیّد الانبیاء فخر المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرماتے ہیں ؎

اے دل تو نیز خاطر ایناں نگاہ دار
کاخر کنند دعوئے حب پیمبرم

(درثمین فارسی صفحہ ۱۶۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
پر
فضیلت کے دعوے کا الزام

مخالفین کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ الزام کہ آپؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کا دعوی کیا ایک سراسر بے بنیاد الزام ہے جو اس لیے دیا جاتا ہے کہ لوگوں کے دل میں آپ کے لیے نفرت کا جذبہ پیدا کر کے انہیں احمدیت کو قبول کرنے سے باز رکھا جائے ورنہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ تو اپنے تئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خادم ہی جانتے ہیں اور آپؑ کو جو برکات بھی حاصل ہیں ان کے متعلق آپؑ کو یہ الہام ہوا تھا:

"كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ۔"

ترجمہ:- یہ تو تمام برکت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے پس بہت برکت والا ہے جس نے اس بندہ کو تعلیم دی (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم)۔

اور بہت برکت والا ہے جس نے تعلیم پائی۔ (یعنی مسیح موعودؑ) (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۵)

نیز تحریر فرماتے ہیں:۔

"پس میں ہمیشہ تعجب کی راہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی اس لیے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اولین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں بلکہ ذریت شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس

کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اسی نبی کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اسی کامل نبیؐ کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے۔ اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منور رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل کھڑے ہیں۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۵، ۱۱۶)

اسی جگہ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ عجیب بات ہے کہ دنیا ختم ہونے کو ہے مگر اس کامل نبی کے فیضان
کی شعاعیں اب تک ختم نہیں ہوئیں۔ اگر خدا کا کلام قرآن شریف
مانع نہ ہوتا تو فقط یہی نبی تھا جس کی نسبت ہم کہہ سکتے تھے کہ وہ
اب تک زندہ مع جسم عنصری آسمان پر زندہ موجود ہے کیونکہ ہم اس کی
زندگی کے صریح آثار پاتے ہیں۔ اس کا دین زندہ ہے۔ اس کی پیروی
کرنے والا زندہ ہو جاتا ہے۔ اس کے ذریعہ سے زندہ خدا مل جاتا ہے ہم
نے دیکھ لیا ہے کہ خدا اس سے اور اس کے دین سے اور اس کے محب سے
محبت کرتا ہے۔ یاد رہے کہ درحقیقت وہ زندہ ہے اور آسمان
پر سب سے اس کا مقام برتر ہے لیکن یہ جسم عنصری
جو فانی ہے یہ نہیں ہے بلکہ ایک اور نورانی جسم کے ساتھ جو لازوال ہے
اپنے خدائے مقتدر کے پاس آسمان پر ہے" (حاشیہ ص ۱۱۵)

اسی طرح آپ اپنی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے نصیحت فرماتے ہیں:

"نوع انسان کے لیے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور
تمام آدم زادوں کے لیے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد صلی اللہ

علیہ وسلم سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و
جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو
اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا تم آسمان پر
نجات یافتہ لکھے جاؤ۔ یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے
کے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی
دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا
سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع
ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور
رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔
اور کسی کیلئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ کیلئے زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کیلئے زندہ ہے اور
اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کا افاضہ تشریعی اور روحانی
کو قیامت تک جاری رکھا اور آخر کار اس کی فیض رسانی سے اس مسیح موعود کو دنیا میں

بھیجا جس کا آنا اسلامی عمارت کی تکمیل کے لیے ضروری تھا کیونکہ ضرور تھا کہ یہ دنیا ختم نہ ہو جب تک کہ محمدی سلسلہ کے لیے ایک مسیح روحانی رنگ کا نہ دیا جاتا جیسا کہ ایک مسیح موسوی سلسلہ کے لیے دیا گیا تھا۔"
(کشتی نوح صفحہ ۱۳)

سُرمہ چشم آریہ میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفسی نقطہ کو کائنات کے ظہور کی علّتِ غائی قرار دیا ہے۔ تعجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء پر افضلیت کے بارہ میں ان حوالہ جات کی موجودگی میں معترضین آپ کی بعض عبارتوں کو غلط معنی دیکر آپ کے خلاف یہ ناجائز پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ آپ یہ بھی فرما چکے ہیں سے

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نورِ سارا ۔۔۔ نام اُس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر ۔۔۔ لیک از خدائے برتر خیرالوریٰ یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اسکا ہی میں ہوا ہوں ۔۔۔ وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

جن عبارات سے مخالفین غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں وہ درج ذیل ہیں :-

اوّل :- "ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ہزار معجزے ظہور میں آئے۔"
(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۰)

دوم :- "اس نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشانات ظاہر کیے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں" (حقیقۃ الوحی تتمہ صفحہ ۶۷)

ان ہر دو عبارتوں سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ مرزا صاحب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تو تین ہزار معجزات تسلیم کرتے ہیں اور اپنے تین لاکھ تک قرار دیتے ہیں۔

الجواب :- معجزہ اور نشان میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی ہر معجزہ نشان ہوتا ہے مگر ہر نشان معجزہ نہیں کہلا سکتا پس ایک معجزہ کئی نشانوں پر مشتمل ہو سکتا ہے مگر ایک نشان کئی معجزوں پر مشتمل نہیں ہوتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :-

"ایک جلسہ کرو اور ہمارے معجزات اور پیشگوئیاں سنو اور ہمارے گواہوں کی شہادت رویت جو حلفی شہادت ہوگی قلمبند کرتے جاؤ پھر اگر آپ کے لیے ممکن ہو تو جس قدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی یا ولی کے معجزات [illegible] پیش کرو" [illegible]

پھر آپ تحریر فرماتے ہیں [illegible]

"اس نے میرے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے اس قدر معجزات دکھائے

ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں کہ جنہوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہوں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اُس نے اِس قدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں اس کا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۶)

مندرجہ بالا دونوں حوالوں سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں اپنے معجزات کم قرار دے رہے ہیں جس پر "باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے" الفاظ دونوں حوالوں میں شاہد ناطق ہیں ایک اور عبارت ملاحظہ ہو۔ آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"کسی نبی سے اس قدر معجزات ظاہر نہیں ہوئے جس قدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکہ پہلے نبیوں کے معجزات ان کے مرنے کے ساتھ ہی مر گئے۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اب تک ظہور میں آرہے ہیں اور قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۵)

نوٹ :- اس عبارت سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین ہزار معجزات

کا ذکر تحفہ گولڑویہ میں اُن معجزات سے تعلق رکھتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ظاہر ہوئے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا تو ایک دریا رواں ہے جس کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اس لحاظ سے آپ کے معجزات شمار سے باہر ہیں۔

اب رہ گئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معجزات سو آپ ان کے متعلق بھی تحریر فرماتے ہیں :-

"جو کچھ میری تائید میں ظاہر ہوتا ہے دراصل وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۵)

پس افضلیت کا الزام معجزات کی بناء پر سراسر جھوٹا الزام ہے۔ تحفہ گولڑویہ میں جن تین ہزار معجزات کا ذکر آیا ہے ان سے مراد صرف وہ معجزات ہیں جو صحابہ کرام کی شہادتوں سے ثابت ہیں ملاحظہ ہو تصدیق النبی صفحہ ۴۱ فرماتے ہیں :-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو چاروں طرف سے چمک رہے ہیں کیونکر چھپ سکتے ہیں۔ صرف وہ معجزات جو صحابہ کی شہادتوں سے ثابت ہیں وہ تین ہزار معجزہ ہے اور پیشگوئیاں تو دس ہزار سے بھی زیادہ ہونگی جو اپنے وقتوں پر پوری ہوتی جاتی ہیں۔"

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں معجزات کے علاوہ ہیں۔ پھر جب ان معجزات اور پیشگوئیوں کی تصدیق کرنے والوں کا شمار کیا جائے تو ہر ایک مصدق ان پیشگوئیوں اور معجزات کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک نشان ہے اور ہمارے زمانہ میں بھی جو لوگ آپؐ کے معجزات اور پیشگوئیوں کے مصدق ہیں اور قیامت تک مصدقین پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا نشان ہیں۔ پس آپؐ کے نشانوں کی تو کوئی حد بست ہی نہیں ہو سکتی وہ تو شمار سے باہر ہیں۔ خود قرآن کریم ہی ایک ایسا معجزہ ہے جس کو کروڑوں آدمی قبول کر کے اس کی صداقت کی گواہی دیتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے ثبوت میں در حقیقت گواہ ہیں اور وہ کروڑوں انسان نشانوں کی حیثیت رکھتے ہیں اسی طرح مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر جو نشان ظاہر ہو رہے ہیں یہ بھی در اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی افاضہ ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"یہ سہولتِ کامل (نشر و اشاعت کی) پہلے کسی نبی کو ہرگز نہیں دی گئی مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے باہر ہیں کیونکہ جو کچھ مجھے دیا گیا انہی کا ہے۔"

(نزول المسیح صفحہ حاشیہ)

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ بھی تحریر فرماتے ہیں:۔

"کراماتِ اولیاء سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہیں۔"

(کشف المحجوب مترجم اردو۔ شائع کردہ برکت علی اینڈ سنز علمی پریس ص۲۵۷)

دو گرہن

معترض کہتا ہے کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک نشان گرہن کا ظاہر ہوا تھا اور میرے لیے دو نشان گرہن کے ظاہر ہوئے۔ چنانچہ اُن کا شعر ہے ؎

لَہٗ خَسَفَ الْقَمَرُ الْمُنِیْرُ وَاِنَّ لِیْ
غَسَا الْقَمَرَانِ الْمُشْرِقَانِ أَتُنْکِرُ

اس شعر سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل قرار دیتے ہیں، سراسر نادانی ہے کیونکہ مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جو چاند اور سورج کو گرہن لگا۔ یہ اگرچہ امام مہدی کے ظہور کی تصدیق کے لیے لگا۔ مگر در اصل یہ دونوں گرہن حدیث دارقطنی کی ایک پیشگوئی کی بناء پر ہیں لہٰذا اسی طرح رسول کریم کی بھی نشانات ظاہر ہوئے ہیں۔

نوٹ:۔ یاد رہے کہ خسف کا لفظ خسوف یعنی گرہن کے معنوں میں بھی آتا ہے اور کسی کُرے کی زمین کے پھٹ کر دھنس جانے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خسف القمر کے نشان سے مراد شق القمر کے معجزہ کا ظہور ہے

قرآن مجید میں کُرۂ ارضی کے متعلق آیا ہے کہ فرعون کے زمانہ میں قارون کا گھر خسفِ ارض سے زمین میں دھنس گیا۔ جیسا کہ فرماتا ہے :۔

"وَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ۔" (سورۃ القصص آیت ۸۱)

اس سلسلہ میں مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے اپنی کتاب "قادیانیت" میں بحوالہ خطبہ الہامیہ یہ بیان کیا ہے کہ مرزا صاحبؑ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں تھیں۔ بعثتِ اوّل آدمؑ سے پانچویں ہزار میں ہوئی اور دوسری بعثت مسیح موعود کی بروزی صورت اختیار کرکے چھٹے ہزار کے آخر میں ہوئی اور ایک عبارت کی بناء پر یہ خیال آپ کی طرف منسوب کیا ہے کہ کمالاتِ نبوّت اور کمالاتِ روحانیت نے زمانہ کے ساتھ ساتھ ترقی کی ہے اور ان کا ظہور ان کی ذات میں ہوا ہے۔

جس عبارت سے وہ یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے :۔

اسی طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا اور وہ زمانہ اس روحانیت کی ترقی کا منتہیٰ نہ تھا بلکہ اس کے کمالات کے معراج کے لیے پہلا قدم تھا پھر اسی روحانیت نے چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی اس وقت پوری طرح سے تجلّی فرمائی۔ جیسا کہ آدم چھٹے دن کے آخر میں احسن الخالقین

خدا کے اذن سے پیدا ہوا اور خیر الرسلؐ کی روحانیت نے اپنے ظہور کے کمال کے لیے اور اپنے نور کے غلبہ کے لیے ایک مظہر اختیار کیا جیسا کہ خدا تعالیٰ نے کتاب مبین میں وعدہ فرمایا ہے۔ پس مَیں وہی مظہر ہوں اور وہی نورِ معہود ہوں۔"

اس عبارت کا صرف یہ منشاء ہے کہ مسیح موعودؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کے کامل ظہور کے لیے اور آپؐ کے نور کو دنیا میں غالب کرنے کے لیے ایک مظہر کی حیثیت دی گئی ہے یعنی یہ ظاہر کیا ہے کہ آپؑ کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کا دنیا پر کامل ظہور ہوگا اور آپؐ کے نور کا انتشار غالب آئیگا۔ یہ روحانیت دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان ہوئی ہے اور مسیح موعودؑ کو اس روحانیت اور نورانیّت کے انتشار کے لیے بطور مظہر ایک درمیانی واسطہ کی حیثیت دی گئی ہے پس روحانیت اور نُور تو اصل کا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کامل روحانیت اور نُور کے انتشار کے لیے محض ایک آلے اور خادم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ ظلّ اپنے اصل سے کمالات میں بڑھ نہیں سکتا اور مقامِ ظلّیت میں اُسے جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے وہ اپنے اصل سے مستفاض و مکتسب ہوتا ہے۔ خطبہ الہامیہ کا یہ مضمون سورۃ صف کی آیت

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ اور آیت لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ سے ماخوذ ہے پہلی آیت میں نورِ نبوی یعنی روحانیت کے انتشار کا اتمام مقصود ہے اور دوسری میں نورِ ہدایت کے ادیان پر غلبہ کا ذکر ہے جو مفسرین کے بیان کے مطابق مسیح موعودؑ کے ذریعہ ہونے والا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ اشتہار ایک غلطی کے ازالہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"مورِدِ بروز حکم نفیِ وجود کا رکھتا ہے"۔

یعنی کمالات کے ظہور میں مورِدِ بروز کی ذات منفی ہوتی ہے اور معدوم محض ہوتی ہے کیونکہ وہ فانی فی الاصل ہو کر اپنے اصل کے کمالات کے ظہور کے لیے آئینہ بن جاتا ہے۔ اس کے کمالات ذاتی نہیں ہوتے بلکہ اس سے جو کمالات ظاہر ہوتے ہیں انکا مرجع حقیقت میں اصل ہی ہوتا ہے جس کا وہ مورِدِ بروز ہوتا ہے پس مورِدِ بروز زیادہ سے زیادہ آئینے کی طرح اصل کے کمالات ظاہر کرنے کے لیے ایک آئینے کی حیثیت رکھتا ہے اور کمالات کے ظہور میں اس کا وجود منفی سمجھا جانا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللّٰہ البالغۃ جلد اول کے باب "حقیقۃ النبوۃ وخواصها" میں بھی تسلیم کی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔

"وَاَعْظَمُ الْاَنْبِيَاءِ شَانًا مَنْ لَهٗ نَوْعٌ آخَرُ مِنَ الْبَعْثِ

اَيْضًا وَذٰلِكَ اَنْ يَّكُوْنَ مُرَادُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْهِ سَبَبًا لِخُرُوْجِ النَّاسِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَاَنْ يَّكُوْنَ قَوْمُهٗ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ فَيَكُوْنُ بَعْثُهٗ يَتَنَاوَلُ بَعْثًا آخَرَ"۔

ترجمہ :۔ "شان میں سب سے بڑا نبی وہ ہے جس کی ایک دوسری قسم کی بعثت بھی ہو اور وہ اس طرح ہے کہ مراد اللہ تعالیٰ کی دوسری بعثت میں یہ ہے کہ وہ تمام لوگوں کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لانے کا سبب ہو اور اس کی قوم خیرِ اُمّت ہو جو تمام لوگوں کے لیے نکالی گئی ہو۔ لہذا اس نبی کی پہلی بعثت دوسری بعثت کو بھی لیے ہوئے ہو گی"۔

اور اُمّت سے جو کمالات ظاہر ہوتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ ہی کا مقصود ہیں۔ گویا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی روحانیت کا انتشار ہوتا ہے اور مسیح موعودؑ کی شان میں وہ فرماتے ہیں :۔

"يَزْعَمُ الْعَامَّةُ اَنَّهٗ اِذَا نَزَلَ اِلَى الْاَرْضِ كَانَ وَاحِدًا مِنَ الْاُمَّةِ كَلَّا بَلْ هُوَ شَرْحٌ لِلْاِسْمِ الْجَامِعِ الْمُحَمَّدِيِّ وَ نُسْخَةٌ مُنْتَسِخَةٌ مِنْهُ فَشَتَّانَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اَحَدٍ مِنَ

اَلْاُمَّةِ؛ (الخیر الکثیر صٓ۲ مطبوعہ بجنور مدینہ پریس)

ترجمہ:- عوام کا خیال ہے کہ مسیح جب زمین کی طرف نازل ہوگا تو وہ صرف ایک امتی ہوگا۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ تو اسم جامع محمدی کی پوری تشریح ہوگا (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل ظلّ اور بروز ہوگا) اور آپ ہی کا دوسرا نسخہ ہوگا جو آپ کے فیض سے مکتسب ہوگا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بعثتِ ثانیہ ہوگا۔

پھر آپ اسی جگہ فرماتے ہیں:-

"حَقٌّ لَہٗ اَنْ یَّنْعَکِسَ فِیْہِ اَنْوَارُ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ"

"کہ مسیح موعود کا حق ہوگا کہ اس میں سید المرسلین کے انوار منعکس ہوں۔"

اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک مسیح موعود کی حیثیت آئینہ کی طرح ہے جس کے کمالات ذاتی نہیں ہونگے بلکہ انعکاسی ہوں گے اور ان کمالات کا مرجع دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے۔ سورج کا انعکاس کرنے والے آلات کو سورج کے مخالف یا اس سے افضل قرار دینا نادانی ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع جمیع کمالاتِ انبیاء تھے اور مسیح موعودؑ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان کے مطابق انکے اسم جامع محمدی کی پوری شرح ہے اس لیے اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے ؎

"آنچہ داد است ہر نبی را جام ... داد آں جام را مرا بتمام
انبیاء گرچہ بودہ اند بسے ... من بعرفان نہ کمترم زکسے
آدمم نیز احمد مختار ... در برم جامۂ ہمہ ابرار"

اس کے باوجود وہ یہ فرماتے ہیں:۔

لیک آئینہ ام ز ربِّ غنی ... از پئے صورتِ مہِ مدنی

کہ میں ربّ غنی کی طرف سے ماہ مدنی کے سامنے ایک آئینہ کی حیثیت رکھتا ہوں۔

افسوس ہے کہ مولوی ابوالحسن صاحب ندوی نے اپنی کتاب قادیانیت میں اس شعر کو عمداً چھپایا ہے پس انعکاسی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ ہونے کی وجہ سے مسیح موعودؑ کا حق تھا کہ وہ کہتا ؎

زندہ شد ہر نبی بآمدنم ... ہر رسولے نہاں بپیراہنم

اور اُسے حق تھا کہ یہ اعلان کرتا ؎

روضۂ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک
میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ وبار

کیونکہ مسیح موعود کی آمد اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے مقدر تھی اور یہ نشاۃ

اس غایت درجہ کو پہنچنے والی ہے کہ تمام ملّتیں ہلاک ہو جائیں اور اسلام دنیا میں غالب آجائے جیساکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

" يُهْلِكُ اللّٰهُ فِي زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا إِلَّا الْإِسْلَامَ "۔

" کہ اللہ تعالیٰ اُسکے زمانے میں سب ملّتوں کو بجز اسلام کے ہلاک کریگا۔"

دلائل کے ساتھ تو ملل باطلہ کی ہلاکت ہو چکی حسب آیت

" لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ "۔ (انفال آیت ۴۲)

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت اور نور کے انتشار کے ذریعہ جو مسیح موعودؑ کی جماعت کے ہاتھوں اکناف عالم میں ہو رہا ہے انشاء اللہ اسلام ظاہری طور پر بھی غالب آجائے گا اور روضۂ آدم کی تکمیل ہو جائیگی۔

اس جگہ ایک لطیف نکتے کا یاد رکھنا ضروری ہے خطبہ الہامیہ کے اقتباس میں یہ لکھا ہے کہ پانچویں ہزار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجمالی صفات کے ساتھ ظہور ہوا اور اس کی تکمیل اور تجلّی چھٹے ہزار میں علیٰ وجہ الکمال مقدّر تھی جس کے یہ معنی ہیں کہ یہ تکمیل اجمالی کمالات کے کامل انتشار اور تجلّیات کے لحاظ سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو ساری کائنات کا اجمالی علم حاصل ہے لیکن واقعات کے ظہور پر اس اجمال کی تفصیل ہو جاتی ہے پس اس تکمیل نور اور روحانیت کا مرجع خود آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کہ مرزا غلام احمد کا وجود۔

مرزا غلام احمدؑ مسیح موعود ہو کر صرف ان اجمالی کمالات آنحضرتؐ کی تجلّیات سے متجلّی ہو کر جو آنحضرتؐ کے وجود میں کمالِ تام حاصل کر چکی ہیں بمنزلہ آلہ کے ہیں اس میں کیا شک ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقیات رُوحانیہ غیر محدود ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات لازوال، غیر محدود اور ابدی ہے اس طرح اللہ تعالیٰ سے آنحضرتؐ پر فیوضِ الٰہیہ کا نزول بھی لازوال اور ابدی ہے اور آپؐ اپنی شان میں ہر آن بڑھ رہے ہیں۔ اگر آپؐ نے ایک مقام پر منجمد ہو کر رہ جانا ہوتا تو پھر درُود شریف کی اُمّت کو تلقین کیوں کی جاتی کہ اَے اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی خاص رحمتیں نازل کرتا رہ اور آپؐ کو سلامتی پر سلامتی عطا کرتا جا۔ اگر دینا دلانا کچھ نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ کی طرف سے درود شریف کا سکھانا ایک عبث فعل ہوتا۔ پس سچی بات یہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمالات میں ہر آن ترقی کر رہے ہیں اور اس ترقی کی کوئی انتہا نہیں۔ بلکہ ہر آنے والے زمانہ میں خدا تعالیٰ سے فیوض حاصل کرنے کی وجہ سے آپؐ کی روحانیت ہمیشہ ترقی پاتی رہے گی اور اس کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ اولیاءِ اُمّت نے بھی اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ حقیقت محمدیّہ ترقی پذیر رہے گی۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی تحریر فرماتے ہیں:۔

"فقیر در رسالہ مبدء و معاد نوشتہ است کہ حقیقتِ محمدی از مقام خود عروج نمودہ بمقام حقیقت کعبہ کہ فوق اوست رسیدہ متحد گردد و حقیقتِ محمدی حقیقت احمدی نام یابد۔ آں حقیقتِ کعبہ ظل از اظلال ایں حقیقت بودہ۔"

(مکتوبات امام ربانی مکتوب ۔۔۔)

ترجمہ:۔ "فقیر نے اپنے رسالہ مبدء و معاد میں لکھا ہے کہ حقیقتِ محمدی اپنے مقام سے حقیقتِ کعبہ کے مقام کی طرف عروج اختیار کر کے پہنچے گی تو اس سے متحد ہو جائیگی اور اُس وقت حقیقتِ محمدی کا نام حقیقتِ احمدی ہوگا۔ اور حقیقت کعبہ حقیقت محمدی کے اظلال میں سے ایک ہے۔"

اور یہ امر امام مہدی کے لیے تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ بعض انبیاء سے بھی افضل ہوگا۔ چنانچہ ابن سیرین فرماتے ہیں:۔

"قَالَ يَكُوْنُ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَلِيْفَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ۔ قِيْلَ خَيْرٌ مِّنْهُمَا قَالَ قَدْ كَادَ يُفَضَّلُ

عَلٰى بَعْضِ الْاَنْبِيَاءِ۔" (حجج الکرامۃ ص۳۸۶)

ترجمہ:۔ "کہا کہ اس اُمت میں ایک خلیفہ ہوگا جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے بہتر ہوگا۔ کہا گیا کیا ان دونوں سے بہتر ہوگا تو انہوں نے فرمایا کہ قریب ہے کہ وہ بعض انبیاء سے بھی افضل ہو۔"

اور امام مہدی کے متعلق شرح فصوص الحکم میں لکھا ہے:۔

"اَلْمَهْدِيُّ الَّذِيْ يَجِيْءُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ فَاِنَّهٗ يَكُوْنُ فِي الْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ تَابِعًا لِّمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْمَعَارِفِ وَالْعُلُوْمِ وَالْحَقِيْقَةِ تَكُوْنُ جَمِيْعُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ تَابِعِيْنَ لَهٗ كُلُّهُمْ وَلَا يُنَاقِضُ مَا ذَكَرْنَاهُ لِاَنَّ بَاطِنَهٗ بَاطِنُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔"

(شرح فصوص الحکم مصری ص۵۲، ۵۳)

ترجمہ:۔ آخری زمانہ میں جو المہدی آئے گا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے احکام کا تابع ہوگا اور معارف و علوم اور حقیقت میں تمام انبیاء اور اولیاء اس کے تابع ہوں گے اور یہ بات ہمارے

مذکورہ بیان کے نقیض نہیں کیونکہ امام مہدی کا باطن محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی باطن ہوگا۔

بعض لوگ قاضی اکمل صاحب کا شعر پیش کرتے ہیں:۔

محمد پھر اُتر آئے ہیں ہم میں — اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں

چونکہ اس شعر سے فی الواقعہ غلط فہمی ہوسکتی ہے اس لیے میں نے یہ شعر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اگست ۱۹۳۴ء میں پیش کیا اور نیز ڈاکٹر شاہنواز صاحب کی ایک عبارت بھی پیش کی جو میرے نزدیک قابل اعتراض تھی۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح نے اس شعر کی نسبت تحریر فرمایا:۔

"الفاظ ناپسندیدہ اور بے ادبی کے ہیں"

اور ڈاکٹر صاحب کے الفاظ کو بھی حضور نے

"نامناسب اور قابل اعتراض"

قرار دیا۔ (دیکھو الفضل ۱۹ اگست ۱۹۳۴ء)

پھر میں نے قاضی اکمل سے اس شعر کا مطلب پوچھا انہوں نے کہا کہ میری مراد یہ ہے کہ مسیح موعود باقی مجددین امت سے بڑھ کر ہیں اور ہر ایک مجدد اپنے زمانہ میں بروز محمد تھا۔

گالیوں کا الزام

اعتراض:۔ مرزا صاحب نے اپنے مخالفوں کو گالیاں دیں۔ چنانچہ آئینہ کمالات اسلام میں لکھا ہے:۔

"کُلُّ مُسْلِمٍ یَقْبَلُنِیْ وَیُصَدِّقُ دَعْوَتِیْ اِلَّا ذُرِّیَّۃَ الْبَغَایَا"

نیز لکھا ہے:۔ اِنَّ الْعِدَا صَارُوْا خَنَازِیْرَ الْفَلَا
وَنِسَاءُھُمْ مِنْ دُوْنِھِنَّ الْاَکْلُبُ

پہلی عبارت میں مخالفین کو ذریۃ البغایا یعنی کنجریوں کی اولاد کہا ہے۔

اور دوسری عبارت میں اپنے مخالفوں کو سؤر اور ان کی عورتوں کو کتیوں سے بدتر کہا ہے۔

الجواب (۱):۔ آئینہ کمالات اسلام کی عبارت میں دراصل ایک پیشگوئی ہے ترجمہ اس کا یہ ہے کہ "سارے مسلمان مجھے قبول کرلیں گے سوائے ذریۃ البغایا کے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ "لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اِلَّا عَلٰی اَشْرَارِ النَّاسِ" یعنی قیامت صرف شریر لوگوں پر ہی قائم ہوگی گویا نیک لوگ اس سے پہلے اٹھا لیے جائیں گے جب آپ

نے یہ فقرہ لکھا اس وقت بہت تھوڑے مسلمانوں نے آپ کو قبول کیا تھا اور یہ امر اس بات پر قرینۂ حالیہ ہے کہ اس فقرہ کا تعلق کسی آئندہ زمانہ سے ہے جبکہ ایسا کوئی مسلمان نہ رہیگا جس نے آپ کو قبول نہ کیا ہو اور آپ کا مصدق نہ ہو وہ وقت آتا ہے کہ جب آپؑ کا غیر مصدق کوئی مسلمان نہیں ہوگا بلکہ غیر مسلموں میں سے جو لوگ سرکش طبیعت کے مالک ہیں وہی آپؑ کے مکذّب ہونگے۔ پس اِلّا کا استثناء اس جگہ بطور استثناء منقطع کے ہے۔

یعنی یہ ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ ذرّیّۃ البغایا وہ غیر مسلم ہوں گے جنہوں نے آپ کو قبول نہیں کیا ہوگا نہ کہ مسلمان۔ پس اس عبارت کو خواہ مخواہ اس زمانہ کے مسلمانوں کے متعلق سمجھنا جنہوں نے آپ کو قبول نہیں کیا قرینۂ حالیہ کے خلاف ہے کیونکہ عبارت میں "کُلُّ مُسْلِمٍ" کا لفظ بتاتا ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں رہیگا جس نے آپ کو قبول نہ کیا ہو۔ اِلّا کے استثناء منقطع ہونے کی مثال قرآن مجید میں بھی موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِیْسَ۔" (الحجر ۳۱) کہ تمام ملائکہ نے آدمؑ کی خاطر سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس جگہ اِلّا کا لفظ استثناء منقطع کے لیے ہے۔ کیونکہ ابلیس ملائکہ میں سے نہ تھا۔ اس کے متعلق دوسری جگہ صاف لکھا ہے:۔

"کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ" (الکہف: ۵۱)

"کہ وہ جنوں میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی"۔

"ذُرِّیَّۃ البغایا" کا لفظ اس فقرہ میں اپنے حقیقی معنوں میں استعمال نہیں ہوا بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے اور قرینۂ لفظیہ اس پر اگلا فقرہ "اَلَّذِیْنَ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ" ہے کہ ذریۃ البغایا سے مُراد وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں پر مُہر لگ چکی ہو اور قرینہ حالیہ یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ منکرِ ماموین کا نسب ضرور گندا ہو۔

پس اس جگہ روحانی طور پر ذریۃ البغایا مراد ہیں نہ کہ جسمانی طور پر اور روحانی طور پر ذریۃ البغایا سے مراد ایسے سرکش لوگ ہوتے ہیں جن کا ایمان نہ لانا مقدر ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اپنے زمانہ کے ایک مخالف کو مخاطب کرتے ہوئے نظم میں کہا ؎

اٰذَیْتَنِیْ خُبْثًا فَلَسْتُ بِصَادِقٍ
اِنْ لَّمْ تَمُتْ بِالْخِزْیِ یَا ابْنَ بِغَاءِ

اور خود اس کا ترجمہ لکھتے ہیں۔ (انجام آتھم میں اس شعر کا ترجمہ مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے نفظی کر دیا ہے مگر مراد وہی ہو سکتا ہے جو ترجمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود کیا تھا۔) آپ کا ترجمہ یہ ہے۔

"خباثت سے تو نے مجھے ایذاء دی ہے پس اگر تو اب رسوائی سے ہلاک نہ ہوا تو میں اپنے دعویٰ میں سچا نہ ٹھہرونگا اے سرکش انسان۔"
(الحکم جلد ۱۱ ۱۷ فروری ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱)

جس طرح ابن بغا سے مراد کنجری کا بیٹا نہیں اسی طرح ذریۃ البغایا سے مراد کنجریوں کی اولاد نہیں۔ کیونکہ محل مجازی استعمال کا ہے جیسے حضرت امام ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں:۔

"مَنْ شَهِدَ عَلَيْهَا بِالزِّنَاءِ فَهُوَ وَلَدُ الزِّنَاءِ۔"

(کتاب الوصیت مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۳۹)

کہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگائے وہ ولد الزناء یعنی حرامزادہ ہے۔

اس جگہ یہ الفاظ بھی بطور مجاز کے ہیں یعنی وہ شخص روحانیت سے محروم ہے فرزند اسلام نہیں۔

ذریۃ البغایا کے الفاظ انہیں معنوں میں حضرت امام ابوجعفر علیہ السلام نے استعمال فرمائے ہیں چنانچہ ابوحمزہ سے مروی ہے:۔

"عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ لَهُ إِنَّ بَعْضَ أَصْحَابِنَا يَفْتَرُوْنَ وَيَقْذِفُوْنَ مَنْ خَالَفَهُمْ فَقَالَ الْكَفُّ عَنْهُمْ أَجْمَلُ ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ يَا أَبَا حَمْزَةَ إِنَّ النَّاسَ كُلَّهُمْ أَوْلَادُ الْبَغَايَا مَا خَلَا شِيْعَتَنَا۔"

(فروع کافی کتاب الروضہ صفحہ ۱۳۵ مطبوعہ نول کشور)

ابوحمزہ کہتے ہیں کہ میں نے باقر علیہ السلام سے کہا کہ بعض لوگ اپنے مخالفین پر افتراء باندھتے اور بہتان لگاتے ہیں اور آپ نے فرمایا ایسے لوگوں سے بچکر رہنا اچھا ہے پھر آپ نے فرمایا۔ اے ابوحمزہ! خدا کی قسم ہمارے گروہ کے سوا باقی تمام لوگ اولادِ بغایا ہیں مراد یہ ہے کہ دشمنان اہل بیت سرکش ہیں۔

اخبار مجاھد لاہور ۳۰ مارچ ۱۹۳۶ء میں لکھا گیا تھا کہ:۔

"ولد البغایا، ابن الحرام اور ولد الحرام، ابن الحلال، بنت الحلال وغیرہ یہ سب عرب کا اور ساری دنیا کا محاورہ ہے جو شخص نیکوکاری کو ترک کر کے بدکاری کی طرف جاتا ہے اس کو باوجودیکہ اُس کا حسب ونسب درست ہو۔ صرف اعمال کی وجہ سے ابن الحرام ولد الحرام کہتے ہیں اس کے خلاف جو نیک کار ہوتے ہیں ان کو ابن الحلال کہتے ہیں۔ اندریں حالات امام علیہ السلام کا اپنے مخالفین کو اولادِ بغایا کہنا بجا اور درست ہے۔"

پس آئینہ کمالاتِ اسلام کی عبارت میں ذریۃ البغایا سے مراد ہدایت سے دُور یا سرکش انسان ہی ہیں نہ کہ حقیقت میں کنجریوں کی اولاد۔ عربی زبان میں بغیۃ رشد کی نقیض ہے ملاحظہ ہو لسان العرب۔ بغی کے معنی لونڈی کے بھی ہیں فاجرہ ہو یا نہ۔

(ب) نجم الہدیٰ کے شعر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مدنظر مسلمان مخالفین نہیں

بلکہ مراد اعداءِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

"بے شک دشمن (نہ کہ مخالفین) جنگل کے سؤر بن گئے اور ان کی عورتیں
ایسی ہیں کہ کُتیاں بھی اُن سے کم تر ہیں"۔

اگلا شعر اس پر قرینہ ہے چنانچہ لکھتے ہیں :-

سَبُّوْا وَمَا اَدْرِیْ لِاَیِّ جَرِیْمَۃٍ
سَبُّوْا اَنَعْصِی الْحِبَّ اَوْ نَتَجَنَّبُ

کہ انہوں نے گالیاں دی ہیں (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو) اور مَیں نہیں جانتا کہ آپ کے کس جُرم کی وجہ سے ایسا کیا ہے انہوں نے گالیاں تو دی ہیں تو کیا ہم اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نافرمان ہو جائیں گے۔ یعنی اُنکے اعتراضوں اور گالیوں سے ایسا ہونا محال ہے کہ ہم اُنکی گالیوں کیوجہ سے کنارہ کش ہو جائیں۔

صاف ظاہر ہے کہ ان شعروں میں وہ لوگ مُراد نہیں جو مسلمانوں میں سے آپ کے مخالف ہیں بلکہ وہ غیر مسلم مرد اور عورتیں مراد ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں جنگل کے سؤر اور کتیوں سے کم تر کے الفاظ ضرور ایسے لوگوں کے مناسب حال ہیں جو سیّد الانبیاء فخر المرسلین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گالیاں دیں

مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہیں دے سکتے۔ پس وہ مراد نہیں ہو سکتے۔

قرآن کریم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر یہودیوں کو بندر اور سؤر شیطان کے پرستار اور شَرُّ البَرِیَّۃ تک قرار دیا ہے یعنی تمام مخلوق میں سے بدترین کُتوں اور سؤروں اور کیڑوں اور مکوڑوں سے بدتر اور پھر انہیں کمثل الحمار بھی کہا ہے انکے متعلق یہ بھی لکھا ہے :-

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ
اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا
(سورۃ مائدہ آیت ۶۱)

نیز فرمایا :-

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ۔ (البیّنۃ آیت ۷)

کہ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے اہل کتاب اور مشرکوں میں سے وہ رہتے چلے جائیں گے جہنم کی آگ میں۔ وہی لوگ بدترین خلائق ہیں اور یہود کی شان میں کہا ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ (جمعہ)
کہ جن لوگوں پر توراۃ کی اطاعت واجب کیگئی ہے مگر باوجود اسکے

انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ ان کی مثال گدھے کی ہے جس نے بہت
ساری کتابیں اُٹھائی ہوئی ہیں۔ (سورۃ جمعہ آیت ۶)
ان آیات سے ظاہر ہے کہ سخت الفاظ کا اپنے محل پر استعمال عندالشرع جائز
ہے۔ آیت لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (نساء
آیت ۱۴۹) سے ظاہر ہے کہ مظلوم جواب میں علانیہ سخت الفاظ استعمال کر سکتا ہے۔ پس
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ سخت الفاظ اپنے محل پر بعض خاص مصالح کے
ماتحت ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تحریر فرماتے ہیں:۔

سخت الفاظ استعمال کرنے کی وجہ

"مخالفوں کے مقابل پر تحریری مباحثات میں کسی قدر میرے الفاظ میں
سختی استعمال میں آئی تھی، لیکن وہ ابتدائی طور پر سختی نہیں ہے بلکہ وہ
تمام تحریریں نہایت سخت حملوں کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ مخالفوں
کے الفاظ ایسے سخت اور دشنام دہی کے رنگ میں تھے، جن کے جواب میں کسی
قدر سختی مصلحت تھی۔ اس کا ثبوت اس مقابلہ سے ہوتا ہے جو
میں نے اپنی کتابوں اور مخالفوں کی کتابوں کے سخت الفاظ اکٹھے

کرکے کتاب مثل مقدمہ مطبوعہ کے ساتھ شامل کئے ہیں جس کا نام میں نے
کتاب البریہ رکھا ہے۔ با ایں ہمہ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ میرے سخت
الفاظ جوابی طور پر ہیں۔ ابتداء سختی کی مخالفوں کی طرف سے ہے
اور میں مخالفوں کے سخت الفاظ پر بھی صبر کر سکتا تھا لیکن دو مصلحت
کے سبب سے میں نے جواب دینا مناسب سمجھا تھا۔ اوّل
یہ کہ تا کہ مخالف لوگ اپنے سخت الفاظ کا سختی میں جواب پاکر
اپنی روش بدلا لیں، اور آئندہ تہذیب سے گفتگو کریں۔
دوم یہ کہ مخالفوں کی نہایت ہتک آمیز اور غصہ دلانے والی
تحریروں سے عام مسلمان جوش میں نہ آئیں اور سخت الفاظ
کے جواب بھی کسی قدر سخت پاکر اپنی پُرجوش طبیعتوں کو اس طرح
سمجھا لیں کہ اس طرف سے سخت الفاظ استعمال ہوئے تو ہماری
طرف سے بھی کسی قدر سختی سے جواب ان کو مل گیا"۔ (کتاب البریہ صفحہ ۱۱)
پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریروں میں جو سخت الفاظ استعمال
کئے ہیں۔ وہ مظلومانہ حالت میں کئے ہیں اور وہ بھی انتہائی صبر کے بعد اور اس رنگ
میں انتقام لینا اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جَزٰٓؤُا

سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کہ بُرائی کا بدلہ اس کے مثل دیا جا سکتا ہے جب کہ مصلحت کا تقاضہ بدلہ دینے کا ہو۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھَتْكِ الْعُلَمَاءِ الصَّالِحِیْنَ
وَقَدْحِ الشُّرَفَاءِ الْمُھَذَّبِیْنَ سَوَاءٌ کَانُوْا
مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمَسِیْحِیِّیْنَ اَوِالْآرِیَّۃِ۔"

(لُجّۃ النور صـ۶۱)

ترجمہ:- ہم صالح علماء کی ہتک سے اور مہذب شرفاء کی شان گرانے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں خواہ وہ مسلمانوں میں سے ہوں، یا عیسائیوں میں سے یا آریوں میں سے۔

نیز فرماتے ہیں:-

"لَیْسَ کَلَامُنَا ھٰذَا فِیْ اَخْیَارِھِمْ بَلْ فِیْ اَشْرَارِھِمْ" ترجمہ ہمارا یہ کلام انکے نیکوں کے متعلق نہیں بلکہ انکے شریروں کے متعلق ہے۔

(الھُدیٰ والتبصرۃ لمن یریٰ صـ۳)

جہاد کی منسوخی انگریزوں کی خوشامد

اور

انکی طرف سے کھڑا کئے جانے کا الزام

الجواب ۱:- اس الزام کے جواب میں واضح ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاد کو جو قرآن میں مسلمانوں کے لئے فرض قرار دیا گیا ہے ہرگز منسوخ نہیں کیا جہاد کا مادہ جُہد یعنی کوشش کرنا ہے اور دین کی راہ میں ہر وہ کوشش جو کی جائے یہ جہاد جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے۔ کیونکہ جہاد مکہ میں فَلَا تُطِعِ الْکَافِرِیْنَ وَجَاھِدْھُمْ بِہٖ جِھَادًا کَبِیْرًا۔ (الفرقان: ۵۵) کے ذریعہ ان معنوں میں فرض ہو چکا تھا کہ قرآن کی اشاعت کرو۔ جہاد بمعنی قتال (جنگ) مدینہ منورہ میں آیت اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا (حج: ۴۰) مدافعت کے لئے فرض ہوا۔ اور صاف طور پر ہدایت کی گئی۔

قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم
ان اللہ لا یحب المعتدینا۔

(بقرہ: ۱۹۰)

ترجمہ: "اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو اور یاد رکھو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں سے ہرگز محبت نہیں رکھتا۔"

آیت ۱۹۳ میں فرمایا:۔

"وَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔"

"کہ اگر وہ باز آجائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔"

اس آیت کی رُو سے مسلمان جنگ میں ابتداء نہیں کر سکتے کیونکہ یہ امر زیادتی کا ہو گا اور زیادتی سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا ہے جنگ کی صورت میں یہ بھی ہدایت ہے کہ:۔

"اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا۔" (الانفال آیت ۶۲)

کہ اے نبی! اگر وہ صلح کی طرف مائل ہو جائیں تو تو بھی صلح کی طرف مائل ہو جا۔

اور سورۃ ممتحنہ میں فرمایا:۔

"لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔" (سورۃ الممتحنہ آیت ۹)

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے نیکی کرنے اور عدل کا معاملہ کرنے

سے نہیں روکتا جو تم سے دینی اختلاف کی وجہ سے نہیں لڑے اور جنہوں نے تم کو دینی اختلاف کی وجہ سے تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

پس قتال جو جہاد فی سبیل اللہ کی ایک قسم ہے اس کی اجازت اضطراری حالت میں دین کی مدافعت کی خاطر دی گئی ہے۔ مسلمانوں کو دینی لڑائی میں ابتداء کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

جہاد کی ایک تیسری قسم جہاد بالنفس ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگ سے واپس آئے تو آپؐ نے فرمایا:۔

"رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ۔"

"کہ ہم نے چھوٹے جہاد سے جہادِ اکبر (بڑے جہاد) کی طرف رجوع کیا۔"

یعنی غزا میں فی سبیل اللہ قتل ہونا یہ چھوٹا جہاد سمجھا گیا اور اپنی نفسانی خواہشوں کا توڑنا بڑا جہاد قرار پایا۔

"قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْجِهَادُ الْاَكْبَرُ قَالَ اَلَا وَهِيَ مُجَاهَدَةُ النَّفْسِ۔"

یعنی پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! جہادِ اکبر کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ نفس

پر قہر کرنا ہے۔" (کشف المحجوب مترجم اردو شائع کردہ شیخ الٰہی بخش و محمد جلال الدین ۱۳۲۲ھ صفحہ ۲۲۱)

اس قسم میں اصلاحِ نفس کے علاوہ دین کے کاموں کے لیے زندگی وقف کرنا بھی داخل ہے۔

مولوی ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:-

"جہاد کی حقیقت کی نسبت سخت غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد کے معنے صرف لڑنے کے ہیں۔ حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان مقدس حکم کی وسعت کو بالکل محدود کر دینا ہے۔ جہاد کے معنے کمال درجہ کی کوشش کرنے کے ہیں۔ قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کمالِ سعی کو جو ذاتی اغراض کی جگہ حق پرستی اور سچائی کی راہ میں کی جائے جہاد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے یہ سعی زبان سے بھی ہے [illegible] بھی ہے۔ صرف وقت و عمر سے بھی ہے محنت اور تکالیف برداشت کرنے سے بھی ہے اور دشمنوں کے مقابل پر لڑنے اور اپنا خون بہانے میں بھی ہے جس سعی کی ضرورت ہو اور جو سعی جس کے امکان میں ہو اس پر فرض ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں لغت اور شرع دونوں

اعتبار سے شامل ہے یہ بات نہیں کہ جہاد سے مقصود مجرّد لڑائی ہی ہو۔ سورۃ فرقان میں ہے فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا۔ یعنی کافروں کے مقابلہ میں کمال درجہ جہاد کرو سورۃ فرقان بالاتفاق مکی ہے اور معلوم ہے کہ جہاد بالسیف یعنی لڑائی کا حکم ہجرتِ مدینہ کے بعد ہوا۔ پس اس زندگی میں کونسا جہاد تھا جس کا اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے جہاد بالسیف تو ہو نہیں سکتا یقیناً وہ حق کی استقامت اور اس کی راہ میں تمام مصیبتیں اور شدّتیں جھیل لینے کا نام تھا۔" (مسئلہ خلافت و جزیرہ عرب صفحہ ۱۰۸، ۱۰۹)

مولوی سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:-

"جہاد کے معنے عموماً قتال اور لڑائی کے لیے جاتے ہیں، لیکن مفہوم کی یہ تنگی قطعاً غلط ہے ....

اس کے معنے محنت اور کوشش کے ہیں اس کے قریب قریب اس کے اصطلاحی معنے بھی ہیں۔ یعنی حق کی بلندی اور اشاعت اور حفاظت کے لیے ہر ایک قسم کی جدّوجہد کرنا۔ قربانی اور ایثار گوارا کرنا۔ اور ان تمام جسمانی و مالی و دماغی قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

بندوں کو بھی اس کی راہ میں صرف کرنا۔ یہاں تک کہ اس کے لیے اپنی اور اپنے عزیز و اقارب کی، اہل و عیال کی، خاندان کی، قوم کی، جان تک کو قربان کر دینا اور حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو توڑنا ان کی تدبیروں کو رائیگان کرنا۔ ان کے حملوں کو روکنا اور اس کے لیے جنگ کے میدان میں اگر ان سے لڑنا پڑے تو اس کے لیے پوری طرح تیار رہنا بھی جہاد ہے۔

افسوس ہے کہ مخالفوں نے اتنے اہم اور اتنے ضروری اور اتنے وسیع مفہوم کو جس کے بغیر دنیا میں کوئی تحریک نہ سر سبز ہوئی نہ ہو سکتی ہے۔ صرف دین کے دشمنوں کیساتھ جنگ کے تنگ میدان میں محصور کر دیا۔ یہاں ایک شبہ کا ازالہ کرنا نہایت ضروری ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاد اور قتال ہم معنی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ...... بلکہ ان دونوں میں عام و خاص کی نسبت ہے یعنی ہر جہاد قتال نہیں بلکہ جہاد کی مختلف قسموں میں سے ایک قتال اور دشمنوں کے ساتھ لڑنا بھی ہے۔"

(سیرت النبیؐ جلد پنجم صفحہ ۱۹۹ تا ۲۰۰)

جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا کی آیت میں جہاد

بالقرآن ہی مراد ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ اَلْجِهَادُ الْاَكْبَرُ۔"

(مشکوٰۃ و نسائی کتاب البیعت ص ۱۴۸ مطبع نظامی)

یعنی سچی بات ظالم حاکم کے سامنے کہنا جہادِ اکبر ہے۔

۲۔ کسی ملک میں بطور رعیّت رہتے ہوئے اس حکومت کے خلاف اسلام بغاوت کی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ اَلْبَغْیُ بِغَیْرِ الْحَقِّ کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے البتہ اگر وہ حکومت جس کی رعایا کے طور پر مسلمان زندگی بسر کر رہے ہوں مداخلت فی الدین کرے یعنی انہیں عبادات سے روکے اور دینی تعلیم پر چلنے نہ دے تو پھر سنّتِ نبوی کے مطابق وہاں سے ہجرت ضروری ہو جاتی ہے نہ کہ قتال۔ ہجرت کرنے کے بعد اگر دشمن حملہ آور ہو تو پھر اس کا مقابلہ بوجہ مظلومیت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب دشمن نے آپ کے ماننے والوں کو جبراً مذہب چھوڑنے پر مجبور کرنا چاہا۔ تو آپؐ نے مسلمانوں کو ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ مگر خود اس وقت تک ہجرت نہ فرمائی جب تک دشمن نے آپؐ کے قتل کا منصوبہ نہ کیا۔ جب عربوں نے آپؐ کے اعدام کا فیصلہ کیا۔ تو خدائی حکم کے ماتحت اس وقت آپؐ نے

ہجرت فرمائی۔ قرآن کریم کی ہدایت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے یہی امور ثابت
ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرامؓ کو حبشہ میں ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی
تھی جہاں کا بادشاہ عیسائی تھا انہیں یہ ہدایت نہیں دی تھی کہ وہ جاکر اس بادشاہ
سے جنگ کریں بلکہ اس امید پر انہیں بھیجا تھا کہ وہ بادشاہ انہیں امن دیگا اور یہ
مسلمان وہاں مستامن کی حیثیت سے رہیں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ملکی حکم کے احترام کی اتنی اہمیت
تھی کہ جب آپؐ نے مکّہ کے مشرکین کی اسلام کی طرف سے لاپرواہی دیکھی اور آپؐ
نے طائف میں جاکر پیغامِ حق سنایا اور انہوں نے مکہ والوں سے بھی بڑھکر آپؐ سے
دشمنانہ سلوک کیا تو آپؐ نے مکّہ واپس آنا چاہا لیکن مکّہ کی حکومت نے آپؐ سے شہریت
کے حقوق غصب کرلیے اور آپؐ کو داخلہ کی اجازت نہ دی۔ تو آپؐ نے ظالم حکومت
کے اس علاقائی قانون کو توڑا نہیں۔ بلکہ ایک مشرک حاتم بن عدی کی حمایت سے آپؐ
مکّہ میں داخل ہوئے اور اس کی وساطت سے آپؐ نے مکّہ کی شہریت کے حقوق
پھر سے حاصل کئے اور مکّہ والوں نے جب آپؐ کے قتل کا منصوبہ کیا تو پھر آپؐ
مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت فرماگئے۔ آپؐ کی یہ سنت اس بات کی روشن دلیل ہے
کہ کسی حکومت میں رہتے ہوئے پُرامن طریق سے زندگی بسر کرنی چاہیئے اور جب

اس حکومت کا ظلم ناقابل برداشت حد تک پہنچ جائے تو اس ملک کو چھوڑ دینا
چاہیئے۔ بغاوت کا طریق اختیار کرنا سنتِ نبویؐ کے خلاف ہے ہاں اگر ملکی نظام
ہجرت کی اجازت بھی نہ دے اور دین میں بھی مداخلت جاری رکھے تو پھر بغاوت
کرنا خلافِ حق نہیں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے ۱۸۸۹ء میں جماعت احمدیہ کی بنیاد رکھی۔
اس سے پہلے انگریزی حکومت ہندوستان میں قائم ہوچکی ہوئی تھی اور مسلمان بطور
مستامن انگریزوں کی سلطنت میں زندگی بسر کررہے تھے اور اپنے پرسنل لاء کی
آزادی کیساتھ انہوں نے انگریزوں کی رعایا ہونا قبول کررکھا تھا چنانچہ

۱۔ مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی رقمطراز ہیں:۔

"ہندوستان اس وقت بلاشبہ دارالحرب تھا جب انگریزی حکومت
یہاں اسلامی سلطنت کو مٹانے کی کوشش کررہی تھی اس وقت
مسلمانوں پر فرض تھا کہ یا تو اسلامی سلطنت کی حفاظت کے لیے
جانیں لڑاتے یا اس میں ناکام ہونے کے بعد یہاں سے ہجرت کر
جاتے۔ لیکن وہ مغلوب ہوگئے اور انگریزی حکومت قائم ہوچکی
اور مسلمانوں نے اپنے پرسنل لاء (مذہبی قوانین۔ ناقل) پر عمل

کرنے کی آزادی کے ساتھ یہاں رہنا قبول کرلیا تو اب یہ ملک
دارالحرب نہیں "

(سود حصہ اوّل حاشیہ ص۷۷، ۷۸ شائع کردہ مکتبہ جماعت اسلامی لاہور طبع اوّل)

ب۔ مولوی حسین احمد صاحب مدنی جیسے سیاسی لیڈر تحریر فرماتے ہیں :۔

"اگر کسی ملک کا اقتدار اعلیٰ کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھوں میں ہو لیکن مسلمان بھی بہر حال اس اقتدار میں شریک ہوں اور ان کے مذہبی اور دینی شعائر کا احترام کیا جاتا ہو تو وہ ملک حضرت شاہ صاحب (حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث قدس سرہٗ۔ ناقل) کے نزدیک بلاشبہ دارالاسلام ہوگا کہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھکر اس کے لیے ہر نوع کی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا معاملہ کریں "

(نقش حیات جلد ۲ ص۱۱)

ج۔ مولانا شبلی نعمانی بھی انگریزوں سے جہاد جائز نہیں سمجھتے تھے۔ دیکھئے (مقالات شبلی جلد اوّل ص۱۷۱ مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڑھ)

د۔ شمس العلماء مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی مترجم قرآن کریم نے فرمایا تھا :۔

"ہندوؤں کی عملداری میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں رہیں اور مسلمانوں کی حکومت میں بعض ظالم بادشاہوں نے ہندوؤں کو ستایا۔ الغرض یہ بات خدا کی طرف سے فیصل شدہ ہے کہ سارے ہندوستان کی عافیت اس میں ہے کہ کوئی اجنبی حاکم اس پر مسلّط رہے، جو نہ ہندو ہو۔ نہ مسلمان ہی ہو۔ کوئی سلاطین یورپ میں سے ہو مگر خدا کی بے انتہاء مہربانی اسکی مقتضی ہوئی کہ انگریز بادشاہ ہوئے۔

(مولانا کے لیکچروں کا مجموعہ بار اوّل مطبوعہ سنہ ۱۸۹۰ء ص۴، ۵)

ہ۔ سر سیّد احمد خان مرحوم لکھتے ہیں :۔

"جب کہ مسلمان ہماری گورنمنٹ کے مستأمن تھے کسی طرح گورنمنٹ کی عملداری میں جہاد نہیں کرسکتے تھے "

(اسباب بغاوت ہند شائع کردہ اردو اکیڈمی سندھ ص۶)

د۔ مولوی نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالوی اہلحدیث رقمطراز ہیں :۔

"علماءِ اسلام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملک ہند میں جب سے

حُکّام والامقام فرنگ فرمانروا ہیں۔ اس وقت سے یہ ملک دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟ حنفیہ جن سے یہ ملک بھرا ہوا ہے ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتوی ہے کہ یہ ملک دارالاسلام ہے اور جب یہ ملک دارالاسلام ہوا تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنی؟ بلکہ عزم جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے اور جن لوگوں کے نزدیک یہ دارالحرب ہے جیسے بعض علماءِ دہلی وغیرہ ان کے نزدیک بھی اس ملک میں رہ کر اور یہاں کے حکام کی رعایا اور امن و امان میں داخل ہو کر کسی سے جہاد کرنا ہرگز روا نہیں جب تک کہ یہاں سے ہجرت کرکے کسی دوسرے ملکِ اسلام میں مقیم نہ ہو۔ غرض یہ کہ دارالحرب میں رہ کر جہاد کرنا

اگلے پچھلے مسلمانوں میں سے کسی کے نزدیک ہرگز جائز نہیں۔ (ترجمان وہابیہ صفحہ ۱۵)

نمبر۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈووکیٹ اہلحدیث اپنے رسالہ "اشاعۃ السنۃ" میں لکھتے ہیں:-

"سلطانِ روم ایک اسلامی بادشاہ ہے، لیکن امن عام اور حسنِ انتظام کے لحاظ سے (مذہب سے قطع نظر) برٹش گورنمنٹ بھی ہم مسلمانوں کے لیے کچھ کم فخر کا موجب نہیں ہے اور خاص کر گروہ اہلحدیث کے لیے تو یہ سلطنت بلحاظ امن و آزادی اس وقت کی تمام سلطنتوں (روم، ایران، خراسان) سے بڑھ کر فخر کا مقام ہے"

(رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۶ صفحہ ۲۹۲)

پھر اسی رسالہ کے صفحہ ۲۹۳ پر لکھتے ہیں:-

"اس امن و آزادی عام و حسنِ انتظام برٹش گورنمنٹ کی نظر سے اہلحدیث ہند اس سلطنت کو از بس غنیمت سمجھتے ہیں اور اس گورنمنٹ کی رعایا ہونے کو اسلامی سلطنتوں کی رعایا ہونے سے بہتر جانتے ہیں اور جہاں کہیں وہ رہیں اور جائیں (عرب میں خواہ روم میں خواہ اور کہیں) کسی اور ریاست کا محکوم ہونا نہیں چاہتے" (رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۶ صفحہ ۲۹۳)

انجمن حمایت اسلام کے جملہ ممبران کا اعلان

"عنایاتِ گورنمنٹ کے عوض میں ہمارا فرض ہے کہ ہم گورنمنٹ کے وفادار رعایا بنے رہیں اور مسلمانوں کو تو دُہرا فائدہ ہے رعایا ہونے کا حق علیحدہ اور ـــ ثواب کا ثواب ـــ کیونکہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں تعلیم دی "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ"۔ خدا ایسی سلطنت کو مدّت تک ہمارے سر پر قائم رکھے جس کے سایۂ عاطفت میں اتنا آرام پایا اور ہمیشہ ہم کو اس کا تابعدار رکھے۔"

(اعلان مطبوعہ رپورٹ انجمن حمایت اسلام ۱۹۰۳ء)

ح۔ شیعانِ ہند کے مجتہد علامہ سید علی الحائری لکھتے ہیں:۔

"ہم کو ایسی سلطنت کے زیر سایہ ہونے کا فخر حاصل ہے جس کی حکومت میں انصاف پسندی اور مذہبی آزادی قانون پا چکی ہے جس کی نظیر اور مثال دنیا کی کسی اور سلطنت میں نہیں مل سکتی ۔۔۔۔۔ اس لیے نیابتاً تمام شیعوں کی طرف سے برٹش سلطنت کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں اس ایثار کا جو وہ اہل اسلام کی تربیت میں بے دریغ مرعی

رکھتی ہے۔ خاص کر کے ہمارا فرقہ جو تمام اسلامی سلطنتوں میں تیرہ سو برس کے ناقابل برداشت مظالم کے بعد آج اس انصاف پسند عادل سلطنت کے زیر حکومت اپنے تمام مذہبی فرائض اور مراسم تولّی و تبرا کو بپابندیٔ قانون اپنے اپنے محل و قوع میں ادا کرتے ہیں اس لیے میں کہتا ہوں کہ ہر شیعہ کو اس احسان کے عوض میں (جو آنائ مذہب کی صورت میں انہیں حاصل ہے) صمیم قلب سے برٹش حکومت کا رہین احسان اور شکرگزار ہونا چاہیئے اور اس کے لیے شرع بھی اس کو مانع نہیں ہے کیونکہ پیغمبر اسلام علیہ وآلہ السّلام نے نوشیروانِ عادل کے عہد سلطنت میں ہونے کا ذکر مدح اور فخر کے رنگ میں بیان فرما دیا ہے۔"

(موعظۂ تحریف قرآن ۔ اپریل ۱۹۲۳ء)

ط۔ سیّد احمد صاحب بریلوی علیہ الرحمۃ "مجدّد صدی سیزدہم" نے یہ سوال پیدا ہونے پر کہ آپ انگریزوں سے کیوں جہاد نہیں کرتے فرمایا:۔

"ہمارا اصل کام اشاعتِ توحید الٰہی اور احیائے سُننِ سید المرسلینؐ ہے سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں۔"

(سوانح احمدی ص ۱۷۱ از مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری صوفی پرنٹنگ کمیٹی ۔ بہاؤالدین)

ی۔ مولوی عبدالحی صاحب حنفی لکھنوی اور مولوی احمد رضا خان صاحب حنفی بریلوی ہندوستان کو اس زمانہ میں دارالاسلام قرار دیتے تھے۔ دیکھو "مجموعہ فتاوی" مولوی عبدالحی لکھنوی جلد ۲ صفحہ ۲۳۵ مطبوعہ ۱۳۱۱ھ و نصرت الابرار صفحہ ۲۹ مطبوعہ مطبع صحافی لاہور اچلسن گنج)

اس کے علاوہ مفتیانِ مکہ:-

۱۔ جمال الدین بن عبداللہ شیخ عمر حنفی مفتئ مکہ معظمہ۔

۲۔ حسین بن ابراہیم مالکی مفتی مکہ معظمہ۔

۳ احمد بن ذہنی شافعی مفتی مکہ معظمہ۔

نے بھی ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔

(دیکھئے کتاب سید عطاء اللہ شاہ بخاری مؤلفہ شورش کاشمیری صفحہ ۱۳۱)

ک۔ مولانا ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر زمیندار لکھتے ہیں:-

"زمیندار اور اس کے ناظرین گورنمنٹ برطانیہ کو سایۂ خدا سمجھتے ہیں اور اس کی عنایاتِ شاہانہ اور انصاف خسروانہ کو اپنی دلی ارادت اور قلبی عقیدت کا کفیل سمجھتے ہوئے اپنے بادشاہ عالم پناہ کی پیشانی کے ایک قطرے کی بجائے اپنے جسم کا خون بہانے کیلئے

تیار ہیں اور یہی حالت ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی ہے۔"

(زمیندار ۹ نومبر ۱۹۱۱ء)

پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ سے پہلے بھی اور دعویٰ کے بعد بھی علماءِ ہند کا جن میں حنفی، اہلحدیث اور شیعہ شامل ہیں یہی فتویٰ تھا کہ انگریزوں سے جہاد کرنا حرام ہے اور مفتیانِ مکہ معظمہ بھی ہندوستان کو اس زمانہ میں دارالاسلام قرار دے رہے تھے۔ تو انگریزوں کو کیا ضرورت پڑ گئی تھی کہ وہ حضرت مرزا صاحبؑ سے مسیح موعود اور مہدی معہود کا دعویٰ کراتے اور ان سے یہ فتویٰ دلاتے کہ انگریزوں سے جہاد حرام ہے۔ انگریزوں سے جہاد کو تو سب علماءِ اسلام حرام قرار دے چکے ہوئے تھے اس لیے انگریزوں کو ایسے آدمی کو کھڑا کرنے کی کیا ضرورت تھی جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرکے تثلیث کے ستون کو پاش پاش کرنے کی کوشش کرتا۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اگر انگریزوں کی عقل و دانش اور نظام حکومت کی تعریف کی ہے تو عین اس اسلامی تعلیم کے مطابق ہے جس پر علمائے ہند کی مذکورہ تحریرات شاہد ناطق ہیں۔

پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے دعویٰ کے بعد جو یہ فتویٰ دیا کہ انگریزوں سے جہاد حرام ہے تو یہ فتویٰ عین شریعت غراء کے مطابق تھا۔

چنانچہ آپؑ تحفہ گولڑویہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اِنَّ وُجُوْہَ الْجِهَادِ مَعْدُوْمَةٌ فِیْ هٰذَا الزَّمَنِ وَهٰذِهِ الْبِلَادِ" (تحفہ گولڑویہ ص۴۳)

"کہ جہاد بالسیف کی وجوہ اس زمانہ میں اور اس ملک میں پائی نہیں جاتیں"

جس نظم میں آپؑ نے فرمایا ؎

اب چھوڑ دو اے دوستو جہاد کا خیال — دیں کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اسی نظم میں آپؑ فرماتے ہیں ؎

فرما چکے ہیں سیدِ کونین مصطفےٰؐ — عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التواء

اس سے ظاہر ہے کہ جہاد بالسیف کو آپؑ نے علی الاطلاق حرام نہیں کہا بلکہ اپنے زمانہ اور ملک میں اس کی شرائط نہ پایا جانے کی وجہ سے اسے صرف ملتوی قرار دیا ہے اور یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے مطابق ہے جو مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق یَضَعُ الْحَرْبَ کے الفاظ میں ہے یعنی کہ وہ جنگ کو روک دے گا۔

(صحیح بخاری باب نزولِ عیسیٰ مطبوعہ مطبع میرٹھ ونیز مطبوعہ مجتبائی)

اس زمانہ کا جہاد:۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس زمانہ میں جہاد روحانی صورت سے رنگ پکڑ گیا ہے اور اس زمانہ کا جہاد یہی ہے کہ اعلائے کلمۂ اسلام میں کوشش کریں مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں۔ دین اسلام کی خوبیاں دنیا میں پھیلائیں یہی جہاد ہے جب تک کہ خدا کوئی دوسری صورت دنیا میں ظاہر کر دے"

(مکتوب حضرت مسیح موعود علیہ السلام بنام میر ناصر نواب صاحب، مندرجہ رسالہ درود شریف مؤلفہ مولانا محمد اسماعیل صاحب فاضلؓ)

اس تحریر سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک جہاد بالسیف منسوخ نہیں بلکہ ملتوی ہوا ہے اور اگر آئندہ کبھی اس کی شرائط پیدا ہو جائیں تو یہ بھی فرض ہو جائے گا۔

جس جہاد کو بصورت اعلائے کلمۂ اسلام آپ فرض سمجھتے تھے اس کا آپؑ نے پورا حق ادا کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے ملکہ معظمہ کو جس کی آپؑ رعایا تھے مندرجہ ذیل الفاظ میں دعوتِ اسلام دی:۔

"اے ملکہ توبہ کر اور اس ایک خدا کی اطاعت میں آجا جس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ شریک اور اس کی تمجید کر۔ کیا تو اُس کے سوا اور

کوئی معبود پکڑتی ہے جو کچھ پیدا نہیں کر سکے بلکہ خود مخلوق ہیں ....
اے زمین کی ملکہ اسلام کو قبول کر تا تو بچ جائے آمسلمان ہوجا۔"
(ترجمہ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۳۲)

جہاد کو منسوخ کرنے کا الزام درست نہیں۔ جس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وقتی طور پر جہاد بالسیف کو حرام قرار دیا۔ اس وقت ساری مسلمان رعایا۔ الاّ ماشاء اللہ انگریزوں کی خیر خواہ تھی اور ان کی شکر گزار بالخصوص پنجاب کے رہنے والے۔ کیونکہ انگریزوں نے پنجاب کو فتح کر کے مسلمانوں کو جلتے ہوئے تنور سے نجات دی تھی جو سکھوں کی حکومت نے اُن کے لیے بھڑکا رکھا تھا۔ سکھوں نے مسلمانوں کو سیاسی غلام بنا رکھا تھا۔ ان کی ثقافت اور تمدّن کو تباہ کر دیا تھا۔ مسلمان جاگیرداروں کی جاگیریں چھین لیں۔ جو مسلمان صنعت و حرفت اور تجارت پر قابض ہونے کی وجہ سے خوشحال تھے انہیں اقتصادی طور پر تباہ کیا۔ خود حضرت بانی سلسلۂ احمدیہ کے خاندان کی جائداد بھی چھین لی بلکہ کسی مسلمان کو اذان دینے کی اجازت نہ تھی۔ مساجد سکھوں کے اصطبلوں میں تبدیل کر دی گئی تھیں اور مدرسے اور اوقاف ویران ہو گئے تھے۔ قومی عصمت بھی سکھوں کے رحم و کرم پر تھی۔ مسلمان قوم کی بیٹیوں کی عزّت محفوظ نہ تھی۔

ان حالات میں جب انگریز نے ۱۸۵۳ء میں سکھوں کو شکست دے دی تو اُس نے مسلمانوں سے حکومت نہیں چھینی تھی بلکہ سکھوں سے ہی چھینی تھی انگریزوں نے مسلمانوں کو محمڈن پرسنل لاء کی آزادی دی۔ ملک میں طوائف الملوکی اور لاقانونیت کی جگہ ایک مضبوط عادلانہ حکومت قائم کر دی۔ مسلمانوں کے اوقاف اور مذہبی ادارے پھر سے زندہ ہونے لگے۔ مذہبی تعلیم پر سے ناروا پابندیاں اُٹھائی گئیں۔ اس طرح پنجاب کے مسلمانوں نے جو ایک عرصہ سے سکھوں کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ اب انہوں نے انگریز کی سلطنت میں سکھ کا سانس لیا اور انگریزی حکومت کو ایک نعمت سمجھا۔ اِن حالات میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام انگریز کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟

مسلمانوں نے اب جو آزادی انگریزوں سے حاصل کی ہے وہ بھی جہاد بالسیف کے ذریعہ سے حاصل نہیں کی۔ بلکہ آئینی طریق سے حاصل کی ہے سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو اعتراف ہے:۔

"۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں علماء شریک ہوئے اور ناکامی کے بعد مارے گئے۔ کچھ قید ہوئے۔ ہزاروں انسان قتل ہوئے۔ شہزادے قتل ہوئے۔ اُن کا خون کیا گیا۔ ان مصیبتوں کے

بعد ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اسلامی حکومت قائم کرنے کا خیال شکست کھا گیا اس کے بعد پھر ۱۹۱۴ء میں علماء کی ایک جماعت نے اسی خیال سے یعنی مسلم راج قائم کرنے کے خیال سے تحریک شروع کی اور اس میں بھی شکست کھائی۔ اس کے بعد ۱۹۲۰ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبند مالٹا سے رہا ہو کر تشریف لائے دہلی میں ملک کے مختلف حصوں سے پانچ سو سے زائد علماء کا ایک اجتماع ہوا اور وہاں یہ طے پایا کہ تشدد کا یہ راستہ غلط ہے موجودہ دور میں اسلامی حکومت کا قیام تقریباً ناممکن ہے۔ لہٰذا کانگریس کیساتھ شامل ہو کر ہندوستان کی تمام حکومتیں مل کر ملک کا انتظام کریں اور جمہوری حکومت بنائیں۔ چنانچہ اس وقت تک ہم اسی عقیدے پر قائم ہیں اور ہم اسی راستہ کو صحیح سمجھتے ہیں۔"

(سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری مولفہ خان کابلی صفحہ ۱۲)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام انگریزوں کے ماتحت رہتے ہوئے بھی غلامانہ ذہنیت نہیں رکھتے تھے وہ اس یقین پر قائم تھے کہ سارا یورپ ایک دن مسلمان

ہو جائیگا۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس یقین پر قائم کئے گئے تھے چنانچہ آپؑ نے بڑے پُر شوکت الفاظ میں یہ اعلان فرمایا:۔

"وہ دن نزدیک آتے ہیں جو سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھیگا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا۔ قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہونگی مگر اسلام کہ آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا، نہ کُند ہوگا۔ جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔ ملکوں میں پھیلے گی۔ اس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا نہ کوئی مصنوعی خدا۔ خدا ایک ہی ہاتھ سے کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دیگا، لیکن نہ کسی تلوار سے نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد رُوحوں کو روشنی عطا کرنے سے، اور پاک دلوں پر ایک نُور اُتارنے سے۔ تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی۔"

(تذکرہ صفحہ ۲۹۹)

یہ ہے وہ شخصیت جس پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اُسے انگریزوں نے

اپنی حمایت کے لیے کھڑا کیا تھا اور اس سے دعویٰ کرایا تھا کہ وہ خدا کی طرف سے مامور ہیں انگریزوں کو ایسی حمایت کرانے کی کیا ضرورت تھی جب کہ وہ شروع سے جانتے تھے کہ صلیب پرستی کے خلاف آپ شدید جوش رکھتے ہیں۔ پس یہ الزام سراسر بے بنیاد ہے آپؑ نے انگریزوں کی جو حمایت کی وہ شریعت کے عین مطابق تھی اور تمام علمائے ہند اُس وقت انگریزوں کے حامی تھے۔ آپؑ نے انگریزوں کی حمایت کر کے اور ان کی اطاعت کی تعلیم دیکر مسلمانوں کو دائمی غلامی کی تعلیم نہیں دی کیونکہ جیسا کہ آپ کے مندرجہ بالا اعلان سے ظاہر ہے۔ آپؑ کا دل اس یقین سے لبریز تھا کہ اسلام کی فتح کا زمانہ قریب آ رہا ہے اور کفر کی صف جلد لپیٹ دی جائیگی اور دجال کا فتنہ پاش پاش ہو جائے گا اور سب ملتیں بجز اسلام کے ہلاک ہو جائیں گی۔ اگر آپ نے ایک عارضی وقت کے لیے ایک غیر ملکی مذہبی آزادی دینے والی حکومت سے تعاون کی ہدایت فرمائی تو یہ شرع شریف کے مطابق وقت کا عین تقاضا تھا۔ انبیاء کی سنت یہی ہے کہ غیر ملکی سلطنت میں رہتے ہوں تو اس کے خلاف باغیانہ خیالات نہ رکھے جائیں۔ کئی نبی جیسے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یوسفؑ حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام بت پرست کافر بادشاہوں کی حکومت میں زندگی گزارتے رہے ہیں۔ بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام تو مصر کے بت پرست بادشاہ کے ماتحت کارکن بھی رہے ہیں اور سب سے

بڑھکر سرورِ کائناتؐ کا طرزِ عمل بھی یہ بتاتا ہے کہ آپؐ نے مکہ کی حکومت کے خلاف کوئی بغاوت نہیں کی بلکہ جب اس کا ظلم انتہاء تک پہنچ گیا تو آپؐ نے اور آپؐ کے ماننے والوں نے وہاں سے ہجرت فرمائی۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا فرضِ منصبی اشاعتِ اسلام کا جہاد تھا انگریزوں کی حکومت میں آپؑ کو اس بارہ میں پوری آزادی حاصل تھی اور انگریزوں نے چونکہ آپؑ سے عدل کا سلوک کیا اس لیے انگریزی حکومت آپؑ کے شکریے کی مستحق تھی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

"لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ"

کہ جو لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔

۲۔ **خوشامد کے الزام کے ردّ میں** حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

الف: "بعض نادان مجھ پر اعتراض کرتے ہیں جیسا کہ صاحب المنار نے بھی کیا ہے کہ یہ شخص انگریزوں کے ملک میں رہتا ہے اس لیے جہاد کی ممانعت کرتا ہے یہ نادان نہیں جانتے کہ اگر میں جھوٹ سے اس

گورنمنٹ کو خوش کرنا چاہتا تو مَیں بار بار کیوں کہتا کہ عیسیٰ بن مریم صلیب سے نجات پاکر اپنی طبعی موت سے بمقام سری نگر مر گیا اور نہ وہ خدا تھا اور نہ خدا کا بیٹا۔ کیا انگریز مذہبی جوش رکھنے والے میرے اس فقرہ سے مجھ سے بیزار نہیں ہونگے۔ پس سنو اے نادانو! مَیں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایسی گورنمنٹ سے جو دین اسلام اور دینی رسوم پر کچھ دست اندازی نہیں کرتی اور نہ اپنے دین کو ترقی دینے کے لیے ہم پر تلوار چلاتی ہے قرآن شریف کی رُو سے مذہبی جنگ کرنا حرام ہے۔"

(کشتی نوح حاشیہ صفحہ ۶۸)

ب۔ "یہ گورنمنٹ مسلمانوں کے خونوں اور مالوں کی حمایت کرتی ہے اور ہر ایک ظالم کے حملہ سے محفوظ کرتی ہے ...... میں نے یہ کام گورنمنٹ سے ڈر کر نہیں کیا اور نہ اس کے کسی انعام کا امیدوار ہو کر کیا ہے بلکہ یہ کام محض اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کیا ہے۔"

(نور الحق حصہ اول صفحہ ۳۰ و ۳۱)

ج۔ "بے شک جیسا کہ خدا نے میرے پر ظاہر کیا صرف اسلام کو دنیا میں

سچا مذہب سمجھتا ہوں لیکن اسلام کی پابندی اسی میں دیکھتا ہوں کہ ایسی گورنمنٹ جو درحقیقت محسن اور مسلمانوں کے خون و مال کی محافظ ہے اس کی سچی اطاعت کی جائے۔ مَیں گورنمنٹ سے ان باتوں کے ذریعہ سے کوئی انعام نہیں چاہتا میں اس سے درخواست نہیں کرتا کہ اس خیر خواہی کی پاداش میں میرا کوئی لڑکا کسی معزز عہدہ پر ہو جائے۔"

(اشتہار ۱۲ر اکتوبر ۱۸۸۹ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۴ صفحہ ۴۹)

د۔ "میری طبیعت نے کبھی نہیں چاہا کہ اپنی متواتر خدمات کا اپنے حکام کے پاس ذکر بھی کروں۔ کیونکہ مَیں نے کسی صلہ اور انعام کی خواہش کے لیے نہیں بلکہ ایک حق بات کو ظاہر کرنا اپنا فرض سمجھا۔"

(تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۱۰)

ھ۔ "مَیں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا جیسا کہ نادان لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس سے کوئی صلہ چاہتا ہوں۔ بلکہ مَیں انصاف اور ایمان کی رُو سے اپنا فرض دیکھتا ہوں کہ اس گورنمنٹ کا شکریہ ادا کروں۔"

(تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۳)

الفاظ میں تعریف کی وجہ

اگر کوئی یہ کہے کہ بے شک جو کچھ آپ نے انگریزوں کی تعریف میں لکھا خلاف واقعہ نہ تھا لیکن بار بار تعریف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف گورنمنٹ میں یہ مخبری کرتے تھے کہ یہ خطرناک آدمی ہے یہ مہدی سوڈانی سے بھی زیادہ خطرناک ہے اس لیے آپؑ کو بطور مدافعت اور ذب کے بھی زوردار الفاظ میں تعریف کی ضرورت پیش آئی۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے جو انگریزوں کی زوردار تعریف کی وجہ سے حکومت کے منظورِ نظر تھے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے دلائل کے جواب میں عاجز آکر آپؑ کے خلاف انگریزوں کے کان بھرنے شروع کئے اور آپؑ کو (معاذ اللہ) دھوکہ باز ثابت کرنے کے لیے لکھا:۔

"اس کے دھوکے پر یہ دلیل ہے کہ دل سے وہ گورنمنٹ غیر مذہب کی جان مارنے اور اس کا مال لوٹنے کو حلال و مباح جانتا ہے .... لہٰذا گورنمنٹ کو اس کا اعتبار کرنا مناسب نہیں اور

اس سے پُر حذر رہنا ضروری ہے ورنہ اس مہدی قادیانی سے اس قدر نقصان پہنچنے کا احتمال ہے جو مہدی سوڈانی سے نہیں پہنچا۔" (رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۶ ۲ حاشیہ صفحہ ۱۶۱ بابت ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۳ء)

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اس قسم کی جھوٹی مخبری سے گورنمنٹ سے کئی مربعے زمین حاصل کی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے راستے میں کانٹے بچھانے کی کوشش کی۔

اسی طرح ایک شخص منشی محمد عبد اللہ نے اپنی کتاب "شہادتِ قرآنی" مطبوعہ ۱۹۰۵ء میں لکھا:۔

"ایسے ہی دیگر آیات قرآنیہ اپنے چیلوں کو سُنا سُنا کر گورنمنٹ کے خلاف مستعد کرنا چاہتا ہے۔"

واضح ہو کہ گورنمنٹ پہلے ہی آپ کو مہدویت کے دعویٰ کی وجہ سے مشتبہ نظروں سے دیکھ رہی تھی اور اس نے خفیہ پولیس مقرر کر رکھی تھی جو آپ کی ہر نقل و حرکت کی گورنمنٹ کو اطلاع دیتی تھی اور جو مہمان آپ کے ہاں آتے تھے ان کے متعلق بھی بہت پوچھ گچھ کی جاتی تھی اور اگر معززین اور رؤسا میں سے کوئی احمدی ہو جاتا تھا تو انگریزی حکام اُسے اشارۃً کہہ دیتے تھے کہ گورنمنٹ

تو اس سلسلہ کو مشتبہ نظروں سے دیکھتی ہے۔ ایسی حالت میں ایسے لوگوں کی مخبری جلتی پر تیل کا کام کر سکتی تھی لہٰذا ردِ عمل کے طور پر اس کی تردید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لیے از بس ضروری ہو گئی۔ کیونکہ آپؑ سچے دل سے حکومت کے وفادار تھے۔ لہٰذا اس پراپیگنڈہ کے بُرے اثر کو زائل کرنے کے لیے آپ کو بار بار اپنی کتابوں میں لکھنا پڑا کہ آپؑ اور آپؑ کی جماعت گورنمنٹ انگریزی کی سچی وفادار ہے۔ مقصود آپ کا ان تحریروں سے صرف یہ تھا کہ مخبروں کی جھوٹی مخبری کی وجہ سے گورنمنٹ کی طرف سے تبلیغ اسلام کے کام میں، جس کا بیڑا آپؑ نے اٹھایا ہے، کوئی روک پیدا نہ ہو۔ باوجود اس ذَبّ اور تردید کے گورنمنٹ ۱۹۰۷ء تک اس مخالفانہ پراپیگنڈہ سے متأثر رہی۔ حتیٰ کہ سر ایبٹسن گورنر ہو کر آئے اور انہوں نے تمام حالات کا جائزہ لیکر اور حضورؑ کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد گورنمنٹ کو یہ رپورٹ کی۔ کہ "اس جماعت کے ساتھ یہ سلوک ناروا ہے بلکہ بڑی ناشکر گزاری کی بات ہے کہ جس شخص نے امن قائم کیا اور جو امن پسند جماعت قائم کر رہا ہے، اس پر پولیس چھوڑی گئی ہے یہ بڑی احسان فراموشی ہے۔ میں اسے ہٹا کر چھوڑونگا"

(الفضل ۱۸ رفروری ۱۹۵۹ء ص۶ کالم اوّل
خطبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ)

اس مخالفانہ اثر کو زائل کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۴ رفروری ۱۸۹۸ء میں گورنر پنجاب کی خدمت میں ایک عرضی بھیجی تھی۔ جس میں اپنی جماعت کے متعلق لکھا۔

"غرض یہ ایک ایسی جماعت ہے جو سرکار انگریزی کی پروردہ اور نیک نامی حاصل کردہ اور موردِ مراحم گورنمنٹ ہیں یا وہ لوگ جو میرے اقارب یا خاندان میں سے ہیں ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد علماء کی ہے جنہوں نے میری اتباع میں اپنے وعظوں سے ہزاروں دلوں میں گورنمنٹ کے احسانات جما دیئے ہیں"

واضح ہو کہ اس عبارت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین قسم کے لوگوں کا ذکر کیا ہے ان لوگوں کا بھی جو گورنمنٹ کے ملازم ہیں اور نیک نام ہیں نیز آپؑ کی جماعت میں شامل ہیں اور ان کا بھی جو آپؑ کے اقارب یا خاندان میں سے ہیں اور اس کے بعد اپنی جماعت کے واعظوں کا۔

خود کاشتہ پودا

اس کے ایک صفحہ بعد آپؑ نے حاسدین گورنمنٹ کی جھوٹی مخبریوں کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

"صرف یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت

جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جاں نثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمتگزار ہیں اس خود کاشتہ پودا کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے۔"

(اشتہار ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۱۹)

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جماعت کو خود کاشتہ پودا قرار نہیں دیا بلکہ آپ کا یہ فقرہ اپنے خاندان کے متعلق ہے انگریزی گورنمنٹ از شروع دعویٰ سے آپ کو اور آپ کی جماعت کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہی تھی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی وغیرہ نے گورنمنٹ کے شبہ کو مزید تقویت دینے کی کوشش کی تھی تو کون عقلمند یہ خیال کر سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جماعت احمدیہ کو انگریزوں کا خود کاشتہ پودا قرار دے سکتے تھے ہاں آپ کے خاندان نے سکھوں کے اثر کو زائل کرنے کے لیے انگریزوں کو جو مدد دی تھی اس کا ذکر کر کے آپ گورنمنٹ کو اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ میرا خاندان جب تمہارا وفادار رہا

ہے تو پھر میں تمہاری حکومت کے متعلق کس طرح باغیانہ خیالات رکھ سکتا ہوں اور ایک ایسی جماعت بنا رہا ہوں جس کو میں کسی وقت گورنمنٹ انگریزی کے خلاف استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

توہینِ مسیح علیہ السلام کا الزام

الزام یہ ہے کہ مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں جو خدا کے نبی اور رسول تھے۔ نازیبا الفاظ استعمال کرکے اور ان کی دادیوں نانیوں کو زناکار قرار دیکر ان کی توہین کی ہے جس کی کسی مسلمان سے توقع نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ مسلمانوں کے لیے سب انبیاء پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

الجواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کا مفہوم یہ ہے کہ آپ مثیلِ مسیح ہیں تو پھر یہ کس طرح ممکن تھا کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کرتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں:۔

"جس حالت میں مجھے دعویٰ ہے کہ میں مسیح موعود ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مجھے مشابہت ہے تو ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے

کہ میں اگر نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برا کہتا تو اپنی مشابہت اُن سے کیوں بتلاتا۔ اس سے تو خود میرا بُرا ہونا لازم آتا ہے۔"

(اشتہار ۲۷ دسمبر ۱۸۹۸ء حاشیہ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ حاشیہ)

اصل حقیقت یہ ہے کہ عیسائی پادریوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بڑے بڑے گستاخانہ کلمات لکھے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں بار بار سمجھایا کہ اس طریق سے باز آئیں مگر وہ گستاخی میں بڑھتے گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اپنی گستاخی کو انتہاء تک پہنچا دیا۔

چنانچہ پادری عمادالدین اور پادری فتح مسیح نے ایسی ایسی گندی باتیں آپؐ کی شان میں لکھیں جن کو پڑھکر مسلمان کا سینہ پھٹ جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان پر ناپاک حملے کئے اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی گندے الزام لگائے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ دیکھکر کہ یہ لوگ اس گندے طریق سے باز نہیں آرہے۔ الزامی رنگ میں انہیں بائبل کی رُو سے بعض جوابات دیکر اُن کا منہ بند کر دیا۔ تا وہ آئندہ ہوش سے کام لیں۔ یہ الزامی جوابات دیتے ہوئے آپؐ نے یہ احتیاط بھی کی ہے کہ یہ الزامات اس نبی اور رسول کے متعلق نہیں ہیں جن کا نام قرآن میں عیسیٰ بیان ہوا ہے بلکہ اس یسوع کے متعلق ہیں۔ جنہیں

عیسائی خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور حقیقت میں ایسا کوئی یسوع موجود نہ تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا پس یہ الزامات بھی دراصل عیسائیوں کے فرضی یسوع پر لگائے گئے نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام پر جو خدا کے نبی اور رسول تھے چنانچہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

"حضرت مسیحؑ کے حق میں کوئی بے ادبی کا کلمہ میرے منہ سے نہیں نکلا۔ یہ سب مخالفوں کا افتراء ہے۔ ہاں چونکہ درحقیقت ایسا کوئی یسوع مسیح نہیں گزرا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہو اور آنے والے نبی خاتم الانبیاء کو جھوٹا قرار دیا ہو اور حضرت موسیٰ کو ڈاکو کہا ہو اس لیے میں نے **فرضِ محال** کے طور پر اس کی نسبت ضرور بیان کیا ہے کہ ایسا مسیح جس کے یہ کلمات ہوں راستباز نہیں ٹھہر سکتا **لیکن ہمارا مسیح ابن مریم جو اپنے تئیں بندہ اور رسول کہلاتا ہے اور خاتم الانبیاء کا مصدق ہے اس پر ہم ایمان لاتے ہیں۔**"

(تریاق القلوب حاشیہ صفحہ)

نیز تحریر فرماتے ہیں :-

"یاد رہے کہ یہ ہماری رائے اُس یسوع کی نسبت ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور پہلے نبیوں کو چور اور بٹمار کہا اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بجز اس کے کچھ نہیں کہا کہ میرے بعد جھوٹے نبی آئیں گے۔ ایسے یسوع کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔" (انجام آتھم ص ۱۳)

اسی طرح فرماتے ہیں :-

"بالآخر ہم لکھتے ہیں کہ ہمیں پادریوں کے یسوع اور اُسکے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی۔ انہوں نے ناحق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیکر ہمیں آمادہ کیا کہ ان کے یسوع کا کچھ تھوڑا سا حال اُن پر ظاہر کریں .... اور مسلمانوں پر واضح رہے کہ خدا تعالیٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو بٹمار رکھا اور آنے والے مقدس نبی کے وجود کا انکار کیا اور کہا میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے پس ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راستبازوں کے دشمن

کو ایک بھلا مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں۔ نادان پادریوں کو چاہیئے کہ وہ گالیوں کا طریق چھوڑ دیں ورنہ نامعلوم خدا کی غیرت کیا کیا اُنکو دکھلائیگی۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص ۸، ۹)

نیز تحریر فرماتے ہیں :-

"چونکہ پادری فتح مسیح نے فتحگڑھ ضلع گورداسپور سے ہماری طرف ایک خط نہایت گندہ بھیجا اور اس میں ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر .... تہمت لگائی اور سوائے اس کے اور بہت سے الفاظ بطریق سبّ و شتم استعمال کئے۔ اس لیے قرین مصلحت معلوم ہوا کہ اس خط کا جواب شائع کر دیا جائے لہٰذا یہ رسالہ لکھا گیا۔ اُمید کہ پادری صاحبان اس کو غور سے پڑھیں اور اس کے الفاظ سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ کیونکہ یہ تمام پیرایہ میاں فتح مسیح کے سخت الفاظ اور نہایت ناپاک گالیوں کا نتیجہ ہے۔

تاہم ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کی شانِ مقدس کا بہر حال لحاظ ہے اور صرف فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض ایک

فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہے وہ بھی سخت مجبوری سے۔
کیونکہ اس نادان (فتح مسیح) نے بہت ہی شدت سے گالیاں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالی ہیں اور ہمارا دل دکھایا ہے"

(نور القرآن ۲ صـ۱)

پھر آپ اعجاز احمدی صـ۱۳ پر لکھتے ہیں:۔

"یہود تو حضرت عیسیٰ کے معاملے میں اور ان پیشگوئیوں کے بارے
میں ایسے قوی اعتراض رکھتے ہیں کہ ہم بھی ان کا جواب دینے میں
حیران ہیں بغیر اس کے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور عیسیٰ نبی ہے کیونکہ
قرآن نے ان کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل ان کی نبوت پر قائم
نہیں ہو سکتی بلکہ ابطال نبوت پر کئی دلائل قائم ہیں یہ احسان قرآن کا ان پر
ہے کہ ان کو بھی نبیوں کے دفتر میں ہی لکھ دیا۔ اس وجہ
سے ہم ان پر ایمان لائے کہ وہ سچے نبی ہیں اور
برگزیدہ ہیں اور تہمتوں سے معصوم ہیں جو ان
پر اور ان کی ماں پر لگائی گئی ہیں"

پھر آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"ہم اس بات کو افسوس سے ظاہر کرتے ہیں کہ ایک ایسے شخص
کے مقابل پر یہ نمبر نور القرآن کا جاری ہوا جس نے بجائے مہذبانہ کلام
کے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت گالیوں سے کام
لیا اور اپنی خباثت سے اس امام الطیبین و سید المطہرین پر سراسر
افتراء سے ایسی تہمتیں لگائی ہیں کہ ایک پاک دل انسان کا ان کے
سننے سے بدن کانپ جاتا ہے۔ لہٰذا محض ایسے یاوہ گو لوگوں کے علاج
کے لیے جواب ترکی بہ ترکی دینا پڑا۔ ہم ناظرین پر ظاہر
کرتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ حضرت مسیح
علیہ السلام پر نہایت نیک عقیدہ ہے اور ہم دل
سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے سچے نبی
اور اس کے پیارے تھے اور ہمارا اس بات پر
ایمان ہے کہ وہ جیسا کہ قرآن شریف ہمیں خبر

دیتا ہے اپنی نجات کے لیے ہمارے سیدو مولیٰ
محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے
ایمان لائے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی
شریعت کے صدہا خادموں میں سے ایک مخلص
خادم وہ بھی تھے پس ہم اُن کی حیثیت کے
موافق ہر طرح اُن کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں، لیکن
عیسائیوں نے جو ایک ایسا یسوع پیش کیا ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا
اور بجز اپنے نفس کے تمام اوّلین اور آخرین کو لعنتی سمجھتا تھا۔ یعنی اُن
بدکاریوں کا مرتکب خیال کرتا تھا جن کی سزا لعنت ہے ایسے شخص کو ہم بھی
رحمتِ الٰہی سے بے نصیب سمجھتے ہیں ...... ہم نے اپنے کلام
میں ہر جگہ عیسائیوں کا فرضی مسیح مُراد لیا ہے

اور خدا تعالیٰ کا ایک عاجز بندہ عیسیٰ بن مریم
جو خدا تعالیٰ کا نبی تھا جس کا ذکر قرآن میں
ہے وہ ہمارے دُرشت مخاطبات میں ہرگز مراد
نہیں یہ طریق ہم نے برابر چالیس برس تک پادری صاحبوں کی
گالیاں سُن کر اختیار کیا ہے۔"

(نور القرآن ۲ ۱۸۹۶ء بعنوان ناظرین کیلئے ضروری اطلاع)

ان تحریرات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآنی عیسیٰ علیہ السلام
کی شان میں کوئی نازیبا لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ آپؑ انہیں خدا کا نبی برگزیدہ اور
راستباز جانتے ہیں۔ آیت قرآنی وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّيْ إِلٰهٌ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ
جَهَنَّمَ کی رُو سے عیسائیوں کو ایسا الزامی جواب دینا جائز ہے جو یسوع مسیح کو خدائی
کا دعویدار قرار دیتے ہیں۔

حضرت مسیحؑ کی دادیاں نانیاں

عیسائیوں نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے خاندان پر ناپاک حملے کئے

توحضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بطور الزامی جواب بائیل سے دکھا دیا کہ یسوع کے خاندان میں تین ایسی عورتیں جو آپ کی دادیاں نانیاں قرار پاتی ہیں زناکار اور کسبی تھیں اس طرح آپ نے ہمیشہ کے لیے عیسائیوں کا منہ بند کر دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان پر ناپاک حملے کر کے آپؐ کی طرف ناپاکی کی نسبت کرنے کی جرأت کرتے تھے۔ بائبل کے حوالہ جات سے تمر۔ راحاب اور بنت سبع کو جو حضرت مسیح کی ایک لحاظ سے دادیاں اور ایک لحاظ سے نانیاں تھیں، بدکار ثابت کر دیا۔ چنانچہ

الف۔ راحاب کی نسبت لکھا ہے کہ وہ کسبی تھی۔ (یشوع ۲/۱)

ب۔ تمر حرامکار تھی۔ (پیدائش ۳۸/۲۴ تا ۳۰)

ج۔ بنت سبع بھی بدکار تھی۔ (۲ سموایل ۱۱/۴)

خود پادری عماد الدین انجیل متی میں ان بدکار عورتوں کو مسیح کے شجرۂ نسب میں موجود پاکر اپنی تفسیر متی کے ص۳ پر یہ لکھنے کے لیے مجبور ہوئے :-

"یہاں سے ظاہر ہے کہ مسیح خداوند نے گنہگاروں کے سلسلہ میں آنے سے نفرت نہیں کی۔"

پس یہ امر عیسائیوں کے مسلمات میں سے ہے کہ یہ تینوں عورتیں جن کا یسوع کے شجرۂ نسب میں ذکر ہے بدکاری کی وجہ سے گنہگار تھیں۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں :-

ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری والدہ سے لیکر حوا تک میری ماؤں کے سلسلہ میں کوئی عورت بدکار اور زانیہ نہیں، نہ مرد زانی اور بدکار ہے، لیکن بقول عیسائیوں کے اُن کے خدا صاحب کی پیدائش میں تین زناکار عورتوں کا خون ملا ہوا ہے۔" (ست بچن ص۱۶۸)

الزامی جوابات کا طریق

علمائے اہل سُنّت میں سے جن کو عیسائیوں سے گفتگو کا واسطہ پڑا ہے ان کی نامناسب روش کو دیکھکر انہیں بھی ایسے الزامی جوابات دینے پڑے ہیں۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیئے ہیں۔ چنانچہ مولوی آلِ حسن نے اپنی کتاب استفسار میں اور مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی نے اپنی کتاب اظہار الحق میں ایسے ہی بہت سے الزامی جوابات دیئے ہیں۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت لکھا ہے کہ ایک

دفعہ ایک پادری شاہ صاحب کی خدمت میں آیا اور سوال کیا۔ کیا آپ کے پیغمبر حبیب اللہ ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ وہ کہنے لگا۔ تو پھر انہوں نے بوقت قتل امام حسین فریاد نہ کی یا یہ فریاد سُنی نہ گئی؟ اس پر شاہ صاحب نے کہا۔ فریاد تو کی، لیکن انہیں جواب آیا کہ تمہارے نواسے کو قوم نے ظلم سے شہید کیا ہے، لیکن ہمیں اس وقت اپنے بیٹے عیسیٰ کا صلیب پر چڑھنا یاد آرہا ہے۔

(رودِ کوثر از شیخ محمد اکرم ایم اے صفحہ ۶۷، ۶۸)

جناب مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں:۔

"نصاریٰ ایسے کو خدا کہتے ہیں جو مسیح کا باپ ہے ....

ایسے کو جو یقیناً دغا باز ہے۔ پچھتاتا بھی ہے۔ تھک جاتا بھی ہے ... الخ

(العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ صفحہ ۲۷، ۲۸)

حافظ قمر الدین صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف نے بھی کتاب پیدائش ۳۸/۱۳ کے حوالہ سے تامار کی بدفعلی سے دو توام بچے پیدا ہونے کا ذکر کیا ہے اور متی ۱/۱۶-۳ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "ایک لڑکا ان میں جس کا نام فارض تھا، حضرت داؤد، حضرت سلیمان حضرت یسوع کے جدِّ امجد ہیں یہ تمام انبیاء بنی اسرائیل اور یسوع مسیح کی جدۂ محترمہ ہیں"۔ (کتاب عیسائی مذہب صفحہ ۵۲، ۵۳ شائع کردہ دار التبلیغ سیال شریف مطبوعہ کراچی)

اخبار اہلحدیث امرتسر اس قسم کے الزامی جوابات سے بھرا پڑا ہے مثلاً:۔

۱۔ مسیح خود اپنے اقرار کے مطابق کوئی نیک انسان نہ تھے۔

(اہلحدیث امرتسر صفحہ ۸، ۳۱ مارچ ۱۹۳۹ء)

۲۔ انجیل کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مسیح نے اجنبی عورتوں سے اپنے سر پر عطر ڈلوایا۔ (دیکھو) متی ۲۶/۶، مرقس ۱۴/۳، یوحنا ۱۲/۶

(اہلحدیث امرتسر ۱۳ مارچ ۱۹۳۹ء)

اور اس پر اپنا نوٹ یہ دیا کہ:۔

"اس قسم کے کام شریعت الٰہیہ کے صریح خلاف ہیں"۔

(ملاحظہ ہو اہلحدیث مذکور)

۳۔ مسیح کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

"شراب جیسے اُم الخبائث چیز کا بنانا اور شادی کی دعوت کے لیے اسی شراب کو پیش کرنا اور خود شرابی اہل مجلس کی دعوت میں مع والدہ کے شریک ہونا۔ اسی یوحنا میں موجود ہے حالانکہ شراب عہد عتیق کی کتابوں میں قطعی حرام قرار پا چکی تھی"۔

(اہلحدیث ۳ مارچ ۱۹۳۹ء)

اس پر نوٹ لکھا ہے :-

"ان حالات میں مسیح کی شراب سازی خلافِ شریعت فعل ہے"۔

(اخبار مذکورہ)

۴- "انجیل کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے کذب کو روا رکھا"۔ (اخبار مذکور ص۹)

۵- "مسیح نے خلافِ واقعہ شہادت دی"۔ (ایضاً ص۹)

۶- "جھوٹ بولنے اور کتمانِ حق کی اجازت دی"۔ (" ")

۷- "اپنی والدہ کی تعظیم نہیں کرتے تھے"۔ (" ")

۸- "اپنی والدہ کو سیدھے منہ ماں کہنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے"۔

(ایضاً ص۹)

اس پر یہ نوٹ دیا ہے :-

"جب مسیح نے ماں کی تحقیر اور بے عزتی ظاہر کر کے شرائع سابقہ کے تاکیدی احکام بلکہ خود اپنے ہی قول کے خلاف کہا تو اُن کے غیر معصوم اور غیر محفوظ ہونے میں کیا شک رہا"۔

(اخبار اہلحدیث ۳ مارچ ۱۹۳۹ء ص۹)

۹- "انجیل کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے یہود کے علماء کے حق درشت الفاظ اور نہایت سخت کلمات کا استعمال کیا ہے"۔ (متی ۲۳) بے ایمانوں کو مسیح نے کُتا کہا۔ دیکھو کنعانی عورت کا قصہ (متی ۱۵/۱۶)

۱۰- "مسیح نے اپنے عہدے کا مقصد بھی پورا نہ کیا"۔ (ایضاً ص۱۰)

مولوی ابوالمحمود صاحب سوہدروی نے اپنی کتاب "اسلام اور عیسائیت" کے ص۷۳ پر لکھا ہے :-

"حضرتِ مسیح علیہ السلام کی تین نانیاں، دادیاں کسبی، زانی اور بدکار تھیں اور چار نانے دادے بھی بد تھے"۔

پھر لکھتے ہیں :-

"زانی اور زانیہ کے اتنے طویل سلسلے میں آنے والے شخص کا اپنا کیرکٹر یا اپنی پوزیشن کیا رہے گی ..... الخ"۔ (اسلام اور عیسائیت ص۷۴)

مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی بھی عیسائیوں کے یسوع مسیح کی بابت لکھتے ہیں :-

"حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ (یعنی عیسائی) اس تاریخی مسیح کے قائل ہی نہیں جو عالم واقع میں ظاہر ہوا تھا بلکہ انہوں نے خود اپنے

وہم وگمان سے ایک خیالی مسیح تصنیف کر کے اُسے خدا بنا لیا ہے۔"

(تفہیم القرآن جلد ۱ صفحہ ۴۹۱ سورۃ النساء)

بانی مدرسہ دیوبند مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی لکھتے ہیں:۔

"نصاریٰ جو دعویٰ محبّت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتے ہیں تو حقیقت میں اُن سے محبت نہیں کرتے کیونکہ دار و مدار اُن کی محبت کا خدا کا بیٹا ہونے پر ہے۔ سو یہ بات حضرت عیسیٰ میں تو معلوم البتہ ان کے خیال میں تھی۔ اپنی خیالی تصویر کو پوجتے ہیں اور اسی سے محبّت رکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو خداوند کریم نے ان کی واسطہ داری سے برطرف رکھا ہے۔"

(رسالہ ہدیۃ الشیعہ صفحہ ۲۴۴ و صفحہ ۲۴۵)

اس تمام بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک خیالی اور فرضی یسوع پر مسلّماتِ خصم سے عیسائیوں کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت گستاخیاں کرنے پر الزامی جوابات کا طریق اختیار کیا ہے اور حضرت عیسیٰ ؑ کو بار بار ان الزمات سے پاک قرار دیا اور انہیں خدا کا نبی اور رسول اور راستباز بندہ قرار دیا ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ وہ ان مخاطبات میں مدِّنظر نہیں ہے۔

مسیح کا شراب پینا:۔

"یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔"

معترضین کشتی نوح صفحہ ۶۵ کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں اور اس عبارت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین قرار دیتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ سیاقِ کلام اسکا پیش نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسلمانوں کو جو یورپ کی تقلید میں شراب پیتے ہیں۔ ہدایت فرما رہے ہیں کہ یورپ کے لوگ تو شراب پینے کے لیے اپنے زعم میں ایک یہ وجہِ جواز رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح شراب پیتے تھے، لیکن اسلام میں تو اس کے لیے کوئی وجۂ جواز نہیں پس تم کس بناء پر شراب پیتے ہو؟

اس نصیحت کو تو نظر انداز کیا جاتا ہے اور مسیح کی توہین کا الزام لگایا جاتا ہے۔ حالانکہ مسیح کے زمانہ میں شراب حرام نہ تھی کہ اس کا پینا معصیت ہوتا اسی لیے عیسائیوں کے مذہب میں عشاءِ ربّانی کی رسم میں شراب کا استعمال ایک مذہبی رسم ہے جسے وہ مسیح کے ذریعہ جاری شدہ خیال کرتے ہیں اور حضرت مسیح

کا ایک مجلس کے لیے معجزہ سے شراب بنانا خود انجیلوں میں مذکور ہے۔ ہاں اگر شراب اُس زمانہ میں حرام ہوتی تو پھر حضرت مسیحؑ کے لیے اس کا استعمال ناجائز ہوتا حضرت مسیح موعود نے تو اس جگہ دُو توجیہیں بھی بیان کردی ہیں کہ یا وہ بیماری کی وجہ سے شراب پیتے تھے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔ گویا اس جگہ آپؑ کے نزدیک مسیحؑ نے اضطراراً شراب پی تھی جس حد تک ان کی شریعت میں جائز تھی۔

عمل الترّب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں مسیح کے معجزات کے متعلق یہ لکھا ہے :۔

"یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم باذن وحکم الٰہی الیسع نبی کی طرح اس عمل الترّب میں کمال رکھتے تھے گو الیسع کے درجہ کاملہ سے کم رہے ہوئے تھے کیونکہ الیسع کی لاش نے بھی معجزہ دکھایا کہ اس کی ہڈیوں کے لگنے سے ایک مُردہ زندہ ہو گیا مگر چوروں کی لاشیں مسیح کے جسم سے لگنے سے ہرگز زندہ نہ ہو سکیں بہرحال مسیح کی یہ تربی کارروائیاں زمانہ کے مناسب حال بطور خاص مصلحت کے تھیں مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ امر ایسا قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ

عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابلِ نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے اُمیدِ قوی رکھتا تھا کہ ان عجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح سے کم نہ رہتا۔ لیکن مجھے وہ رُوحانی طریق پسند ہے جس پر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم مارا ہے۔ حضرت مسیح نے بھی اس عملِ جسمانی کو یہودیوں کے جسمانی اور پست خیالات کی وجہ سے جو اُن کی فطرت میں مرکوز تھے باذن وحکم الٰہی اختیار کیا تھا ورنہ دراصل مسیح کو بھی یہ عمل پسند نہ تھا" (ازالہ اوہام ص۱۲۹، ض۱۳)

اس عبارت کو بھی باعثِ توہین سمجھا جاتا ہے اس وجہ سے کہ آپؑ نے اس عمل کو مکروہ اور قابلِ نفرت لکھا ہے مگر یہ عمل تو مکروہ اور قابل نفرت شریعتِ اسلامیہ کی رُو سے ہے نہ کہ شریعتِ سابقہ توراۃ کی رُو سے اور حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے ذوق کے لحاظ سے اس کو ناپسندیدہ سمجھتے ہوتے ہوئے اس زمانہ کے لوگوں کے پست خیالات کی وجہ سے باذن وحکم والٰہی اختیار کیا تھا۔ تا یہودی ہدایت پا سکیں۔ بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس عمل کو جو اسلامی شریعت میں ناپسندیدہ اور خود حضرت مسیح کے ذوق کے بھی خلاف تھا پست فطرت یہودیوں کے جسمانی خیالات کی وجہ سے اختیار کرنا قرار دیا ہے پھر

اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُس زمانہ کے لوگوں کی فطرت کے لحاظ سے ایک عقلی معجزہ ہی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ آپؑ لکھتے ہیں :۔

"سو واضح ہو کہ انبیاء کے معجزات دو ۲ قسم کے ہوتے ہیں :۔

۱۔ ایک وہ جو محض سماوی امور ہوتے ہیں جن میں انسان کی تدبیر اور عقل کو کچھ دخل نہیں ہوتا جیسا شق القمر جو ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اور خدا تعالیٰ کی غیر محدود قدرت نے ایک راستباز اور کامل نبی کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اُسے دکھلایا تھا۔

۲۔ دوسرے عقلی معجزات ہیں جو اس خارقِ عادت عقل کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جو الہام الٰہی سے ملتی ہے جیسے سلیمان کا وہ معجزہ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيرَ ہے جس کو دیکھکر بلقیس کو ایمان نصیب ہوا۔

اب جاننا چاہیے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کا معجزہ حضرت سلیمانؑ کی طرح صرف عقلی تھا۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۱۳۷)

اب یہ کس قدر ظلم ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو حضرت مسیح کی

نرالی کارروائیوں کو باذنِ الٰہی آپ کا معجزہ قرار دیتے ہیں، لیکن معترضین عمل الترب کے ذکر کو حضرت مسیحؑ کی توہین قرار دیتے ہیں۔

پس خلاصۂ بحث یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی توہین نہیں کی۔ بلکہ عیسائیوں کو بطور الزام خصم انجیل کی رُو سے اپنے اعتراضات میں ملزم گردانا ہے۔ چنانچہ مسیح کا قول انجیل متی ۷ میں یہ لکھا ہے :۔

"عیب نہ لگاؤ تا تم پر عیب نہ لگایا جائے"

عیسائیوں نے اس قول کے ہوتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر گندے الزامات لگائے تو ضروری تھا کہ یسوع مسیح کی اس پیشگوئی کے مطابق عیسائیوں کیلئے بھی وہی پیمانہ استعمال کیا جاتا جو وہ استعمال کر رہے تھے۔ پس از رُوئے تعلیم یسوع مسیح بھی مسلمانوں کی طرف سے مدافعت کے اس طریق کا استعمال ضروری تھا چنانچہ اس کا یہ اثر ہوا کہ اس کے بعد عیسائیوں نے اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ السلام پر ناپاک حملوں کا طریق چھوڑ دیا اور ان کی روش بدل گئی اور انہوں نے اس میں خاصی اصلاح کر لی۔ اگر عیسائیوں کے گندے اعتراضات کے الزامی جوابات نہ دیئے جاتے۔ تو ملک میں سخت فتنے کا دروازہ کھل جاتا اور مسلمانوں کو سخت مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا کیونکہ مسلمان اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف گندے اعتراضات

نہیں سُن سکتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں کے سامنے یہود یا
کے اعتراضات پیش کر کے مسلمانوں کے جوش کو ٹھنڈا کر دیا اور اس طرح مسلمان قوم
کو ایک سخت تباہی اور کشت وخون سے بچا لیا۔ بدا قدحت کا یہ طریق اضطرارًا
جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کے عام اسلامی قانون کے ماتحت اختیار کیا
گیا۔ اپنی نیت کو صحیح رکھتے ہوئے اس قسم کی تنقید جو دشمن کا منہ بند کرنیوالی ہو
اس آیت کے ماتحت جائز ہے اسی لیے علماءِ اسلام بھی عیسائیوں کو بالمقابل
الزامی جوابات دیتے رہے جن میں صرف فرضی یسوعؔ مدِّنظر تھا نہ کہ حضرت عیسیٰؑ۔

آپؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"موسوی سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا اور محمدی سلسلہ
میں مَیں مسیح موعود ہوں سو مَیں اس کی عزت کرتا ہوں جس کا ہم
نام ہوں اور مُفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ مَیں
مسیح ابن مریم کی عزّت نہیں کرتا۔" (کشتیٔ نوح صفحہ ۱۶)

الزام بعض پیشہ ور مناظر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحبؑ نے لکھا ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم "عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھا لیتے تھے حالانکہ
مشہور تھا کہ سؤر کی چربی اس میں پڑتی ہے۔" یہ مناظر کہتے ہیں کہ یہ مرزا صاحبؑ

کا جھوٹ ہے۔ کسی حدیث میں ایسا نہیں لکھا۔

الجواب:۔ اس بارہ میں حدیث تو ہم بعد میں پیش کریں گے جس سے انشاءاللہ
معترض کا اعتراض ھباءً منثورًا ہو جائیگا۔ اولاً ہم یہ بتانا چاہتے ہیں
کہ یہ عبارت اس سیاق میں واقع ہے کہ محض شک وشبہ اور وسوسہ کی بناء پر
بعض امور کو حرام نہیں سمجھ لینا چاہیئے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت مسیح
موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے قادیان سے ۲۵ نومبر ۱۹۰۳ء کو ایک صاحب
کے استفسار کے جواب میں مندرجہ ذیل خط لکھا کہ:۔

"آپ کا خط مجھکو ملا۔ آپ اپنے تئیں سمجھا دیں کہ اس طرح شک و
شبہ میں پڑنا بہت منع ہے۔ شیطان کا کام ہے جو ایسے وسوسے
ڈالتا ہے۔ ہرگز وسوسہ میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ گناہ ہے اور یاد رہے
کہ شک کیساتھ غسل واجب نہیں ہوتا اور نہ صرف شک سے کوئی
چیز پلید ہو سکتی ہے ایسی حالت میں بے شک نماز پڑھنا چاہیئے
اور میں انشاءاللہ دُعا بھی کرونگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور
آپؐ کے اصحاب وہمیوں کی طرح ہر وقت کپڑا صاف نہیں کرتے
تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اگر کپڑا پر منی گرتی تھی تو ہم اس منی

خشک شدہ کو صرف جھاڑ دیتے تھے کپڑا نہیں دھوتے تھے اور آپؐ
ایسے کنوؤں سے پانی پیتے تھے جس میں حیض کے لتّے پڑتے تھے ظاہری
پاکیزگی سے معمولی حالت پر کفایت کرتے تھے۔ عیسائیوں کے ہاتھ
کا پنیر کھا لیتے تھے۔ حالانکہ مشہور تھا کہ سوٴر کی چربی اس میں پڑتی
ہے۔ اصول یہ ہے جب تک یقین نہ ہو ہر ایک چیز پاک ہے۔ محض
شک سے کوئی چیز پلید نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شیر خوار بچہ کبھی کپڑے پر
پیشاب کر دے تو اس کپڑے کو دھوتے نہیں تھے۔ محض پانی کا ایک
چھینٹا اس پر ڈال دیتے تھے اور بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
فرمایا کرتے تھے کہ روح کی صفائی کرو۔ صرف جسم کی صفائی اور
کپڑے کی صفائی بہشت میں داخل نہیں کریگی۔ اور فرمایا کرتے
تھے کپڑوں کے پاک کرنے میں وہم سے بہت زیادہ مبالغہ کرنا اور
وضوء پر بہت پانی خرچ کرنا اور شک کو یقین کی طرح سمجھ لینا یہ سب
شیطانی کام ہیں اور سخت گناہ ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کسی مرض
کے وقت میں اونٹ کا پیشاب بھی پی لیتے تھے۔ فقط۔ خوابوں کی تفصیل و
تعبیر کرنے کی گنجائش نہیں۔ اتنا لکھنا کافی ہے کہ سب خوابیں اچھی

ہیں۔ بشارتیں ہیں۔ کوئی بُری نہیں۔ والسلام۔

خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ از قادیان "

(منقول از اخبار الفضل قادیان ۲۲ فروری ۱۹۲۴ء صفحہ ۹)

اس خط کے منطوق سے ظاہر ہے کہ اسلام نے شک وشبہ کو اہمیت نہیں
دی۔ صرف یقین کو اہمیت دی ہے۔ جب تک یقین نہ ہو۔ بعض اشیاء کا ترک واجب
نہیں ہے۔ انہیں میں وہ پنیر تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھا لیتے تھے۔
حالانکہ مشہور تھا کہ سوٴر کی چربی اس میں پڑتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
اس طرزِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک یقین نہ ہو ہر ایک چیز پاک ہے محض
شک سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔ اپنے طرزِ عمل سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے اُمّت پر عظیم الشان احسان فرمایا ہے۔ تا اُمّت پر تنگی وارد نہ ہو اور دین میں
آسانی رہے۔ اصولی ہدایت آپؐ کی یہی ہے کہ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ کہ دین آسان
ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہی ہدایت کی گئی ہے کہ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ
الْحَقِّ شَیْئًا کہ ظنیّات پر بنیاد نہ رکھی جائے بلکہ یقین پر کسی عمل کی بنیاد رکھی جائے
کیونکہ یقین کے مقابل پر ظنّ کی کوئی حیثیت نہیں۔

اس سلسلہ میں جو روایات ہیں ان میں سے ایک روایت میں پنیر میں مُردار

ڈالا جانے کا ذکر ہے اور دوسری میں یہ ذکر ہے کہ پنیر کے متعلق یہ مشہور تھا کہ اس میں سؤر کی چربی پڑتی ہے یہ دونوں حدیثیں درج ذیل ہیں:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا فَتَحَ مَکَّۃَ رَاٰی جُبْنَۃً قَالَ مَا ھٰذَا فَقَالُوْا طَعَامٌ یُصْنَعُ بِاَرْضِ الْعَجَمِ فَقَالَ ضَعُوْا فِیْہِ السِّکِّیْنَ وَکُلُوْا وَرَوَی اَحْمَدُ وَالْبَیْھَقِیُّ عَنْہُ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِجُبْنَۃٍ بِغَزْوَۃِ تَبُوْکَ فَقَالَ اَیْنَ صُنِعَتْ ھٰذِہٖ ۔ قَالُوْا بِفَارِسَ وَنَحْنُ نَرٰی اَنْ یُّجْعَلَ فِیْھَا مَیْتَۃٌ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَطْعِمُوْا وَفِیْ رِوَایَۃٍ ضَعُوْا فِیْھَا السِّکِّیْنَ وَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَکُلُوْا قَالَ الْخَطَّابِیُّ اَبَاحَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی ظَاھِرِ الْحَالِ وَلَمْ یَمْتَنِعْ مِنْ اَکْلِہٖ"

(زرقانی شرح المواہب اللدنیہ جلد ۴ صفحہ ۳۳۵)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے مکہ فتح کیا تو آپؐ نے پنیر دیکھکر فرمایا۔ یہ کیا ہے؟ صحابہؓ نے کہا یہ کھانا ہے جو عجمی علاقہ میں تیار کیا جاتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اس میں چھری رکھو اور اسے کھاؤ (یعنی چھری سے کاٹ کر کھاؤ) احمد اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غزوۂ تبوک میں پنیر پیش کیا گیا۔ تو آپؐ نے پوچھا۔ یہ کہاں تیار ہوا ہے صحابہؓ نے کہا۔ فارس میں اور ہمارا خیال یہ ہے کہ اس میں مُردار ڈالا جاتا ہے۔ (یعنی مردار کی چربی) حضورؐ نے فرمایا کھاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا۔ اس میں چھری رکھو اور اللہ کا نام لیکر کھاؤ"

ان حدیثوں کی بناء پر خطابی نے کہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پنیر کو اس کی ظاہری حالت کی بناء پر مباح (جائز) ٹھہرایا ہے اور اس کے کھانے سے ممانعت نہیں فرمائی۔

اب خاص سؤر کی چربی والی روایت ملاحظہ ہو:۔

حضرت شیخ زین الدین بن عبد العزیز اپنی کتاب "فتح المعین شرح قرۃ العین" میں زیر عنوان "باب الصلوٰۃ" زیر "قاعدہ مہمہ" مطبوعہ مصر مؤلفہ سنہ ۹۸۲ھ میں لکھتے ہیں:۔

"وَجُوْخٌ اِشْتَهَرَ عَمَلُهٗ بِلَحْمِ الْخِنْزِيْرِ وَجُبْنٌ
شَامِيٌّ اِشْتَهَرَ عَمَلُهٗ بِاَنْفِحَةِ الْخِنْزِيْرِ وَقَدْ
جَاءَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُبْنَةٌ مِّنْ عِنْدِهِمْ
وَلَمْ يَسْئَلْ عَنْ ذٰلِكَ ذَكَرَهٗ شَيْخُنَا فِي الْمِنْهَاجِ"

اسی حدیث کی روشنی میں خان احمد شاہ صاحب قائم مقام اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہوشیار پور نے ۱۸۷۵ء میں رسالہ "اظہار الحق در بارہ جواز طعام اہل کتاب" کے نام سے ایک فتویٰ شائع کیا ہے اس رسالہ میں مولوی نذیر حسین صاحب وغیرہ علماءِ غیر مقلد کی مہریں موجود ہیں، اور اس کے چھپوانے میں مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی نے بڑی کوشش فرمائی۔ اس فتویٰ مہری کو مولوی عطا محمد صاحب نے مندرجہ کتاب "اظہار الحق" مطبوعہ "اتالیق ہند" لاہور کے صفحہ ۱۷ و ۱۸ پر "قرۃ العین" کی شرح "فتح المبین" کی عربی عبارت مندرجہ بالا درج کرنے کے بعد ترجمہ یوں کیا اور لکھا کہ:۔

"اور جُوخ جو مشہور ہے بنانا اس کا ساتھ چربی سؤر کے اور پنیر شام کا جو مشہور ہے بنانا اس کا ساتھ پنیر مائع سؤر کے اور آیا جناب سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پنیر اُن کے پاس سے، پس کھایا آنحضرتؐ نے اُس سے اور نہ پوچھا اُس سے (یعنی اس کی بابت)"

(فتویٰ اظہار الحق ص ۱۷ و ۱۸ مطبوعہ ۱۸۷۵ء)

اب معترضین کا صرف ایک اعتراض باقی رہ جاتا ہے کہ مرزا صاحبؑ نے اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کیا ہے اور حضرت عائشہؓ کی کوئی روایت اس مضمون کی موجود نہیں۔ یہ محض مغالطہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے خط میں یہ نہیں لکھا کہ پنیر کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت صرف یہ ہے جیسا کہ خط سے ظاہر ہے:۔

"کہ کپڑا پر منی گرتی تھی۔ تو ہم اس منی خشک شدہ کو جھاڑ دیتے تھے۔ کپڑا نہیں دھوتے تھے۔"

پنیر والی روایت کے متعلق یہ الفاظ نہیں لکھے کہ وہ حضرت عائشہ الصدیقہؓ سے مروی ہے۔ بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے بعد صرف مسئلہ کو سمجھانے کے لیے دوسری روایت کا ذکر آگیا ہے جس میں راوی کا نام درج نہیں کیا گیا۔ اس کے بعد بھی بعض باتیں احادیث کی رُو سے بیان ہوئی ہیں وہ بھی حضرت عائشہ الصدیقہؓ سے مروی نہیں ہیں۔ پس پنیر والی روایت کو حضرت عائشہ الصدیقہؓ کی طرف منسوب سمجھ لینا معترضین کی غلط فہمی ہے۔ پنیر والی حدیث کا ذکر "ستارہ محمدی" ص ۱۴/۱۵ "شمس الہدیٰ" ص ۳ "الفتح المبین" بجواب "الظفر المبین" کے ص ۵ پر بھی موجود ہے۔

اعتراض امام مہدی از روئے احادیث نبویہ حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہونا چاہیئے لیکن مرزا صاحب تو مغل ہیں۔ وہ کس طرح مہدی ہو گئے؟ جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے:۔

"اِنَّ الْمَهْدِيَّ مِنْ عِتْرَتِيْ مِنْ وُلْدِ فَاطِمَةَ۔"

(کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۶۸۶)

الجواب:۔ واضح ہو کہ امام مہدی کے متعلق جو روایات ہیں ان میں بہت سا اختلاف موجود ہے۔ علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں ان روایات کو نقل کر کے ان پر جرح کی ہے اور اپنی تنقید کا نتیجہ یہ بیان فرمایا ہے:۔

"فَهٰذِهٖ جُمْلَةُ الْاَحَادِيْثِ الَّتِيْ اَخْرَجَهَا الْاَئِمَّةُ فِيْ شَانِ الْمَهْدِيِّ وَخُرُوْجِهٖ آخِرَ الزَّمَانِ وَهِيَ كَمَا رَأَيْتَ لَمْ يَخْلُصْ مِنَ النَّقْدِ اِلَّا الْقَلِيْلُ الْاَقَلُّ مِنْهُ۔"

یعنی یہ وہ تمام احادیث ہیں جنہیں آئمہ نے مہدی اور اُس کے آخری زمانہ میں خروج کے متعلق نکالا ہے اور یہ احادیث جیسا کہ آپ نے (جرح سے) معلوم کر لیا ہے سوائے قلیل الاقل کے تنقید سے خالی نہیں۔

روایات میں تضاد بعض احادیث میں مہدی کو اولاد فاطمہؓ سے قرار دیا گیا ہے۔ بعض سے حضرت حسنؓ کی اولاد سے مہدی ہونا سمجھا گیا۔ بعض حضرت حسینؓ کی اولاد سے مہدی قرار دیتے ہیں۔ بعض حضرت عباسؓ کی اولاد سے۔ بعض حضرت عمرؓ کی اولاد سے اور بعض احادیث میں ہے کہ مہدی مجھ سے ہے یا میری اُمّت میں سے نکلے گا۔

روایات میں یہ اختلاف سیاسی وجوہ سے پیدا ہوا۔ خلافت راشدہ کے بعد انتشار کے زمانہ میں ہر گروہ نے دوسرے گروہ پر اپنی برتری ظاہر کرنے کے لیے روایات میں تصرف سے کام لیا ہے اس لیے ان سب روایات سے اعتبار اُٹھ گیا ہے جن میں مہدی کا کسی خاص خاندان میں پیدا ہونے کا ذکر ہے اور صرف وہی روایات قابلِ قبول رہتی ہیں جن میں حضرت امام مہدی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت سے ہونا مذکور ہے ایسی روایات ہی سیاسی وجوہ کے ہونے سے پاک معلوم ہوتی ہیں۔

واضح رہے کہ اکثر روایات میں **مہدی** کے ساتھ **امام** کا لفظ بھی موجود نہیں۔ اگر یہ روایات درست بھی ہوں تو مہدی کئی ہو سکتے ہیں لیکن بخاری اور مسلم میں اور اسی طرح مسند احمد بن حنبلؒ کی روایت میں نازل ہونے والے ابن مریم کو ہی الامام یا الامام المہدی قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری باب

نزول عیسیٰ و مسند احمد بن حنبل کی حدیث :-

" یُوْشِکُ مَنْ عَاشَ مِنْکُمْ اَنْ یَّلْقٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ
اِمَامًا مَھْدِیًا حَکَمًا عَدْلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ
الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَۃَ وَتَضَعُ الْحَرْبُ اَوْزَارَھَا "

(مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۱۱ بروایت ابو ہریرہؓ)

ترجمہ :- " قریب ہے کہ جو تم میں سے زندہ ہو عیسیٰ بن مریم سے اس کے
امام مہدی ہونے کی حالت میں ملے اور وہ حکم اور عدل
ہوگا پس صلیب توڑے گا اور خنزیر کو مارے گا اور جزیہ کو موقوف
کردیگا اور لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے گی ۔"

بخاری اور مسلم کی روایتوں میں نازل ہونے والے عیسیٰ بن مریم کے لیے علی الترتیب
اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ اور فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ کے الفاظ وارد ہیں ان احادیث میں نازل
ہونے والے عیسیٰ بن مریم کو اُمّت کا ایک فرد قرار دیا گیا ہے اس سے ظاہر ہے امام مہدی
کو ابن مریم کا نام حضرت عیسیٰ سے مماثلت رکھنے کی وجہ سے بطور استعارہ دیا گیا ہے ۔
شیعوں کی حدیث بحار الانوار میں ابو الدرداء کی روایت سے امام مہدی کے
متعلق بیان ہے کہ :-

" اَشْبَہُ النَّاسِ بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ "
کہ وہ سب لوگوں سے بڑھکر عیسیٰ بن مریم سے مشابہ ہوگا ۔

ایک روایت میں ہے :-

" وَلَا الْمَھْدِیُّ اِلَّا عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ " (ابن ماجہ)

اس کی روشنی کے مطابق اقتباس الانوار میں لکھا ہے :-

" رُوحِ عیسیٰ در مہدی بروز کند واز نزول اشارہ بہمیں بروز
است ، مطابق ایں حدیث کہ لَا الْمَھْدِی اِلَّا عِیْسَی ابن مریم ۔"
کہ مسیح کی روحانیت مہدی میں بروز کرے گی اور یہی مفہوم ہے لا
المہدی اِلَّا عیسیٰ ابنُ مَرْیَمَ کا ۔

واقعات نے ان حدیثوں کی تائید کی کیونکہ خدا تعالیٰ نے ایک ہی شخص
کو اُمّت میں سے عیسیٰ بن مریم کا نام دیکر مامور کیا ہے ۔

حضرت مسیح موعودؑ اولادِ فاطمہؓ سے ہیں

عجیب اتفاق ہے کہ :-
" مِنْ وُلْدِ فَاطِمَۃَ "
والی حدیث حضرت مسیح موعودؑ پر صادق آتی ہے ۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ
الصّلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں :-

"سادات کی جڑ یہی ہے کہ وہ بنی فاطمہ ہیں۔ سو میں اگرچہ علوی تو نہیں ہوں مگر بنی فاطمہ میں سے ہوں۔ میری بعض دادیاں مشہور اور صحیح النسل سادات میں سے تھیں۔ اور ہمارے خاندان میں یہ طریق جاری رہا ہے کہ کبھی سادات کی لڑکیاں ہمارے خاندان میں آئیں اور کبھی ہمارے خاندان کی لڑکیاں اُن کے گھر گئیں"۔

(نزول المسیح حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۴۸)

تحفہ گولڑویہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"میرے وجود میں ایک حصہ اسرائیلی ہے اور ایک حصہ فاطمی اور میں دونوں مبارک پیوندوں سے مرکب ہوں اور احادیث اور آثار کو دیکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ آنے والے مہدی آخر الزمان کی نسبت یہی لکھا ہے کہ وہ مرکب الوجود ہوگا"[1] (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۱)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا :۔

"جَعَلَ لَکُمُ الصِّھْرَ وَالنَّسَبَ"۔

---

[1] حاشیہ :۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ :۔

"لَوْنُہٗ لَوْنٌ عَرَبِیٌّ وَجِسْمُہٗ جِسْمٌ اِسْرَائِیْلِیٌّ"۔ (النجم الثاقب صفحہ ۷۹)

آپ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں :۔

"الہام اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الصِّھْرَ وَالنَّسَبَ" سے ایک لطیف استدلال میرے بنی فاطمہ ہونے پر پیدا ہوتا ہے کیونکہ صِہر اور نسب ایک ہی جَعَلَ کے نیچے رکھے گئے ہیں اور ان دونوں کو قریباً ایک ہی درجہ کا امر قابلِ حمد ٹھہرایا ہے اور یہ صریح دلیل اس بات پر ہے کہ جس طرح صِہر یعنی دامادی کو بنی فاطمہ سے تعلق ہے اسی طرح نسب میں بھی فاطمیت کی آمیزش والدات کی طرف سے ہے اور صہر کو نسب پر مقدم رکھنا اسی فرق دکھلانے کے لیے ہے کہ صِہر میں خالص فاطمیت ہے نسب میں اس کی آمیزش"۔ (حاشیہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۰)

ایک کشف کی شہادت کہ آپؑ حضرت فاطمہؓ کی اولاد ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ کشف براہین احمدیہ میں یوں مذکور ہے :۔

"اور ایسا ہی الہام متذکرہ بالا میں جو آلِ رسول پر درود بھیجنے کا حکم ہے سو اس میں بھی یہی سِرّ ہے کہ افاضہ انوار الٰہی میں محبت

اہلبیت کو بھی نہایت عظیم دخل ہے اور جو شخص حضرت احدیّت
کے مقربین میں داخل ہوتا ہے وہ انہیں طیّبین طاہرین کی
وراثت پاتا ہے اور تمام علوم و معارف میں ان کا وارث ٹھہرتا
ہے اِس جگہ ایک نہایت روشن کشف یاد آیا اور وہ یہ ہے کہ ایک
مرتبہ نماز مغرب کے بعد عین بیداری میں ایک تھوڑی سی غیبت
حسّ سے جو خفیف سے نشا سے مشابہ تھی ایک عجیب عالم
ظاہر ہوا کہ پہلے یک دفعہ چند آدمیوں کے جلد جلد آنے کی آواز
آئی جیسی بسُرعت چلنے کی حالت میں پاؤں کی جُوتی اور مُوزہ کی
آواز آتی ہے پھر اُسی وقت پانچ آدمی نہایت وجیہہ اور مقبول
اور خوبصورت سامنے آگئے۔ یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم و
حضرت علیؓ و حسنینؓ و فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم اجمعین اور
ایک نے اُن میں سے اور ایسا یاد پڑتا ہے کہ حضرت فاطمہ
رضی اللہ عنہا نے نہایت محبّت اور شفقت سے مادرِ
مہربان کی طرح اس عاجز کا سر اپنی ران پر رکھ لیا۔ پھر
بعد اس کے ایک کتاب مجھکو دی گئی جس کی نسبت یہ بتلایا

گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علیؓ نے تالیف کیا ہے اور اب علیؓ
وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔"

(براہین احمدیہ جلد چہارم صفحہ ۵۰۳ حاشیہ در حاشیہ)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فاطمۃ الزہراءؓ سے
فرزند کی نسبت رکھتے ہیں اور وہ ان کے لیے **مادرِ مہربان** کی۔
چنانچہ اسی کشف کو آپؑ نے تحفہ گولڑویہ میں بالاختصار درج کر کے اس سے
یہ نتیجہ نکالا ہے کہ:-

"غرض میرے وجود میں ایک حصہ اسرائیلی ہے اور ایک حصہ فاطمی"۔

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۰)

یہی اس کشف کی صحیح تعبیر ہے جو خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان
فرمائی ہے۔ ملہم کے اپنی بیان کردہ تعبیر کے علاوہ اس کشف کے کوئی اور معنے لینا یا
تاویل کرنا ہرگز جائز نہیں۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کا نام گورسکاری کاغذات میں مغل لکھا ہوا
ہے لیکن در حقیقت آپ فارسی الاصل ہیں اور پیشگوئی:-

"لَوْ كَانَ الْإِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ

أَوْ رَجُلٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ ۔"

(بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ جمعہ۔ مشکوٰۃ باب جامع المناقب)

کے مصداق ہیں۔ جو درحقیقت امام مہدی سے ہی متعلق ہے اور اسے فارسی الاصل قرار دیتی ہے کیونکہ یہ کہتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان رضی اللہ عنہ فارسی پر ہاتھ رکھا تھا۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الہامات نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ آپ فارسی الاصل ہیں چنانچہ آپؑ پر الہام ہوا:-

"إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ رَدَّ عَلَيْهِمْ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ۔ شَكَرَ اللّٰهُ سَعْيَهٗ ۔"

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور خدا تعالیٰ کی راہ کے مزاحم ہوئے ان کا ایک مردِ فارسی الاصل نے ردّ لکھا ہے۔ اس کی سعی کا خدا شاکر ہے۔ (تذکرہ صفحہ ۷۲)

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھی اعتراف ہے کہ:-

"مؤلف براہین احمدیہ قریشی نہیں فارسی الاصل ہے۔"

(اشاعۃ السنۃ جلد ۷ صفحہ ۱۹۳)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"یاد رہے کہ اس خاکسار کا خاندان بظاہر مغلیہ خاندان ہے ---

--- اب خدا کے کلام سے یہ معلوم ہوا کہ ہمارا خاندان دراصل فارسی خاندان ہے کیونکہ خاندان کی حقیقت جیسی کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کسی دوسرے کو ہرگز معلوم نہیں اسی کا علم صحیح اور یقینی ہے اور دوسروں کا شکی اور ظنی۔" (اربعین نمبر ۲ صفحہ ۱۷ حاشیہ)

پھر لکھتے ہیں:-

"اس عاجز کا خاندان دراصل فارسی ہے نہ مغلیہ نہ معلوم کس غلطی سے مغلیہ خاندان سے مشہور ہو گیا...... معلوم ہوتا ہے کہ میرزا اور بیگ کا لفظ کسی وقت خطاب کے طور پر ان کو ملا تھا جس طرح خان کا لفظ بطور خطاب کے دیا جاتا ہے۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۷۸ حاشیہ)

کتاب "میڈیول انڈیا" مصنفہ سٹینلے لین پول میں لکھا ہے:-

"لفظ مغل ہندوستان کے کالے باشندوں سے وسطی ایشیاء کے ہر گورے شریف آدمی کو ممیز کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ مختلف

حملہ آور یا حکمران مسلمان ترک، پٹھان اور مغل کچھ اس طرح رل مل گئے کہ ان سب کو بلا امتیاز مغل کے نام سے پکارا جانے لگا۔" (کتاب مطبوعہ ٹی فشر ینڈر صوان اڈیشن ص۱۹۷)

توہین اہلِ بیت کے الزام کا رد

اعتراض: مرزا صاحب نے ایک شعر لکھا ہے جس میں امام حسینؓ کی توہین ہے:۔

کربلائیست سیر ہر آنم   صد حسین است در گریبانم

الجواب:۔ یہ شعر ہرگز توہین پر مشتمل نہیں بلکہ اپنی اور امام حسینؓ کی مظلومیت کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اہل بیت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو زبردست عقیدت تھی چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں ؎

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکم نثار کوچۂ آلِ محمدؐ است

کہ میری جان و دل محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال پر فدا ہے اور میری خاک آلِ محمدؐ کے کوچہ پر نثار ہے۔

اہلِ بیت کا ایسا عقیدت مند کبھی ان کی توہین کا مرتکب نہیں ہو سکتا لہٰذا

اعتراض میں پیش کردہ شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک لطیف پیرایہ میں اپنی مشکلات کا ذکر فرمایا ہے جو مخالفین اسلام کی طرف سے چاروں طرف سے اسلام پر حملہ ہونے پر آپؑ کو درپیش تھیں۔ شعر کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ میں ہر آن کربلا سے گزرتا ہوں اور حضرت امام حسینؓ کی طرح سینکڑوں مشکلات میں گھرا ہوا ہوں عموماً شعراء کربلا اور حسین سے مشکلات مراد لیتے ہیں۔

علامہ نوعی تحریر فرماتے ہیں:۔

کربلاءِ عشقم و لب تشنہ سرتا پائے من   صد حسینے کشتہ در ہر گوشۂ صحرائے من

(دیوان علامہ نوعی)

اس شعر میں صد حسین سے صدہا مشکلات مراد لی گئی ہیں۔ ترجمہ اس کا یہ ہے کہ عشق کی وجہ سے میں کربلا میں ہوں اور سرتا پا تشنہ لب ہوں۔ سو کشتہ حسین میرے صحرا کے ہر ایک گوشہ میں موجود ہیں۔

گویا شاعر اپنے عشق کی راہ میں شدائد کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ سینکڑوں حسین یعنی مشکلات اسے صحرائے عشق کے ہر گوشہ میں پیش آ رہی ہیں۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعر میں بھی "صد حسین است" کے الفاظ میں مشکلات کا ہی ذکر ہے۔ "در گریبانم" کے الفاظ میں گریبان سے مراد

بطور مجاز مرسل بوجہ مجاورت دل مراد لیا جاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو۔ مراد یہ ہوتی ہے کہ اپنی قلبی حالت کا مشاہدہ کرو۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ بتا رہے ہیں کہ اسلام پر دشمنان اسلام کے حملوں کی وجہ سے میرا دل صدہا مشکلات و مصائب میں گھرا رہتا ہے مجاز مرسل کو "نہر جاری ہے" کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ دراصل نہر تو اپنی جگہ کھڑی رہتی ہے البتہ اس میں پانی جاری ہوتا ہے۔

امام حسینؓ کی شان حضرت مسیح موعودؑ کی نگاہ میں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میں اس اشتہار کے ذریعہ سے اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع دنیا کا کیڑا اور ظالم تھا اور جن معنوں کی رُو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنے اس میں موجود نہ تھے۔ مومن بننا کوئی سہل امر نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کی نسبت فرماتا ہے:-

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ

قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا[1]

مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال اُن کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں اور تقویٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو خدا کے لیے اختیار کرتے ہیں اور اس کی محبت میں محو ہو جاتے ہیں اور ہر ایک چیز جو بُت کی طرح خدا سے روکتی ہے خواہ وہ اخلاقی ہو یا اعمالِ فاسقانہ ہوں یا غفلت اور کسل ہو سب سے اپنے تئیں دُور تر لے جاتے ہیں لیکن بدنصیب یزید کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں۔ دنیا کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا مگر حسین رضی اللہ عنہ طاہر و مطہر تھا اور بلاشبہ اُن برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور اپنی محبت سے معمور کرتا ہے اور بلاشبہ وہ سردارانِ بہشت میں سے ہے اور ایک ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے اور اس امام کا تقویٰ اور محبت اور صبر اور استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لیے اُسوہ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتدا کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی تباہ ہو گیا وہ دل جو اس شخص کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا

---

[1] اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے تو اُن سے کہہ دے کہ تم حقیقتاً ایمان نہیں لائے لیکن تم یہ کہا کرو کہ ہم نے ظاہری طور پر فرمانبرداری قبول کر لی ہے۔ (حجرات ۱۵)

وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبّت ظاہر کرتا ہے اور اس کے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقویٰ اور استقامت اور محبّت الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کیساتھ اپنے اندر لیتا ہے جیسا کہ ایک صاف آئینہ ایک خوبصورت انسان کا نقش۔ یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں کون جانتا ہے ان کی قدر مگر وہی جو انہی میں سے ہے دنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کرسکتی کیونکہ وہ دنیا سے بہت دُور ہیں۔ یہی وجہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تھی کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اُس کے زمانہ میں محبّت کی تا حسین رضی اللہ عنہ سے بھی محبّت کی جاتی۔

غرض یہ امر نہایت درجہ کی شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے۔ کہ حسین رضی اللہ عنہ کی یا کسی اور بزرگ کی جو ائمہ مطہرین میں سے ہے تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمۂ استخفاف ان کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے کیونکہ اللہ جل شانہٗ اس شخص کا دشمن ہو جاتا ہے جو اسکے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے جو شخص مجھے بُرا کہتا ہے یا لعن طعن کرتا ہے اسکے عوض میں کسی برگزیدہ اور محبوب الٰہی کی نسبت شوخی کا لفظ زبان پر لانا سخت معصیت ہے۔ ایسے موقعہ پر درگذر کرنا اور نادان دشمن کے حق میں دُعا کرنا بہتر

ہے کیونکہ اگر وہ لوگ مجھے جانتے کہ مَیں کس کی طرف سے ہوں تو ہرگز بُرا نہ کہتے۔ وہ مجھے ایک دجّال اور مفتری خیال کرتے ہیں۔ مَیں نے جو کچھ اپنے مرتبہ کی نسبت کہا وہ مَیں نے نہیں کہا بلکہ خدا نے کہا۔ پس مجھے کیا ضرورت ہے کہ ان بحثوں کو طول دوں اگر میں درحقیقت مفتری اور دجّال ہوں اور درحقیقت مَیں نے اپنے ان مراتب کے بیان کرنے میں جو مَیں خدا کی طرف ان کو منسوب کرتا ہوں کاذب اور مفتری ہوں تو میرے ساتھ اس دنیا اور آخرت میں خدا کا وہ معاملہ ہوگا جو کاذبوں اور مفتریوں سے ہوا کرتا ہے کیونکہ محبوب اور مردود یکساں نہیں ہوا کرتے۔

سو اے عزیزو صبر کرو کہ آخر وہ امر جو مخفی ہے کھل جائیگا خدا جانتا ہے کہ مَیں اُس کی طرف سے ہوں اور وقت پر آیا ہوں مگر وہ دل جو سخت ہو گئے اور وہ آنکھیں جو بند ہو گئیں مَیں اُن کا کیا علاج کرسکتا ہوں۔ خدا میری نسبت اشارہ کرکے فرماتا ہے کہ:۔

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کردے گا۔"

پس جبکہ خدا نے اپنے ذمّہ لیا ہے کہ وہ زور آور حملوں سے میری سچائی

ظاہر کریگا تو اس صورت میں کیا ضرورت ہے کہ کوئی شخص میری جماعت میں سے خدا کا کام اپنے گلے ڈال کر میرے مخالفوں پر ناجائز حملے شروع کرے نرمی کرو اور دُعائیں لگے رہو اور سچی توبہ کو اپنا شفیع ٹھہراؤ اور زمین پر آہستگی سے چلو۔ خدا کسی قوم کا رشتہ دار نہیں ہے اگر تم نے اس کی جماعت کہلا کر تقویٰ اور طہارت کو اختیار نہ کیا اور تمہارے دلوں میں خوف اور خشیت پیدا نہ ہوا تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہیں مخالفوں سے پہلے ہلاک کرے گا کیونکہ تمہاری آنکھ کھول گئی اور پھر بھی تم سو گئے اور یہ مت خیال کرو کہ خدا کو تمہاری کچھ حاجت ہے اگر تم اس کے حکموں پر نہیں چلو گے اگر تم اُس کی حدود کی عزت نہیں کرو گے تو وہ تمہیں ہلاک کریگا اور ایک دوسری قوم تمہارے عوض لائیگا جو اُس کے حکموں پہ چلے گی۔

اور میرے آنے کی غرض صرف یہی نہیں کہ مَیں ظاہر کروں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ یہ تو مسلمانوں کے دلوں پر سے ایک روک کا اُٹھانا اور سچا واقعہ ان پر ظاہر کرنا ہے۔ بلکہ میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ تا مسلمان خالص توحید پر قائم ہو جاویں اور ان کو خدا سے تعلق پیدا ہو جاوے

اور ان کی نمازیں اور عبادتیں ذوق اور احسان سے

ظاہر ہوں اور ان کے اندر سے ہر ایک قسم کا گند نکل جائے۔

اور اگر مخالف سمجھتے تو عقائد کے بارے میں مجھ میں اور اُن میں کچھ بڑا اختلاف نہ تھا مثلاً وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام معہ جسم آسمان پر اُٹھائے گئے سو میں بھی قائل ہوں کہ جیسا کہ آیت اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ[1] کا منشاء ہے بیشک عیسیٰ علیہ السلام بعد وفات معہ جسم آسمان پر اُٹھائے گئے صرف فرق یہ ہے کہ وہ جسم عنصری نہ تھا بلکہ ایک نورانی جسم تھا جو اُن کو اس طرح خدا کی طرف سے ملا جیسا آدمؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور داؤدؑ اور یحییٰؑ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو ملا تھا ایسا ہی ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ضرور دُنیا میں دوبارہ آنے والے تھے جیسا کہ آ گئے۔ صرف فرق یہ ہے کہ جیسا کہ قدیم سے سنت اللہ ہے اُنکا آنا بروزی طور پر ہوا جیسا کہ الیاس نبیؑ دوبارہ دنیا میں بروزی طور پر آیا تھا پس سوچنا چاہیئے۔ کہ اس قلیل اختلاف کی وجہ سے جو ضرور ہونا چاہیئے تھا۔ اس قدر شور مچانا کس قدر تقویٰ سے دُور ہے۔ آخر جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے حَکَم

---

[1] اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے کہا۔ اے عیسیٰ! مَیں تجھے (طبعی طور پر) وفات دوں گا اور تجھے اپنے حضور میں عزت بخشوں گا۔ (آلِ عمران ۵۶)

بن کر آیا ضرور تھا کہ جیسا کہ لفظ حَکَم کا مفہوم ہے کچھ غلطیاں اس قوم کی ظاہر کرتا جن کی طرف وہ بھیجا گیا ورنہ اس کا حَکَم کہلانا باطل ہوگا اب زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مَیں اپنے مخالفوں کو صرف یہ کہکر کہ اِعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؎[1] اس اعلان کو ختم کرتا ہوں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔"

(فتاویٰ احمدیہ حصہ دوم ص۴۶)

امام حسینؓ کی یہ شان بیان کرنے والا شخص کبھی ان کی توہین کا ارتکاب نہیں کرسکتا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

"مَیں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی انسان حسینؓ جیسے یا حضرت عیسیٰؑ جیسے راستباز پر بدزبانی کرکے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا اور وعید مَنْ عَادَلِیْ وَلِیًّا دست بدست اس کو پکڑ لیتا ہے۔"

(اعجاز احمدی ص۴۸)

عجیب بات ہے کہ اسی اعجاز احمدی کے ایک شعر کو انصاف کا خون کرکے بعض مخالف مناظرین کی طرف سے توہین کے طور پر پیش کیا جاتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام

---

[1] اے قوم! تم اپنے طریق پر عمل کرو میں بھی اپنے طریق پر عمل کرونگا پھر تم جلدی معلوم کرلو گے کہ اس گھر (یعنی دنیا) کا انجام کس کے حق میں ہوتا ہے۔ (انعام: ۱۳۶)

اعجاز احمدی کے مشہور قصیدہ میں امام حسین علیہ السلام کے متعلق بعض مشرکانہ عقیدہ رکھنے والے لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

نَسِیْتُمْ جَلَالَ اللّٰہِ وَالْمَجْدَ وَالْعُلٰی
وَمَا وِرْدُکُمْ اِلَّا حُسَیْنًا اَتُنْکِرُ
فَھٰذَا عَلَی الْاِسْلَامِ اِحْدَی الْمَصَائِبِ
لَدٰی نَفَحَاتِ الْمِسْکِ قَذْرٌ مُقَنْطَرُ

تم نے اللہ کے جلال اور مجد اور بزرگی کو بھلا دیا اور تمہارا وِرد صرف حسین ہے کیا تُو انکار کرتا ہے۔ پس یہ (یعنی شرک) اسلام پر ایک مصیبت ہے۔ کستوری کی خوشبو کے پاس گوہ کا ڈھیر ہے۔

اس آخری مصرعے میں قَذْرٌ مُقَنْطَرٌ کے الفاظ حضرت امام حسینؓ کے متعلق نہیں بلکہ اس مصرعے میں کستوری کی خوشبو سے مراد توحید الٰہی ہے اور قَذْرٌ مُقَنْطَرٌ یعنی گوہ کے ڈھیر کے الفاظ مشرکانہ فعل کے متعلق ہیں چنانچہ اگلے شعر میں فرماتے ہیں ؎

اِنْ کَانَ ھٰذَا الشِّرْکُ فِی الدِّیْنِ جَائِزًا
فَبِالتَّغْوِ رُسُلُ اللّٰہِ فِی النَّاسِ بُعْثِرُوْا

اوراگر یہ شرک دین میں جائز ہے تو خدا کے پیغمبر بیہودہ طور پر لوگوں میں بھیجے گئے۔ (اعجاز احمدی ص۸۲)

۲- معترض کہتا ہے کہ مرزا صاحبؑ نے کہا تھا کہ:-

"تمہارے درمیان ایک زندہ علی موجود ہے، اور تم اسے چھوڑ کر مردہ علی کو تلاش کر رہے ہو۔"

یہ فقرہ حضرت علیؓ کی توہین پر مشتمل ہے۔

الجواب:- حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہرگز حضرت علیؓ کی توہین کا ارتکاب نہیں کر سکتے تھے اس فقرہ کو اگر اس کے سیاق میں دیکھا جائے تو ہرگز کسی توہین کا موجب نہیں بلکہ اس میں حدیث نبوی مَنْ لَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً کی روشنی میں امام الزمان کی شناخت پر زور دیا گیا ہے کیونکہ حضور کے یہ ملفوظات جو بصورت ڈائری الحکم میں شائع ہوئے ہیں حضرت علیؓ کے متعلق ایک غلو رکھنے والے شخص سے گفتگو کے سلسلہ میں ہیں جو حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کا حامی تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسے یہ ہدایت کر رہے ہیں کہ:-

"جب تک یہ اپنا طریق چھوڑ کر اور مجھ میں ہو کر نہیں سوچتے یہ حق پر ہرگز نہیں پہنچ سکتے .... اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ میرے پاس آؤ۔ میری سنو تا کہ تمہیں حق نظر آوے۔ میں تو سارا ہی چولا اتارنا چاہتا ہوں۔ سچی توبہ کر کے مومن بن جاؤ۔

پھر جس امام کے تم منتظر ہو میں کہتا ہوں وہ میں ہوں۔ اس کا ثبوت مجھ سے لو۔ اس لیے میں نے اس خلیفہ بلافصل کے سوال کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھا...... دیکھو سُنّی ان حدیثوں کو لغو ٹھہراتے ہیں یہ اپنی حدیثوں کو مرفوع متصل اور آئمہ سے مروی ٹھہراتے ہیں ہم کہتے ہیں یہ سب جھگڑے فضول ہیں اب مُردہ باتوں کو چھوڑو اور ایک زندہ امام کو شناخت کرو کہ تمہیں زندگی ملے۔ اگر تمہیں خدا کی تلاش ہے تو اس کو ڈھونڈو جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہے...... میں تو بار بار یہی کہتا ہوں کہ ہمارا طریق تو یہ ہے کہ نئے سرے سے مسلمان بنو۔ پھر اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو خود کھول دیگا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر وہ امام جن کے ساتھ یہ اس قدر غلو کرتے ہیں زندہ ہوں تو ان سے سخت بیزاری ظاہر کریں جب ہم ایسے لوگوں سے اعراض کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے ایسا

اعتراض کیا جس کا جواب نہ آیا اور پھر بعض اوقات اشتہار دیتے پھرتے ہیں مگر ہم ایسی باتوں کی کیا پرواہ کر سکتے ہیں ہم نے تو وہ کرنا ہے جو ہمارا کام ہے اس لیے یاد رکھو کہ پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑ دو۔ اب نئی خلافت لو۔ ایک زندہ علی تم میں موجود ہے اس کو چھوڑتے ہو اور مُردہ علی کو تلاش کرتے ہو۔"

(الحکم ۱۷؍ نومبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۲)

اقتباس کا آخری فقرہ جس پر اعتراض کیا جاتا ہے اپنے منطوق میں واضح ہے کہ اب نئی خلافت کا دور ہے جو آپؑ کے ذریعہ قائم ہوئی اور آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے علی قرار دیا ہے اور آپ زندہ موجود ہیں اس لیے آپؑ کو چھوڑ کر وفات یافتہ علی کی طرف رجوع کرنا اور ان کی خلافت بلا فصل پر زور دینا اور مسیح موعود کو امام مہدی تسلیم نہ کرنا ایک ایسا امر ہے جو منشاء ایزدی کے خلاف ہے۔

اس عبارت میں حضرت علیؓ کی کوئی توہین اور تحقیر مقصود نہیں بلکہ حقیقت الامر کا بیان کرنا مقصود ہے کہ زندہ خلیفہ کی موجودگی میں وفات یافتہ خلیفہ کا معاملہ لے بیٹھنا اور اس کی خلافت پر زور دینا اور زندہ امام کی خلافت کو رد کرنا پسندیدہ بات نہیں۔

اس عبارت میں جو مُردہ کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ تحقیر کے لیے نہیں بلکہ اس واقعہ

کے اظہار کے لیے ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جسمانی لحاظ سے مر چکے ہیں۔ لہٰذا اب ان کی خلافت کا معاملہ زندہ امام کی موجودگی میں ختم کر دینا چاہیئے اور امام الزمان کو حکم عدل مان کر اپنی اصلاح کرنی چاہیئے۔

یہ امر محال ہے کہ حضرت الامام المہدی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی تحقیر کریں۔ کیونکہ ان کے نزدیک حضرت علیؓ کی شان بہت بلند ہے چنانچہ آپ اپنی کتاب سِرّ الخلافۃ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"کَانَ رضی اللّٰہُ عنہ تَقیا نَقیاً مِنَ الذین ھُم اَحبُّ النَّاسِ اِلی الرَّحمٰن وَمَن نُخَبِ الجیلِ وسادات الزمان۔ اَسَدُ اللّٰہِ الغالبُ وفتیَ اللّٰہِ الحنان نَدَا الکفِّ طیبَ الجَنانِ وکانَ شُجَاعاً وَحِیداً لَا یُزایلُ مرکزہ فی المیدان۔ ولو قابلہٗ فوجٌ من اھلِ العدوانِ ...... وَمَن انکر کمالہ فقد سَلَکَ مَسْلکَ الوقاحۃ ...... وکانَ مِن عبادِ اللّٰہ المقربین ومع ذٰلک کان مِنَ السابقینَ فی ارتضاع کأس الفرقان وَاُعطِی

لَہٗ فَہْمٌ عَجِیْبٌ لِاِدْرَاکِ دَقَائِقِ الْقُرْآنِ"

ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تقی اور نقی تھے اُن لوگوں میں سے جو رحمٰن خدا کو سب سے زیادہ محبوب ہیں اور منتخب خاندان میں سے تھے اپنے زمانے کے سرداروں میں سے خدا کے غالب شیر تھے اور خدائے حنّان کے جوان تھے۔ سخی، خوش دل اور یگانہ بہادر تھے جو میدان سے نہیں ہٹتے تھے خواہ ان کے مقابلہ میں دشمنوں کی ایک فوج ہو ...... اور جس نے آپؓ کے کمالات کا انکار کیا تو وہ برے طریق پر چلا ...... آپؓ خدا کے مقرّب بندوں میں سے تھے اور اس کے ساتھ ہی اُن سابقین میں سے تھے جنہوں نے فرقان کا پیالہ خوب کر پیا اور آپ کو قرآنی دقائق کا عجیب فہم عطا کیا گیا تھا۔" (سر الخلافہ صفحہ ۳۴)

اسی سلسلہ میں صفحہ ۳۵ پر آپؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"وَلِیْ مُنَاسَبَۃٌ لَطِیْفَۃٌ بِعَلِیٍّ وَالْحُسَیْنِ وَلَا یَعْلَمُ سِرَّہَا اِلَّا رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَالْمَغْرِبَیْنِ وَاِنِّیْ اُحِبُّ عَلِیًّا وَابْنَاہُ وَاُعَادِیْ مَنْ عَادَاہُ"

"یعنی مجھے حضرت علیؓ اور حسینؓ سے ایک لطیف مناسبت ہے اور اس کے راز کو صرف دو مشرقوں اور مغربوں کا رب ہی جانتا ہے اور میں علیؓ اور اس کے دونوں بیٹوں سے محبت رکھتا ہوں اور جو آپؓ سے دشمنی رکھے اس کا دشمن ہوں"

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت علیؓ کے لیے مُردہ کا لفظ وفات یافتہ کے معنوں میں استعمال کر رہے تھے نہ تحقیر کے معنوں میں اور وفات کے معنوں میں یہ لفظ انبیاء کے حق میں بھی قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

"وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ" (سورۃ انبیاء آیت ۳۵)

کہ ہم نے کسی بشر کو تجھ سے پہلے ہمیشہ کی زندگی نہیں دی۔ پس کیا اے نبی اگر تو مر جائے تو یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں!

نیز فرمایا:۔

"اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" (سورۃ الزمر آیت ۳۱)

بے شک تو بھی مر جانے والا اور یہ لوگ بھی مر جانے والے ہیں۔

پس جسمانی موت سے کسی نبی اور ولی کو مفر نہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک تمام اصفیاء رُوحانی لحاظ سے آسمان میں زندہ ہیں جیسا کہ حمامة البشریٰ میں تحریر فرماتے ہیں:-

ثُمَّ اعْلَمُوْا اَیُّھَا الْاَعِزَّۃُ اَنَّ حَیَاتَ رَسُوْلِنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَابِتٌ بِنُصُوْصٍ حَدِیْثِیَّۃٍ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَا اُتْرَکُ مَیِّتًا فِیْ قَبْرِیْ اِلٰی ثَلَاثَۃِ اَیَّامٍ اَوْ اَرْبَعِیْنَ بِاخْتِلَافِ الرِّوَایَۃِ بَلْ اُحْیَا وَاُرْفَعُ اِلَی السَّمَاءِ وَاَنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ جِسْمَہُ الْعَنْصَرِیَّ مَدْفُوْنٌ فِی الْمَدِیْنَۃِ فَمَا مَعْنٰی ھٰذَا الْحَدِیْثِ اِلَّا الْحَیَاتَ الرُّوْحَانِیَّ وَالرَّفْعَ الرُّوْحَانِیَّ الَّذِیْ ھُوَ سُنَّۃُ اللّٰہِ بِاَصْفِیَائِہٖ بَعْدَ مَا تَوَفَّاھُمْ کَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ .... وَقَد

حَرَّثَ عَادَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی اَنَّہٗ یَرْفَعُ اِلَیْہِ عِبَادَہُ الصَّالِحِیْنَ بَعْدَ مَوْتِھِمْ وَیُؤْوِیْھِمْ فِی السَّمٰوٰتِ بِحَسْبِ مَرَاتِبِھِمْ"

ترجمہ:- اے پیارو! جان لو کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نصوص حدیثیہ سے ثابت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ بے شک میں اپنی قبر میں (مردہ) نہ چھوڑا جاؤنگا تین دن تک یا چالیس دن تک باختلافِ روایت (دیکھیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے مردہ کا لفظ استعمال فرماتے ہیں جو تحقیر کے لیے نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت کے لیے ہے اسی طرح اقتباس میں حضرت علیؓ کے لیے مردہ کا لفظ استعمال ہوا) بلکہ میں زندہ کیا جاؤں گا اور آسمان کی طرف اُٹھایا جاؤں گا۔ حالانکہ اے مخاطب! تو جانتا ہے کہ آپ کا جسم عنصری مدینہ میں مدفون ہے۔ پس اس حدیث کے معنے بجز روحانی زندگی اور روحانی رفع کے جو خدا تعالیٰ کی اپنے اصفیاء سے ان کو وفات دینے کے بعد سُنّت ہے اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ اللہ عزّ وجل نے فرمایا ہے

کہ اے نفسِ مطمئنہ! تو اپنے رب کی طرف لوٹ آ .... اور اللہ کی یہ جاری عادت ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کا ان کی موت کے بعد اپنی طرف رفع کرتا ہے اور انہیں آسمانوں میں اُن کے مرتبہ کے مطابق جگہ دیتا ہے"

(حمامة البشریٰ صفحہ ۳۵)

سِرّ الخلافہ میں آپؑ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو **عباد المقربین** میں سے قرار دیا ہے اور حمامة البشریٰ میں **عباد اللہ الصالحین** کو مرفوع الی اللہ قرار دیتے ہوئے روحانی لحاظ سے آسمان میں زندہ قرار دیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اقتباس زیر بحث میں حضرت علیؓ کے لیے مردہ کا لفظ تحقیراً استعمال نہیں ہوا بلکہ اس حقیقت کے اظہار کے لیے استعمال ہوا ہے کہ جسمانی لحاظ سے آپؓ زندہ نہیں۔ پس ان کی خلافت کو زیر بحث لانا اور امام وقت الامام المہدی کا انکار کرنا بے وقت کی راگنی ہے۔

متفرق اعتراضات

عدالت میں معاہدہ کی حقیقت

اعتراض نمبر ۱ مرزا صاحب نے مجسٹریٹ سے ڈر کر عدالت میں لکھدیا کہ میں کوئی ایسی پیشگوئی جو کسی کی موت کے متعلق ہو بغیر فریق ثانی کی اجازت کے شائع نہ کرونگا۔

الجواب:- ڈر کر ایسا کرنے کا اعتراض درست نہیں کیونکہ یہ معاہدہ تو حضرت اقدسؑ کے پُرانے دستور کے مطابق ہوا تھا کیونکہ اس معاہدہ سے تیرہ سال پہلے آپؑ نے اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء میں بعض لوگوں کے ذکر میں لکھا تھا:-

"اگر کسی صاحب پر کوئی ایسی پیشگوئی شاق گزرے تو وہ مجاز ہیں کہ یکم اپریل ۱۸۸۶ء سے یا اس تاریخ سے جو کسی اخبار میں پہلی دفعہ یہ مضمون شائع ہو ٹھیک دو ہفتہ کے اندر اندر اپنی دستخطی تحریر سے مجھے اطلاع دے تا وہ پیشگوئی جس کے ظہور سے وہ ڈرتے ہیں اندراج سے علیحدہ رکھی جائے اور موجبِ دل آزاری سمجھکر کسی کو اس پر

مطلع نہ کیا جائے اور کسی کو اس کے وقت کے ظہور سے خبر نہ دی جائے":

(اشتہار مذکور مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۱ صفحہ ۵۸)

پھر خاص عدالتی معاہدہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"یہ ایسے دستخط نہیں ہیں جن سے ہمارے کاروبار میں کچھ بھی حرج ہو۔ بلکہ مدت ہوئی کہ میں کتاب انجام آتھم کے صفحہ آخر میں بتصریح اشتہار دے چکا ہوں کہ ہم آئندہ ان لوگوں کو مخاطب نہیں کریں گے جب تک کہ خود ان کی طرف سے تحریک نہ ہو۔ بلکہ اس بارہ میں ایک الہام بھی شائع کر چکا ہوں جو میری کتاب آئینہ کمالات اسلام میں درج ہے۔ مجھے یہ بھی افسوس ہے کہ ان لوگوں نے محض شرارت سے یہ بھی مشہور کیا ہے کہ اب الہام شائع کرنے کی ممانعت ہوگئی اور ہنسی سے کہا کہ الہام کے دروازے بند ہو گئے ہیں مگر ذرا حیا کو کام میں لا کر سوچیں کہ اگر الہام کے دروازے بند ہو گئے تھے تو بعد کی تحریرات میں کیوں الہام شائع ہوئے۔ اس کتاب تریاق القلوب کو دیکھیں کہ کیا اس میں الہام کم ہیں"!

(تریاق القلوب کلاں صفحہ ۸۱ حاشیہ و خورد صفحہ ۱۶۱، ۱۶۲ حاشیہ)

پھر اس معاہدہ سے چھ سال قبل حضورؑ نے تحریر فرمایا:۔

"اس عاجز نے اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء میں اندر من مراد آبادی اور لیکھرام پشاوری کو اس بات کی دعوت دی تھی کہ اگر وہ خواہشمند ہوں تو ان کی قضاء وقدر کے متعلق بعض پیشگوئیاں شائع کی جائیں تو اس اشتہار کے بعد اندر من نے تو اعراض کیا اور کچھ عرصہ بعد فوت ہو گیا، لیکن لیکھرام نے بڑی دلیری سے ایک کارڈ اس عاجز کی طرف روانہ کیا کہ میری نسبت جو پیشگوئی چاہو شائع کر دو۔ میری طرف سے اجازت ہے"!

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء تبلیغ رسالت جلد ۲ صفحہ ۲)

پھر ۲۰ر جنوری ۱۸۹۹ء کے اشتہار میں یعنی معاہدۂ عدالت کے چار دن پہلے سے جو ۲۴ر فروری ۱۸۹۹ء کو ہوا۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"میرا ابتداء سے ہی یہ طریق ہے کہ میں نے کبھی کوئی انذاری پیشگوئی بغیر رضامندی مصداق پیشگوئی کے شائع نہیں کی"۔

(تبلیغ رسالت جلد ۸ صفحہ ۲۸)

پس جو احتیاط حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انذاری پیشگوئیوں کے متعلق

پہلے سے کر رکھی تھی۔ بالکل اسی کے مطابق عدالت میں معاہدہ ہوا ہے تو پھر عدالت سے ڈر کر معاہدہ کرنے کا الزام باطل ہوا۔

شعر کہنے پر اعتراض

اعتراض نمبر ۲ نبی شاعر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے :-

"وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ" (یٰسٓ ع۵)

چونکہ مرزا صاحبؑ نے شعر کہے۔ اسلئے وہ نبی نہیں ہو سکتے؟

الجواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے ؎

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلّق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

آیت "وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ" اپنے سیاق کے لحاظ سے قرآن کریم کے متعلق ہے جس پر آیت کے اگلے الفاظ :- "اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ" روشن دلیل ہیں۔

ترجمہ :- یہ ہے کہ ہم نے اس نبی کو کافروں کے خیال کے مطابق شعر نہیں سکھایا یہ تو نصیحت اور قرآنِ مبین ہے کافروں کا یہ اعتراض تھا

کہ قرآن مجید ان معنوں میں شعر ہے کہ وہ ایک جذباتی کلام ہے اور جھوٹ پر مشتمل ہے۔ خدا نے فرمایا کہ قرآن مجید ان کے مزعومہ معنی میں شعر نہیں ہے بلکہ یہ تو نصیحت ہے اور ایسی کتاب ہے جو بار بار پڑھی جائیگی اور مضمون کو کھول کھول کر بیان کرنے والی ہے۔

بے شک شعر گوئی کوئی اچھا پیشہ نہیں جیسا کہ بعض شاعروں نے اسے اختیار کر رکھا ہوتا ہے ایسے ہی شعراء کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

"وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَيَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ اِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا" (الشعراء ع۱۱)

ترجمہ :- اس کا یہ ہے کہ عام شاعر وہ ہیں جن کے پیچھے گمراہ لوگ چلتے ہیں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور وہ باتیں کہتے ہیں جو خود نہیں کرتے۔ مگر مومن شعراء ایسے نہیں جو اعمال صالحہ بجا لائے اور انہوں نے اللہ کا ذکر کیا اور مظلوم ہونے پر بدلہ لیا۔

چونکہ مومنوں کے شعر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور مناجات اور دینی نصائح

وغیرہ پاکیزہ مضامین پر مشتمل ہوتے ہیں یا مظلوم ہونے کے بعد جوابی صورت میں کہے گئے ہوتے ہیں۔ اس لیے ایسے اشعار ممنوع نہیں۔ پاکیزہ اشعار خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنا کرتے تھے اور بعض دفعہ حضرت حسانؓ کو فہمائش کر کے شعروں میں قریش کی ہجو کرائی اور انہیں یہ تسلّی دی کہ روح القدس تمہارے ساتھ ہے اور ایک موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لبیدؔ کا یہ شعر ؎

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلُ

اس مصرع کو پڑھکر پسند فرمایا ہے اور جنگ کے موقعہ پر یہ ۲ شعر خود موزون کئے ہیں۔ جنگ حنین میں فرمایا ؎

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدُ الْمُطَّلِبْ

(بخاری کتاب المغازی جلد ۳ صـ۱۴۲ مصری)

ایک موقعہ پر اپنی انگلی زخمی ہو جانے پر فرمایا ؎

ھَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِیْتِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَا لَقِیْتِ

(بخاری کتاب الجہاد والسیر جلد ۲ صـ۸۶ مصری)

کہ تو تو صرف ایک انگلی ہے جس سے خون بہہ پڑا ہے اور تو نے اللہ کی

راہ میں یہ تکلیف اٹھائی ہے۔

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالؔی نے شعر کے متعلق لکھا ہے:۔

"جو شخص معمولی آدمیوں سے بڑھکر کوئی مؤثر اور دلکش تقریر کرتا تھا اس کو شاعر جانتے تھے۔ جاہلیت کی قدیم شاعری میں زیادہ تر اسی قسم کے برجستہ اور دل آویز فقرے اور مثلیں پائی جاتی ہیں جو عرب کی عام بول چال سے فوقیت اور امتیاز رکھتی تھیں۔ یہی سبب تھا کہ جب قریش نے قرآن مجید کی نرالی اور عجیب عبارت سنی تو جنہوں نے اس کو کلام الٰہی نہ مانا۔ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنے لگے حالانکہ قرآن شریف میں وزن کا مطلق التزام نہ تھا۔"

(مقدمہ شعر و شاعری صـ۲۷)

امام راغب اصفہانیؒ نے اپنی مشہور لغت میں شعر کے متعلق لکھا ہے:۔

"اَلشِّعْرُ یُعَبَّرُ بِہٖ عَنِ الْکَذِبِ"

کہ شعر کا لفظ جھوٹ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

سچ یہ ہے کہ انہی معنوں کے لحاظ سے قرآن کریم کے متعلق کہا گیا ہے کہ:

"وَمَا ھُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ"

کہ قرآن شاعر کا کلام نہیں یعنی وہ جھوٹ پر مشتمل نہیں ۔
غالباً مومنوں کے اشعار کے پیشِ نظر ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:۔

"اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً"

کہ بعض شعر حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں۔
پس جو شعر حکمت پر مشتمل ہوں وہ منافیٔ نبوت نہیں داؤد علیہ السلام کی زبور ایسے ہی اشعار پر مشتمل تھی۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی الہام ہوا ہے:۔

"در کلامِ تو چیزے است کہ شعراء را دراں دخلے نیست"

کہ تیرے کلام میں وہ بات پائی جاتی ہے جس میں شعراء کو دخل نہیں۔

وعدہ خلافی کا الزام

اعتراض نمبر ۳ الزام یہ ہے کہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کا اشتہار دیا اور لوگوں سے روپیہ وصول کیا کہ تین سو دلائل پچاس جلدوں میں لکھوں گا مگر وعدہ پورا نہ کیا اور لوگوں کا روپیہ کھا گئے۔

الجواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنا ارادہ تو پچاس جلدیں براہین احمدیہ لکھنے کا ہی تھا مگر ابھی چار حصے ہی لکھنے پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو

اصلاحِ دنیا کے لیے مامور فرما دیا اور پھر آپ نے اسّی کے قریب کتابیں اسلام کی حقانیت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شائع کیں جن میں اپنے سینکڑوں نشانات درج کئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تبدیلیٔ حالات کا ذکر براہین احمدیہ حصہ چہارم کے ٹائیٹل پیج پر یوں کیا ہے :۔

"ابتداء میں جب یہ کتاب تالیف کی گئی تھی اس وقت اس کی کوئی اور صورت تھی۔ پھر بعد اس کے قدرت الٰہیہ کی ناگہانی تجلّی نے اس احقر عباد کو موسیٰ کی طرح ایک ایسے عالم سے خبر دی جس سے پہلے خبر نہ تھی یہ عاجز بھی حضرت ابن عمران کی طرح اپنے خیالات کی شبِ تاریک میں سفر کر رہا تھا کہ ایک دفعہ پردۂ غیب سے اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ کی آواز آئی اور ایسے اسرار ظاہر ہوئے کہ جن تک عقل کی رسائی نہ تھی سو اب اس کتاب کا متولّی اور مہتمم ظاہراً و باطناً حضرت ربّ العالمین ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس اندازہ اور مقدار تک اس کو پہنچانے کا ارادہ ہے سچ تو یہ ہے کہ جس قدر اُس نے جلد چہارم تک انوارِ حقیقتِ اسلام کے ظاہر کئے ہیں یہ بھی اتمام حجت کے لیے کافی ہیں اور

اس کے فضل وکرم سے امید کی جاتی ہے کہ وہ جب تک شکوک و شبہات کی ظلمت کو بکلّی دُور نہ کرے اپنی تائیداتِ غیبیہ سے مددگار رہے گا۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"اس جگہ اُن نیک دل ایمانداروں کا شکر کرنا لازم ہے جنہوں نے اس کتاب کے طبع ہونے کے لیے آج تک مدد دی ہے خدا تعالیٰ ان سب پر رحم کرے اور جیسا انہوں نے اس کے دین کی حمایت میں اپنی دلی محبّت سے ہر یک دقیقہ کوشش کے بجالانے میں زور لگایا ہے خداوند کریم ایسا ہی ان پر فضل کرے بعض صاحبوں نے اس کتاب کو محض خرید و فروخت کا ہی ایک معاملہ سمجھا ہے اور بعض کے سینوں کو خدا نے کھول دیا اور صدق اور ارادت کو ان کے دلوں میں قائم کر دیا ہے۔"

پس مسیح موعود علیہ السلام کے وعدہ میں تبدیلی حالات کی تبدیلی سے ہوئی ہے۔

حالات کی تبدیلی سے وعدہ میں تبدیلی کا ثبوت

(حدیث اوّل) عَنْ مُجَاهِدٍ اَنَّهٗ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لِقُرَيْشٍ اِسْئَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ وَعَنْ اَصْحَابِ الْكَهْفِ وَذِی الْقَرْنَيْنِ فَسَئَلُوْهُ فَقَالَ اِيْتُوْنِیْ غَدًا اُخْبِرْكُمْ وَلَمْ يَسْتَثْنِ فَاَبْطَاَ عَنْهُ الْوَحْیُ بِضْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا حَتّٰی شَقَّ عَلَيْهِ وَكَذَّبَتْهُ قُرَيْشٌ۔

(تفسیر کمالین بر حاشیہ جلالین ص ۲۴۱ مجتبائی)

ترجمہ:۔ "مجاہد سے مروی ہے یہودیوں نے قریش سے کہا اس نبی سے روح، اصحاب کہف اور ذی القرنین کے متعلق سوال کرو۔ پس انہوں نے سوال کیا تو نبی کریمؐ نے فرمایا۔ کل آنا میں تمہیں بتاؤنگا اور ۔ استثناء نہ کیا۔ تو وحی چند دن تک رُکی رہی یہاں تک کہ یہ امر آپؐ پر شاق گزرا اور قریش نے آپؐ کو جھٹلایا۔"

(حدیث دوم) مشکوۃ کتاب التصاویر ص ۳۸۵ مجتبائی میں ہے کہ جبریلؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کو آنے کا وعدہ کیا مگر حسب وعدہ نہ آئے۔ دوسرے دن

جب آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:۔

"لَقَدْ كُنْتَ وَعَدْتَنِيْ اَنْ تَلْقَانِيْ فِي الْبَارِحَةِ قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةٌ"۔

"یعنی آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا کہ آپ تو کل آنے کا وعدہ کر گئے تھے جبریل نے کہا ہاں وعدہ تو کیا تھا مگر ہم ایسے مکان میں داخل نہیں ہوا کرتے جس میں کتا یا تصویر ہو"

پہلی روایت سے ظاہر ہے کہ وحی نہ آنے کی وجہ سے جس میں خدا کی کوئی مصلحت تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگلے دن تینوں سوالوں کا کوئی جواب نہ دے سکے اور دوسری روایت سے بھی ظاہر ہے کہ تبدیلی حالات کی وجہ سے جبریل وعدہ ایفاء نہ کر سکے۔

پس جب وعدہ کرنے والا اپنی کسی بدنیتی سے وعدہ پورا نہ کر سکے تو تب قابلِ مؤاخذہ ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ میں مشیت الٰہی حائل ہوئی اور مسیح موعود علیہ السلام کے وعدہ میں بھی مشیت الٰہی حائل ہوئی۔ پس پچاس جلدیں نہ لکھنے کا الزام جائز نہیں۔

حضورؑ نے ایک عرصہ کے بعد براہین کی پانچویں جلد تحریر فرمائی اور اس وقت تصنیف فرمائی جب کہ پہلی کتاب کی پیشگوئیاں آپؑ کے حق میں پوری ہوئیں اس طرح یہ پانچ جلدیں پچاس کے قائم مقام قرار پا ہیں جیسے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں پچاس نمازوں کا حکم ہوا جو بار بار کی تخفیف کی درخواست پر کم ہو کر پانچ رہ گئیں اور پھر خدا نے فرمایا:۔

"هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُوْنَ"۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ پہلی حدیث جلد ۱ صفحہ ۵ مصری)

یعنی "یہ پانچ بھی ہیں اور پچاس بھی" مراد یہ ہے کہ یہ پانچ ہی پچاس کے برابر ہونگی اور پانچ پر پچاس کا ثواب ملے گا اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب براہین احمدیہ کی پانچ جلدیں پچاس کا کام کر گئیں۔ انہی معنی میں آپؑ نے یہ فرمایا ہے:۔

"میں نے براہین احمدیہ کے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ کیا تھا مگر اب صرف پانچ ہی لکھتا ہوں، پانچ ہی پچاس کے برابر ہیں صرف ایک نقطے کا فرق ہے"۔ (دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم)

مراد یہ ہے کہ یہ پانچ جلدیں نتیجہ کے لحاظ سے پچاس کے برابر ہیں۔

روپیہ کھانے کا الزام بعض لوگوں نے بدگمانی اور بدگوئی سے کام لیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعلان فرمایا :۔

" ایسے لوگ جو آئندہ کسی وقت جلد یا بدیر اپنے روپیہ کو یاد کر کے اس عاجز کی نسبت کچھ شکوہ کرنے کو تیار ہیں یا ان کے دل میں کوئی بدظنّی پیدا ہو سکتی ہے وہ براہ مہربانی اپنے ارادہ سے مجھے مطلع فرمائیں اور میں ان کا روپیہ واپس کرنے کے لئے یہ انتظام کروں گا کہ ایسے شہر میں یا ان کے قریب دوستوں میں سے کسی کو مقرر کر دونگا کہ تا چار حصّے کتاب کے لیکر روپیہ ان کے حوالے کرے اور ایسے صاحبوں کی بدزبانی اور دُشنام دہی کو بھی محض لِلّٰہ بخشتا ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے لیے قیامت کو پکڑا جائے اور اگر ایسی صورت ہو کہ خریدار کتاب فوت ہو گیا ہو وارثوں کو کتاب نہ ملی ہو، تو چاہیئے کہ وارث چار معتبر مسلمانوں کی تصدیق خط میں لکھوا کر کہ اصلی وارث وہی ہے وہ خط میری طرف بھیج دے تو بعد اطمینان وہ روپیہ بھی بھیج دیا جائے گا "

(تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۲۶،۳۵ نیز اربعین نمبر ۲ صفحہ ۲۸ و تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۷ و اشتہار یکم مئی ۱۸۹۳ء و کتاب ایّام الصلح صفحہ ۱۷۳)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :۔

" جن لوگوں نے قیمتیں دی تھیں اکثر نے گالیاں بھی دیں اور قیمت بھی واپس لی " (دیباچہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم صفحہ ۷)

پھر تحریر فرماتے ہیں :۔

" ہم نے ...... دو مرتبہ اشتہار دیدیا کہ جو شخص براہین احمدیہ کی قیمت واپس لینا چاہے وہ ہماری کتاب ہمارے حوالہ کرے اور اپنی قیمت لے لے۔ چنانچہ وہ تمام لوگ جو اس قسم کی جہالت اپنے اندر رکھتے ہیں انہوں نے کتابیں بھیج دیں اور قیمت واپس لے لی اور بعض نے تو کتابوں کو بہت خراب کر کے بھیجا مگر پھر بھی ہم نے قیمت دیدی ...... خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایسے دَنیّ الطبع لوگوں سے خدا تعالیٰ نے ہمیں فراغت بخشی "

(تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۸۵ و ایام الصلح طبع اوّل صفحہ ۱۷۳)

تین سو ۳۰۰ دلائل کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

" میں نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ اثباتِ حقیّتِ اسلام کے لیے تین سو دلائل براہین احمدیہ میں لکھوں، لیکن جب میں نے غور سے دیکھا

تو معلوم ہوا کہ یہ دو قسم (اعلیٰ تعلیمات و زندہ معجزات) کے دلائل ہزارہا نشانات کے قائم مقام ہیں۔ پس خدا نے میرے دل کو اس ارادہ سے پھیر دیا اور مذکورہ بالا دلائل کے لکھنے کے لیے مجھے شرح صدر عطا فرمایا۔"

(دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم)

یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اسّی کے قریب کتب لکھی ہیں ان میں صداقتِ اسلام کے تین سو۳۰۰ سے زیادہ دلائل موجود ہیں۔

اعتراض نمبر۴ :-

مشورہ سے مسیح موعود کے دعویٰ کا الزام اور اُس کا رَد

مولوی ابوالحسن صاحب ندوی اپنی کتاب "قادیانیت" کے صفحہ ۶۶ پر لکھتے ہیں :-

"اسی سال (۱۸۹۱ء) کے آغاز میں حکیم صاحب (حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ۔ ناقل) نے ایک خط میں مرزا صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کریں۔"

اور یہ بھی لکھا کہ :-

"ہم کو حکیم صاحب کا اصل خط تو نہیں مل سکا لیکن مرزا صاحب نے اس خط کا جو جواب لکھا ہے اس میں حکیم صاحب کے اس مشورہ کا حوالہ ہے۔"

اور مولوی ندوی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے :-

"اس سے اس تحریک کے فکری سرچشمہ کا اس کے اصل مجوّز اور مصنّف کا علم ہوتا ہے۔" (قادیانیت صفحہ ۶۷)

آگے مولوی ندوی صاحب نے خط کا اقتباس درج کیا ہے جو یوں ہے :

"جو کچھ آنمخدوم نے تحریر فرمایا ہے اگر دمشقی حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر الگ مثیلِ مسیح کا دعویٰ کیا جائے تو اس میں حرج کیا ہے۔ درحقیقت اس عاجز کو مثیلِ مسیح بننے کی کچھ حاجت نہیں یہ بننا چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے عاجز اور مطیع بندوں میں داخل کر لیوے، لیکن ہم ابتلاء سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتے خدا تعالیٰ نے ترقیات کا ذریعہ صرف ابتلاء ہی کو رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ۔" (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر۲ صفحہ ۸۵)

اس خط سے ظاہر ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ

کے اس مشورہ کو جو انہوں نے دمشقی حدیث کے ابتلاء پیدا ہونے کے خطرہ کے ماتحت از خود دیا قبول نہیں فرمایا اور اپنے آپ کو دمشقی حدیث کا مصداق قرار دینے سے جو ابتلاء پیش آسکتی تھی اس ابتلا کو ترقیات کا ذریعہ قرار دیا۔ پس اس خط سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے حضرت مولوی نورالدین صاحب رضؓ کے مشورہ سے مسیح موعود کا دعویٰ کیا۔ مسیح موعود کا دعویٰ تو ہو چکا تھا اور حضرت مولوی صاحب کو اس پر اطلاع ہو چکی تھی۔ اس اطلاع پر ہی تو حضرت مولوی صاحب رضؓ یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ دمشقی حدیث کا اپنے تئیں مصداق قرار نہ دیں مگر اُن کا یہ مشورہ آپؑ نے رد کر دیا۔

عجیب بات ہے کہ مولوی ندوی صاحب کو خود اس بات کا اعتراف ہے کہ مرزا صاحبؑ نے حکیم صاحب رضؓ کی پیشکش قبول کرنے سے معذرت کی چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

"مرزا صاحب نے جس انداز میں حکیم صاحب کی پیشکش قبول کرنے سے معذرت کی ہے اور ان کے خط سے جس کسر نفسی، تواضع اور خشیت کا اظہار ہوتا ہے وہ بڑی قابلِ قدر چیز ہے اور اس سے مرزا صاحب کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔"

(قادیانیت صفحہ ۲۷)

اس عبارت تک ندوی صاحب نے مستشرقین کی طرز پر حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے حضرت مولوی نورالدین رضؓ کے مشورہ کو قبول نہ کرنے کا ذکر کر کے آپ کی تعریف کی ہے اور اب آگے دیکھئے وہ مٹھاس میں کس طرح زہر ملاتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"لیکن ان کی کتابوں کا تاریخی جائزہ لینے کے بعد یہ تاثر اور عقیدت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اچانک یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے حکیم صاحب کی اس تجویز کو قبول کر لیا اور تھوڑے ہی دنوں میں انہوں نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ اور اعلان کر دیا۔" (قادیانیت صفحہ ۲۸)

واضح ہو کہ مولوی ندوی صاحب کو مسلّم ہے کہ وہ مکتوب جو انہوں نے نقل کیا ہے اس پر ۲۴ جنوری ۱۸۹۱ء کی تاریخ درج ہے ملاحظہ ہو قادیانیت صفحہ ۲۷۔

تجویز قبول کر لینے کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ ۱۸۹۱ء کی تصنیف "فتح اسلام" میں:-

"ہم پہلی مرتبہ ان کا یہ دعویٰ پڑھتے ہیں کہ وہ مثیلِ مسیح اور مسیح موعود ہیں۔"

مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولوی نورالدین رضؓ صاحب نے جو خط مسیح موعود علیہ السلام کو لکھا ہے وہ آپؑ کے اس دعویٰ مسیح موعود پر اطلاع پانے کے بعد لکھا ہے اور اس اطلاع پر حضرت مولوی صاحب رضؓ نے از خود یہ مشورہ دیا ہے کہ دمشقی حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر مثیل مسیح کا دعویٰ کیا جائے۔ حضرت مولوی نورالدین رضؓ صاحب کو یہ لکھے

کی ضرورت اس لیے پیش آئی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اب مثیلِ مسیح کا دعوےٰ بطور مسیح موعود کر چکے تھے ورنہ مثیلِ مسیح کا دعویٰ علی الاطلاق تو اس سے بہت پہلے آپؑ براہین احمدیہ میں پیش کر چکے ہوئے تھے۔

حضرت مولوی صاحبؓ ... ہ یہ نہ تھا کہ آپؑ مثیل مسیح کا دعویٰ کریں بلکہ مشورہ یہ تھا کہ اپنے آپ کو دمشقی حدیث کا مصداق ظاہر نہ کریں۔ یہ مشورہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ نے ہرگز قبول نہیں کیا اور مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کا یہ لکھنا بالکل غلط ہے کہ:۔

"اچانک یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے حکیم صاحب کی اس تجویز کو قبول کر لیا" (قادیانیت ص۵۰)

پھر غور سے مکتوب پڑھیئے۔ حضرت مولوی صاحبؓ کے خط میں تجویز یہ نہیں تھی کہ مثیل مسیح کا دعویٰ کریں بلکہ تجویز یہ تھی کہ دمشقی حدیث کا اپنے تیئں مصداق ظاہر نہ کریں۔ اور اسے چھوڑ کر مثیل مسیح یعنی مسیح موعود کا دعوےٰ کریں۔ دمشقی حدیث کا مصداق ظاہر کرنے پر حضرت مولوی صاحبؓ کے نزدیک ابتلاء کا ڈر تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اسی خط سے ظاہر ہے کہ آپؑ اس ابتلاء سے نہیں ڈرے بلکہ اس کو ترقیات کا ذریعہ قرار دیا ہے اسی وجہ سے تو مولوی ابوالحسن

صاحب ندوی کو یہ لکھنا پڑا کہ:۔

"مرزا صاحب نے حکیم صاحب کی پیشکش قبول کرنے سے معذرت کی ہے"

خط کے منطوق سے معذرت ہی ظاہر ہوتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپؑ نے مشورہ قبول نہیں کیا اب اگر بقول مولوی ابوالحسن صاحب ندوی فتح اسلام کی اشاعت کے وقت آپؑ نے حضرت مولوی صاحبؓ کا مشورہ قبول کرتے ہوئے دعویٰ کیا تھا تو پھر چاہیئے تو یہ تھا کہ آپؑ ۱۸۹۱ء میں اپنے آپکو دمشقی حدیث کا مصداق قرار نہ دیتے لیکن ہم اس کے برعکس یہ دیکھتے ہیں کہ ۱۸۹۱ء کی تصنیف ازالہ اوہام میں آپؑ نے دمشقی حدیث کا اپنے تیئں مصداق قرار دیا ہے جس پر ازالہ اوہام ص۶۳ تا ص۷۳ کا حاشیہ شاہد ناطق ہے۔ ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"صحیح مسلم میں جو یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح دمشق کے منارہ سفید شرقی کے پاس اُتریں گے ...... دمشق کے لفظ کی تعبیر میں میرے پر منجانب اللہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایسے قصبہ کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو یزید الطبع اور یزید پلید کی عادات اور خیالات کے پیرو ہیں"

آگے ازالہ اوہام حاشیہ ص۲۷ پر لکھتے ہیں :۔

"قادیان کی نسبت مجھے یہ الہام ہوا کہ اُخْرِجَ مِنْهُ الْيَزِيدِيُّوْنَ
کہ اس میں یزیدی لوگ پیدا کئے گئے ہیں"

اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الہام
"اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قَرِيْبًا مِّنَ الْقَادِيَانِ"
درج کرکے لکھا ہے :۔

"اب ایک نئے الہام سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ قادیان
کو خدا تعالیٰ کے نزدیک دمشق سے مشابہت ہے"

پھر آگے اس کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے :۔
"اس کی تفسیر یہ ہے اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قَرِيْبًا مِّنْ دِمَشْقَ
بِطَرَفٍ شَرْقِيٍّ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ کیونکہ اس عاجز
کی سکونتی جگہ قادیان کے شرقی کنارہ پر ہے"
(ازالہ اوہام ص۷۳ حاشیہ ص۷۵)

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دمشقی حدیث
کو اپنے اوپر چسپاں کیا ہے اور قادیان کو بطور استعارہ دمشق سے تعبیر کیا ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ مثیلِ مسیح کا دعویٰ فتح اسلام سے بھی پہلے موجود تھا یہ
ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ازالہ اوہام میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"مَیں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ مَیں مسیح ابنِ مریم ہوں۔ جو
شخص یہ الزام مجھ پر لگاوے وہ سراسر مُفتری اور کذّاب ہے
بلکہ میری طرف سے عرصہ سات آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو
رہا ہے کہ مَیں مثیلِ مسیح ہوں" (ازالہ اوہام جلد ا ص۱۹۰)

اس سے ظاہر ہے کہ ۱۸۹۱ء سے جب کہ ازالہ اوہام شائع ہوئی سات آٹھ
سال پہلے سے آپؑ کا دعویٰ مثیلِ مسیح کا موجود تھا۔ چنانچہ یہ دعویٰ براہین احمدیہ میں
بھی موجود ہے۔ آپؑ تحریر فرماتے ہیں :۔

اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت متشابہ واقع
ہوئی ہے گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو
پھل ہیں اور بحدّے اتحاد ہے کہ نظرِ کشفی میں نہایت ہی باریک
امتیاز ہے ...... سو چونکہ اس عاجز کو مسیح سے مشابہت
تامّہ ہے اس لیے خداوند کریم نے مسیح کی پیشگوئی میں ابتداء سے
اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے"
(براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۴۹۹)

اس سے ظاہر ہے کہ ازالہ اوہام میں حضورؑ کا یہ لکھنا بالکل بجا تھا کہ سات آٹھ سال پہلے سے آپؑ کا مثیل مسیح کا دعویٰ موجود تھا اس عبارت سے تو یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپؑ مسیح کی آمد کی پیشگوئی میں شریک ہیں مگر اس کے باوجود آپؑ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہ کیا کیونکہ رسمی عقیدہ کے طور پر آپؑ خود بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور ان کی دوبارہ اصالتاً آمد کے قائل تھے۔ ۱۸۹۰ء؍۱۸۹۱ء میں آپؑ کے دعویٰ مثیل مسیح کیساتھ آپؑ پر الہاماً مسیح موعود ہونے کا انکشاف ہوا اور آپؑ نے کھُلے لفظوں میں اپنے تبھی مثیل مسیح ہونے کو بطور **مسیح موعود** قرار دیا اور مسیح ناصری کی اصالتاً آمد کے خیال کو ترک فرما دیا کیونکہ اس بارہ میں آپؑ کو یہ الہام ہو چکا تھا کہ:۔

"مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو گیا ہے اور اُسی کے رنگ میں ہو کر خدا کے وعدہ کے موافق تو آیا ہے وَکَانَ وَعْدُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا۔"

(ازالہ اوہام صـ۵۶۱)

نیز آپؑ پر الہام ہو گیا تھا:۔

"جَعَلْنَاكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ۔"

کہ ہم نے تجھے مسیح ابن مریم بنا دیا ہے (یعنی استعارہ کے طور پر)

(ازالہ اوہام صـ۶۳۲)

ابوالحسن صاحب ندوی مثیلِ مسیح کے دعویٰ کو ۱۸۹۱ء سے قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ دعویٰ براہین احمدیہ میں موجود ہے پس مثیل مسیح کے دعویٰ کو ترک نہیں کیا گیا۔ بلکہ ۱۸۹۱ء میں اپنے مثیل مسیح ہونے کو ہی مسیح موعود الہاماتِ جدیدہ کی روشنی میں قرار دیا گیا ہے پس مولوی ابوالحسن صاحب کا یہ قول بالکل غلط ہے کہ:۔

"یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے حکیم صاحب کی اس تجویز کو قبول کر لیا اور تھوڑے ہی دنوں میں انہوں نے مثیل ہونے کا دعویٰ اور اعلان کر دیا۔"　　　(قادیانیت صـ۷)

قارئین پر واضح ہو کہ مثیل مسیح کا دعویٰ تو سات آٹھ سال پہلے موجود تھا اب اعلان یہ ہوا ہے کہ آپؑ مسیحِ موعود ہیں اور مسیح موعود کے لیے مثیل مسیح ہونا ضروری تھا۔ لہٰذا عیسیٰ بن مریمؑ کا اصالتاً آمد کا خیال درست نہیں پس یہ اعلان آپؑ نے **الہامات** کی روشنی میں کیا ہے نہ کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے بلکہ جو مشورہ انہوں نے ابتلاء سے ڈر کر دیا ہے اُسے تو آپؑ نے رد کر دیا ہے اور ابتلاء کو ترقیات کا ذریعہ ٹھہرایا ہے لہٰذا ابوالحسن صاحب کو اپنے یہ الفاظ دل و جان سے قبول کر لینے چاہئیں:۔

"ان کے (یعنی حضرت مرزا صاحبؑ) خط سے حسن کسرِ نفسی، تواضع

اور خشیت کا اظہار ہوتا ہے وہ بڑی قابلِ قدر چیز ہے اور اس سے مرزا صاحب کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔"

خدا تعالیٰ نے مولوی ابوالحسن صاحب ندوی کے قلم سے خود ایک حوالہ براہین احمدیہ سے "قادیانیت" کے صفحہ ۴۷ پر درج کرا دیا جو اس بات پر شاہد ناطق ہے کہ براہین میں آپؑ نے مسیح سے مماثلت کا دعویٰ کیا تھا۔ پیش کردہ عبارت کے الفاظ یہ ہیں:-

"یہ عاجز (مؤلف براہین احمدیہ) حضرت قادرِ مطلق جلّ شانہٗ کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ نبی ناصری اسرائیلی (مسیح) کے طرز پر کمال مسکینی و فروتنی و غربت و تذلّل و تواضع سے اصلاح خلق کے لیے کوشش کرے۔"

(اشتہار مندرجہ براہین احمدیہ)

نبی کا اُستاد

اعتراض نمبر ۵ نبی کا کوئی اُستاد نہیں ہوتا مگر مرزا صاحب کے استاد تھے جن سے انہوں نے لکھنا پڑھنا سیکھا؟

الجواب:- یہ تو درست ہے کہ روحانی اُمور میں نبی کا استاد خدا تعالیٰ ہوتا ہے اور اگر نبی تابع ہو تو متبوع نبی کی شریعت بھی روحانیت میں اس کا استاد ہوتی ہے، لیکن

اس بارہ میں کوئی دلیل موجود نہیں کہ ہر نبی کے لیے اُمّی (ان پڑھ) ہونا ضروری ہے۔ انبیاء میں سے یہ شرف صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپؐ اُمّی تھے۔ حسب آیت اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ (اعراف آیت ۱۵۸) توریت کے بعد سینکڑوں نبی آئے لیکن ان میں سے کسی کو اُمّی نہیں کہا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی خاص علامات میں سے اُمّی نبی ہونا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کا حضرت خضر علیہ السلام سے تعلیم پانا قرآن کریم کی سورۃ کہف میں موجود ہے۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت نبی تھے اور حضرت خضرؑ کی نبوت مختلف فیہ ہے۔

تفسیر حسینی میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ لکھے پڑھے تھے اور ہمارے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُمّی تھے (تفسیر حسینی مترجم اُردو جلد ۲ صفحہ ۱۴۷ زیر آیت وَرَتَّلْنٰہُ تَرْتِیْلًا۔ (فرقان ع ۳)

اسی طرح بیضاوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے: "کَانَ اُمِّیًّا" اور حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق لکھا ہے: "کَانُوْا یَکْتُبُوْنَ" کہ وہ لکھے پڑھے تھے۔

تفسیر بیضاوی میں زیر آیت هَلْ اَتَّبِعُكَ (سورۃ کہف) لکھا ہے :-

"وَلَا يُنَافِيْ نُبُوَّتَهٗ وَكَوْنَهٗ صَاحِبَ شَرِيْعَةٍ اَنْ يَّتَعَلَّمَ مِنْ غَيْرِهٖ مَا لَمْ يَكُنْ شَرْطًا فِيْ اَبْوَابِ الدِّيْنِ ۔"

(جلد ا صفحہ ۴۸۶ مطبع احمدی)

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا کسی غیر سے ایسا علم سیکھنا جو امورِ دین میں سے نہ ہو ان کی نبوت اور ان کے صاحب شریعت ہونے کے منافی نہیں ہے۔

پھر تفسیر حسینی میں ہے کہ رسول ایسا ہونا چاہیئے کہ جن کی طرف بھیجا گیا ہے ان سے اصول و فروعِ دین میں کہ علم میں ان سے زیادہ ہو اور جو علم اس قبیل سے نہیں اس کی تعلیم امورِ نبوّت کے منافی نہیں اور اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ ۔ (تفسیر حسینی مترجم اردو موسومہ تفسیر قادری جلد ا صفحہ ۳۶ سورۃ کہف)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق صحیح بخاری میں مروی ہے :-

"اِذْ كَانَ بِهَا اَهْلُ اَبْيَاتٍ مِنْهُمْ وَشَبَّ الْغُلَامُ وَتَعَلَّمَ الْعَرَبِيَّةَ مِنْهُمْ ۔" (بخاری کتاب بدء الخلق جلد ۲ صفحہ ۱۴۷)

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت ان (بنو جرہم) میں سے کچھ گھر والے جمع ہو گئے تو وہ بچہ (حضرت اسماعیل) جوان ہوا اور اس نے ان سے عربی زبان کا علم حاصل کیا۔

نبی کا مُرکّب نام

اعتراض نمبر ۶

نبی کا نام مرکّب نہیں ہوتا ۔ مرزا صاحبؑ کا نام مرکّب تھا؟

الجواب :- نبی کا نام نہ صرف مرکّب بلکہ مرکب اضافی بھی ہو سکتا ہے ۔ قرآن مجید میں ایک نبی کا نام "ذَاالْكِفْلِ" مذکور ہے جو مرکب اضافی ہے پھر اسماعیل بھی مرکّب نام ہے "اسمع" اور "ایل" سے ۔ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آیا ہے :-

"اِسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۔"

عیسیٰ ابن مریم بھی مرکب نام ہے اور پھر مسیح کے لفظ سے اس کو مزید ترکیب دی گئی ہے اور سارے نام کو "اِسْمُهٗ" کہا گیا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا ایک نام "ذُوالنُّوْن" بھی ہے جو مرکّب ہے۔

حج نہ کرنے کی وجہ

اور

حدیث لَیُھِلَّنَّ ابنُ مَریَمَ کی تشریح

اعتراض نمبر مرزا صاحبؑ نے حج کیوں نہیں کیا۔ جب کہ یہ اسلام کا ایک رُکن ہے؟

الجواب:۔ حج کے لیے کچھ شرائط ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

" لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا۔" (آل عمران آیت ۹۷)

ان شرائط میں رستہ کا امن اور صحت بھی داخل ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ دونوں شرطیں حاصل نہ تھیں۔ کیونکہ تمہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کُفر کا فتویٰ لگایا گیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے رستہ کے امن کی شرط ثابت ہے کیونکہ جب آپؐ طوافِ کعبہ کے لیے گئے اور حدیبیہ کے مقام پر روک دیئے گئے تو آپؐ واپس چلے آئے اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی رُکے رہے البتہ حدیث نبویؐ کے مطابق آپؑ کا حج بدل کرایا گیا حدیث نبویؐ میں جو یہ وارد ہے:۔

" لَیُھِلَّنَّ ابْنُ مَرْیَمَ بِفَجِّ الرَّوْحَاءِ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا۔" الخ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں درحقیقت عیسائی دنیا کو یہ بتانا مقصود تھا کہ تمہارا مسیح بیت اللہ کا حج کریگا۔ پس تمہارا فرض ہے کہ شریعت محمدیہ پر ایمان لاؤ۔ اس حدیث کا تعلق اُمّتِ محمدیہ کے مسیح موعود سے نہیں۔ یہ پیشگوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی پوری ہوگئی۔ چنانچہ حدیث نبوی میں ہے کہ:۔

" اِنَّہٗ مَرَّ بِالصَّخْرَۃِ مِنَ الرَّوْحَاءِ سَبْعُوْنَ نَبِیًّا حُفَاۃً عَلَیْھِمُ الْعَبَاءُ یَطُوْفُوْنَ الْبَیْتَ الْعَتِیْقَ۔" (شرح التعرّف صک)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روحاء کی چٹان کے پاس سے ستر نبیوں نے ننگے پاؤں چادریں اوڑھے خانہ کعبہ کا طواف کیا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہی یہ بھی ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ھرشی گھاٹی کے پاس آئے تو فرمایا:۔

" کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی یُوْنُسَ عَلٰی نَاقَۃٍ حَمْرَاءَ عَلَیْہِ جُبَّۃٌ مَارًّا بِھٰذَا الْوَادِیْ مُلَبِّیًا۔"
(صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص۵۱۱ مجتبائی)

ترجمہ:۔ اس کا یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ یونسؑ نبی ایک سرخ اونٹنی پر سوار صوف کا جبہ پہنے اس وادی سے تلبیہ کرتے ہوئے گزر رہے ہیں۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں حضرت یونس علیہ السلام کو حج کرتے دیکھا ہے پس انبیاءِ سابقین کی ارواح بعد از وفات اپنے نورانی جسم کے ساتھ جو انہیں بعد از وفات ملتا ہے خانہ کعبہ کا حج کرتے رہتے ہیں جیسا کہ پہلی حدیث میں ستر نبیوں کے حج کرنے کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ بھی حج یا عمرہ کر چکے ہیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ كُنْتُ اَطُوفُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم حَوْلَ الْكَعْبَةِ اِذْ رَأَيْتُهُ صَافَحَ شَيْئًا وَلَمْ اَرَاهُ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ رَأَيْنَاكَ صَافَحْتَ شَيْئًا وَلَا نَرَاهُ. قَالَ ذٰلِكَ اَخِي عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ اِنْتَظَرْتُهُ حَتّٰى قَضٰى طَوَافَهُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ (الفتاوى الحديثية للامام ابن حجر الهيثمي ص۱۵۴ مصری)

ترجمہ:۔ راوی کہتا ہے کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضور نے کسی سے مصافحہ کیا ہے جو مجھے نظر نہیں آیا۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ ہم نے آپ کو کسی سے مصافحہ کرتے دیکھا ہے اور اس شخص کو نہیں دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میرا بھائی عیسیٰ بن مریم تھا۔ میں نے اس کے طواف کرنے کا انتظار کیا اور پھر میں نے اسے سلام کیا ہے۔

پس عیسیٰ علیہ السلام کے حج کی پیشگوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پوری ہو چکی ہے۔ فج الروحاء دنیا یافتہ لوگوں کا میقات احرام ہے۔

مالیخولیا مراقی کے اعتراض کی تردید

اعتراض نمبر ۸ مرزا صاحبؑ نے تسلیم کیا ہے کہ انہیں مراق تھا لہذا اُن کے دعاوی، مالیخولیا کا نتیجہ تھے؟

الجواب:۔ انبیاء کو پہلے بھی لوگ مجنون کہتے رہے ہیں چنانچہ منکرین یہ کہتے آئے ہیں:۔

"اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ" (الصّٰفّٰت آیت ۳۷)

ترجمہ:۔ "کیا ہم ایک شاعر مجنون کے لیے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دیوانہ کہا گیا تو خدا تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا:۔

"نٓ۔ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ" (سورۃ القلم آیت ۱ تا ۷)

ترجمہ: دوات اور قلم اور جو کچھ لکھ رہے ہیں وہ شاہد ہیں کہ تو اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں اور تجھے خدا کی طرف سے ایسا بدلہ ملیگا

جو کبھی ختم نہیں ہوگا اور تُو نہایت اعلیٰ اخلاق پر قائم ہے پس
جلدی ہی تُو بھی دیکھ لیگا اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون
آزمائش میں ڈالا گیا ہے (یعنی کس کو خدا کی مدد ملتی ہے اور کون
خدا کی نصرت سے محروم رہتا ہے)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہر جگہ اپنی دو[2] بیماریوں کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک دورانِ سر اور دوسری کثرتِ بول کی بیماری ہے اور مالیخولیا مراق کی بیماری سے جو صریح طور پر جنون کی ایک قسم ہے، آپؑ نے صریح انکار کیا ہے۔
ڈائری میں جو مراق کا لفظ آیا ہے اس سے مراد مالیخولیا مراقی نہیں بلکہ پردۂ مراق کی بیماری **دورانِ سر** ہے دیکھئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایسا ہی خدا تعالیٰ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر کوئی خبیث مرض دامنگیر
ہو جائے جیسا کہ جذام اور جنون اور اندھا ہونا اور مرگی۔ تو اس
سے یہ لوگ نتیجہ نکالیں گے کہ اس پر غضب الٰہی ہوگیا اس لیے
پہلے سے اس نے مجھے براہین احمدیہ میں بشارت دی کہ ہر ایک
خبیث عارضہ سے تمہیں محفوظ رکھوں گا اور اپنی نعمت تجھ
پر پوری کرونگا۔" (اربعین ۳ صفحہ ۱۳ حاشیہ)

طب اکبر میں مراق کی تین قسمیں لکھی ہیں۔ صداع[1] مراقی دوار[2] مراقی اور مالیخولیا[3] مراقی۔ ان میں سے صرف مالیخولیا مراقی کے ڈانڈے جنون سے ملتے ہیں اور باقی دو قسمیں پردۂ مراق کی دماغی محنت کرنے والوں کو عارض ہو جاتی ہیں۔ ان دونوں قسموں کا جنون سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ صرف پردۂ مراق سے بخارات اُٹھ کر دماغ کی طرف جاتے ہیں جن سے سر درد یا دورانِ سر لاحق ہو جاتا ہے۔
پس پردۂ مراق کے ماؤف ہونے سے دوار کا عارضہ آپؑ کو ضرور تھا۔ سیرت المہدی میں حضرت اُمّ المومنینؓ کی روایت میں جو ہسٹیریا کا لفظ آیا ہے اس سے بھی دورانِ سر ہی مراد ہے۔ ہسٹیریا مالیخولیا مراقی نہیں ہوتا یہ تو الگ بیماری ہے،
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں مخالفین کی نکتہ چینیوں کے ذیل میں لکھا ہے:۔

"دوسری نکتہ چینی یہ ہے کہ مالیخولیا یا جنون ہو جانے کی وجہ
سے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا اس کا جواب یہ ہے کہ یوں تو میں
کسی کے مجنون کہنے یا دیوانہ نام رکھنے سے ناراض نہیں ہو سکتا
بلکہ خوش ہوں کیونکہ ہمیشہ سے ناسمجھ لوگ ہر ایک نبی اور رسول
کا بھی ان کے زمانہ میں یہی نام رکھتے آئے ہیں اور قدیم سے ربّانی

مصلحوں کو قوم کی طرف سے یہی خطاب ملتا رہا ہے اور نیز اس وجہ سے بھی مجھے خوشی پہنچی ہے کہ آج وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو براہین احمدیہ میں طبع ہو چکی ہے کہ تجھے مجنون بھی کہیں گے۔ لیکن حیرت تو اس بات میں ہے کہ اس دعویٰ میں کونسے جنون کی بات پائی جاتی ہے۔ کونسی خلاف عقل بات ہے جس سے معترضین کو جنون ہونے کا شک پڑ گیا اس بات کا فیصلہ ہم معترضین کی ہی کانشنس اور عقل پر چھوڑتے ہیں اور ان کے سامنے اپنے بیانات اور اپنے مخالفوں کی حکایات رکھ دیتے ہیں کہ ہم دونوں گروہ میں سے مجنون کونسا ہے اور عقلِ سلیم کس کی طرزِ تقریر کو مجانین کی باتوں کے مشابہ سمجھتی ہے اور کس کی باتوں کو قول موجّہ قرار دیتی ہے۔"

(ازالہ اوہام ایڈیشن خورد صہ ۳۶ و صہ ۳۷)

غیر زبانوں میں الہامات کی وجوہ

اعتراض نمبر ۹

غیر زبانوں میں الہامات کیوں ہوئے؟

الجواب: (۱) اس زمانہ میں عیسائیوں، برہمو سماجیوں اور سر سید احمد خان کا یہ نظریہ تھا کہ الہام الفاظ میں نازل نہیں ہوتا بلکہ مُلہم کے دل میں خیال پیدا کیا جاتا ہے جسے وہ اپنے لفظوں میں بیان کر دیتا ہے اسی نظریہ کی تردید کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر غیر زبانوں میں الہامات ہوئے جن سے آپؑ واقف نہیں تھے تا یہ ثابت ہو کہ الہام الفاظ میں بھی نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض الہامات پیشگوئیوں پر مشتمل ہیں جو اسرارِ سربستہ کی حیثیت رکھتے تھے اور وقت پر ان کی حقیقت کھولی گئی۔

۲۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ بعثت آپؐ کی ساری دنیا کی طرف ہے اور الہام آپؐ کو صرف عربی زبان میں ہوتا ہے اس لیے مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ ہیں۔ عربی زبان کو اُمّ الالسنہ ثابت کیا گیا اور دوسری زبانوں میں بعض الہامات نازل کئے۔ قرآن کریم کے نزول کے وقت

غیر زبانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر الہامات نازل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ ابھی مواصلات کا سلسلہ وسیع نہیں ہوا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں متعدد الہامات نازل کر کے اس طرف توجہ دلائی کہ خدا تعالیٰ ہر زبان میں کلام کرتا ہے اس لیے اس سے تعلق پیدا کرنے والی قومیں اس کے لذیذ کلام کو اپنی زبان میں سن سکتی ہیں

عیسائیوں اور برہمو سماجیوں وغیرہ کے اسی غلط نظریہ کی تردید میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ الہام نازل ہوا کہ :۔

"اس نشان کا مدّعا یہ ہے کہ قرآن خدا کا کلام اور میرے مُنہ کی باتیں ہیں"
(حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۴)

قرآن مجید خُدا کے مُنہ کی باتیں ہیں!

"میرے مُنہ کی باتیں ہیں" سے مراد یہ ہے کہ یہ خدا کے مُنہ کی باتیں ہیں۔ یعنی خدا بتا رہا ہے کہ قرآن لفظاً نازل ہوا ہے نہ یہ کہ اس کا مفہوم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ڈالا گیا جو آپؐ نے اپنے الفاظ میں بیان کیا۔ بعض لوگ کم سمجھی سے اس الہام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحبؑ نے قرآن مجید کو اپنے منہ کی باتیں کہا ہے حالانکہ یہ فقرہ مرزا صاحب علیہ السلام کا اپنا کلام ہے ہی نہیں بلکہ خدا کا کلام ہے ان کو مغالطہ اس سے لگا ہے کہ پہلے فقرہ میں خدا کا ذکر بصیغۂ غائب ہے اور دوسرے

فقرہ میں بصیغۂ متکلّم۔ الہامی زبان میں خدا کا یہ طریق ہے کہ کبھی وہ غائب سے متکلم کی طرف بھی التفات کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْ اَرْسَلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ ۔
(فاطر آیت ۱۰)

یعنی خدا وہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے پس وہ بادل کو اٹھاتی ہیں۔ پھر ہم (یعنی خدا) اسے مُردہ علاقہ کی طرف ہانک دیتے ہیں۔

دیکھئے اس آیت میں غائب سے متکلّم کی ضمیر کی طرف التفات ہے۔

یہ آریوں کا خیال ہے کہ خدا انسانوں کی زبان میں کلام نہیں کرتا

اعتراض نمبر ۱:۔ مرزا صاحبؑ نے کہا ہے :۔

"بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی زبان تو کوئی اور ہو الہام اس کا کسی اور زبان میں ہو جس کو کوئی سمجھتا ہی نہیں کیونکہ یہ تکلیف مالایطاق ہے۔"
(چشمۂ معرفت)

جب یہ بات ہے تو پھر مرزا صاحبؑ کو غیر زبانوں میں کیوں الہام ہوا؟

الجواب :۔ یہ عبارت آریوں کے اس خیال کے ردّ میں ہے کہ خدا انسان کی زبان میں

نہیں بولتا اور اس نے اپنے رشیوں پر وید اپنی زبان میں نازل کئے جسے رشی نہیں جانتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس امر کو بیہودہ اور غیر معقول قرار دیتے ہیں کہ خدا کا کلام ایسی زبان میں ہو جس کو کوئی سمجھتا ہی نہیں اس عبارت کے بعد مرزا صاحبؑ نے خود فرمایا ہے کہ مجھے مختلف زبانوں میں الہامات ہوئے۔ (ملاحظہ ہو چشمہ معرفت ص۲۱۰)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو ایسے الہامات ہوئے ہیں وہ ایسی زبانوں میں ہوئے ہیں جو دنیا میں سمجھی جاتی ہیں یا اُن کے بولنے والے دُنیا میں موجود ہیں۔

پس آپؑ نے ایسی زبان میں الہام نازل ہونے کو بیہودہ اور غیر معقول قرار دیا ہے جس کو دنیا میں کوئی نہ جانتا ہو۔

چُوہڑے اور چمار نبی نہیں ہوسکتے، نبی اعلیٰ خاندان سے آتا ہے

اعتراض نمبر ۱۱ تریاق القلوب کی ایک عبارت کی بناء پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحبؑ نے یہ کہا ہے کہ چوہڑے اور چمار بھی نبی ہوسکتے ہیں،

الجواب:۔ ایسے لوگوں کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے۔

"اب خدا تعالیٰ کی قدرت پر خیال کر کے ممکن تو ہے کہ وہ اپنے کاموں سے تائب ہو کر مسلمان ہو جائے اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کا ایسا فضل

اس پر ہو کہ وہ رسول اور نبی بھی بن جائے اور اسی گاؤں کے شریف لوگوں کی طرف دعوت کا پیغام لیکر آوے اور کہے کہ جو شخص تم میں سے میری اطاعت نہیں کریگا خدا اسے جہنم میں ڈالے گا، لیکن باوجود اس امکان کے جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے کبھی خدا نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ ایسا کرنا اس کی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے اور وہ جانتا ہے کہ لوگوں کے لیے ایک فوق الطاقت ٹھوکر کی جگہ ہے کہ ایک ایسا شخص جو پُشت در پُشت سے رذیل چلا آتا ہے ...... اب اگر لوگوں سے اس کی اطاعت کرائی جائے تو بلا شبہ لوگ اُس کی اطاعت سے کراہت کرینگے۔ کیونکہ ایسی جگہ میں کراہت کرنا انسان کے لیے ایک طبعی امر ہے اس لیے خدا تعالیٰ کا قدیم قانون اور سنت اللہ یہی ہے کہ وہ صرف اُن لوگوں کو

منصبِ دعوت یعنی نبوّت وغیرہ پر مامور کرتا ہے جو اعلیٰ خاندان میں سے ہوں اور ذاتی طور پر بھی چال چلن اچھے رکھتے ہوں کیونکہ جیسا خدا تعالیٰ قادر ہے حکیم بھی ہے اور اس کی حکمت اور مصلحت چاہتی ہے کہ اپنے نبیوں اور ماموروں کو...

ایسی اعلیٰ قوم اور خاندان اور ذاتی چال چلن کے ساتھ بھیجے تاکہ کوئی دل ان کی اطاعت سے کراہت نہ کرے یہی وجہ ہے جو تمام نبی علیہم السلام اعلیٰ قوم اور خاندان میں سے آتے رہے ہیں؛

(تریاق القلوب ص۶۷ و ص۶۸)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چوہڑوں اور چماروں کا نبی بننا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت اور قدیم قانون اور سنتِ الٰہی کے خلاف قرار دیا ہے اور اس جگہ جو امکان بیان ہوا ہے وہ صرف امکان عقلی ہے جس میں

خدا کی صفتِ قدرت کو مدِّ نظر رکھا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ قادر کی قدرت کے آگے تو یہ ممکن ہے کہ وہ کسی چوہڑے اور چمار کو نبی بنا سکے، لیکن چونکہ خدا حکیم بھی ہے اس لیے اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ نبی ہمیشہ اعلیٰ خاندان سے بنائے جائیں تا لوگوں کو ان کے قبول کرنے میں کراہت نہ ہو اور یہی اس کی سنّتِ جاریہ رہی ہے پس اس عبارت سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی حکمت کے تقاضا کے لحاظ سے کسی چوہڑے چمار کا نبی بننا اس کی سنت کے خلاف ہے امکان صرف عقلی بیان ہوا ہے نہ کہ عادی۔ پس آدھی عبارت لے لینا اور باقی عبارت کو چھوڑ دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآنی آیت کا ٹکڑا "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ" کو تو لے لے اور آگے "وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى" کو چھوڑ دے اور کہے کہ قرآن میں لکھا ہے کہ نماز کے قریب بھی نہ جاؤ۔ حالانکہ وہاں تو یہ لکھا ہوا ہے کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔

ایسا مسیح نہیں آسکتا جو قرآن کے حلال و حرام کی پرواہ نہ کرے

اعتراض نمبر ۱۲ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام اگر آجائیں تو وہ شراب پیئیں گے اور خنزیر کھائیں گے۔ (دیکھو حقیقۃ الوحی ص۲۹)

الجواب:۔ وہاں تو یہ لکھا ہے کہ:۔

"یہ بالکل غیر معقول بات ہے کہ جب لوگ نماز کے لیے مساجد کی طرف دوڑیں گے، تو وہ کلیسا کی طرف بھاگے گا اور جب لوگ قرآن شریف پڑھیں گے تو وہ انجیل کھول بیٹھے گا اور جب لوگ عبادت کے وقت بیت اللہ کی طرف منہ کریں گے

وہ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوگا اور شراب پیئے گا اور سؤر کا گوشت کھائیگا اور اسلام کے حلال و حرام کی کچھ پرواہ نہیں رکھیگا۔"

یہ خیالات عیسائیوں کے ہیں نہ مسلمانوں کے۔ اسی لیے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انکو غیر معقول قرار دیا ہے مگر تعجب ہے کہ مخالف اسے اعتراض کی صورت میں پیش کرتا ہے حالانکہ نہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مسلمات میں سے ہے۔ اور نہ دوسرے مسلمانوں کے مسلمات میں سے۔

اس قسم کے خیالات تو عیسائیوں کے ہیں۔ چنانچہ اسی جگہ حاشیہ میں لکھا ہے:۔

"حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ آنے کا مسئلہ عیسائیوں نے اپنے فائدہ کے لیے گھڑا تھا کیونکہ پہلی آمد میں ان کی خدائی کا کوئی نشان ظاہر نہ ہوا۔"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس جگہ عیسائیوں کے خیال کا ہی ردّ کر رہے ہیں اور اسے غیر معقول قرار دے رہے ہیں۔

مولوی محمد حسین بٹالوی کا ایمان

اعتراض نمبر ۱۳

مرزا صاحبؑ نے لکھا ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی ایمان لائیگا؟

الجواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام استفتاء اردو صفحہ ۲۲ حاشیہ میں فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کشف ظاہر کر رہا ہے کہ وہ (محمد حسین بٹالوی) بالآخر ایمان لائیگا مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ ایمان فرعون کی طرح صرف اسی قدر ہوگا کہ اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآئِیْلَ یا پرہیزگار لوگوں کی طرح۔ واللہ اعلم۔"

یہ پیشگوئی بجائے کھلے اعتراف کے اس رنگ میں پوری ہوئی کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لالہ دیوکی نند صاحب مجسٹریٹ درجہ اول وزیر آباد کی عدالت میں مقدمہ ع‍۳۱۳ میں حلفاً بیان کیا کہ **"میں احمدی جماعت کو مسلمان سمجھتا ہوں"** حالانکہ وہی علماء میں سے سب سے پہلے فتویٰ کفر تیار کرنے والے تھے۔ ان کے خیالات میں یہ تبدیلی اُن کی قلبی تبدیلی پر گواہ ہے۔

بشیر الدولہ عالم کباب کی پیشگوئی کا مصداق

اعتراض نمبر ۱۴:- مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"وحی الٰہی ہوئی تھی کہ وہ زلزلہ جو نمونہ قیامت ہوگا بہت جلد آنے والا ہے اس کے لیے یہ نشان دیا گیا تھا کہ پیر منظور محمد صاحب کی بیوی محمدی بیگم کو لڑکا پیدا ہوگا۔"

(حقیقۃ الوحی ص ۱۰۱)

مگر ایسا کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا۔

الجواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس جگہ آگے اپنی التجا اور اس کی قبولیت کے ذکر میں لکھتے ہیں :-

"اس زلزلہ نمونہ قیامت میں کچھ تاخیر ڈال دی جائے ..... خدا نے دعا قبول کر کے زلزلہ کسی اور وقت پر ڈال دیا ہے ..... اس لئے ضرور تھا کہ لڑکا پیدا ہونے میں بھی تاخیر ہوتی۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۱ حاشیہ)

اصل حقیقت یہ ہے کہ منظور محمد سے پیر منظور محمد مراد لینا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک ایسا اجتہاد تھا جس میں اس کے خلاف احتمال بھی موجود تھا چنانچہ آپ نے لکھا تھا :-

"۱۹ فروری ۱۹۰۶ء کو رؤیا دیکھا کہ منظور محمد کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور دریافت کرتے ہیں کہ اس لڑکے کا کیا نام رکھا جائے۔ تب خواب سے حالت الہام کی طرف چلی گئی اور یہ الہام ہوا بشیر الدولہ۔ فرمایا کئی آدمیوں کے واسطے دعا کی جاتی ہے معلوم نہیں منظور محمد سے کس کی طرف اشارہ ہے۔"

(بدر جلد ۲ نمبر ۸ مکاشفات ص ۴۶ تذکرہ نیا ایڈیشن ص ۵۹۸)

گویا حضرت اقدسؑ نے صاف فرما دیا ہے کہ اس منظور محمد کی الہاماً تعیین نہیں کی گئی۔ پس یہ صرف مخالف احتمال کیا تھا۔ آپؑ کا ایک اجتہاد ہی تھا کہ پیر منظور محمد کی بیوی محمدی بیگم صاحبہ سے لڑکا پیدا ہوگا۔ لہٰذا معنوی لحاظ سے اس رؤیا کی تعبیر میں منظور محمد سے مراد خدا کے نزدیک وہ شخص ہو سکتا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا منظورِ نظر و محبوب ہو۔ الہام بتاتا ہے کہ ایسا لڑکا زلزلۃ الساعۃ سے پہلے پیدا ہوگا اور یہ زلزلہ کے لیے بطور علامت کے ظاہر ہونے والا تھا اسی لڑکے کے نام الہامات میں کلمۃ اللہ، کلمۃ العزیز۔ ھذا یوم مبارک۔ بشیر الدولہ۔ ناصر الدین۔ شادی خان بھی رکھے گئے ہیں۔

(ملاحظہ ہو تذکرہ نیا ایڈیشن ص ۵۹۸ ص ۶۲۲ ص ۶۲۶)

میرا وجدان یہ ہے کہ اس پیشگوئی کے مصداق دراصل حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ بطور منظور محمدؐ کے ہیں اور ان کے صاحبزادے حضرت مرزا ناصر احمد صاحب سلمہ ربہٗ بشیر الدولہ عالم کباب کی پیشگوئی کے مصداق ہیں جو اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلیفہ ثالث ہیں اور حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ہی صفاتی نام پیشگوئی میں ناصر الدین اور فاتح الدین مذکور ہیں اور عالم کباب آپ اس طرح ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے کہ :

"عالم کباب سے یہ مراد ہے کہ اس کے پیدا ہونے کے بعد چند ماہ تک یا جب تک کہ وہ اپنی برائی بھلائی شناخت کرے۔ دنیا پر ایک سخت تباہی آئے گی۔" (الحکم ۱۰ر جون ۱۹۰۶ء)

اس پیشگوئی کے بعد حضرت مرزا ناصر احمد صاحب ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۴ء میں چار سال بعد زلزلہ عظیمہ بطور جنگ عظیم کی شکل میں دنیا پر ایک سخت تباہی لایا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ جو صفاتی رنگ میں منظور محمدؐ ہیں آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے عہد میں اپنے ایک خط میں ایک دوست کو تحریر فرمایا تھا :-

"مجھے بھی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ میں ایک ایسا لڑکا دوں گا۔ جو **دین کا ناصر** ہوگا اور اسلام کی خدمت پر کمر بستہ ہوگا۔"

(الفضل ۸ر اپریل ۱۹۱۵ء)

یہ خط ۲۶ر ستمبر ۱۹۰۹ء کو لکھا گیا تھا اور اس کے بعد ۱۵ر نومبر ۱۹۰۹ء کو حضرت مرزا ناصر احمد صاحب آپ کے ہاں پیدا ہوئے۔ اس خط کا عکس تاریخ احمدیت جلد چہارم مؤلفہ مولوی دوست محمد صاحب فاضل کے صفحہ ۲۶ پر شائع ہو چکا ہے جس پر اس خط کے لکھا جانے کی تاریخ ۲۶ر ستمبر ۱۹۰۹ء درج ہے۔

الہامات میں **فاتح الدین** بھی اس لڑکے کا نام آیا ہے اور عجیب بات ہے کہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جن کے آپ صاحبزادے ہیں آپ کو جب فرقان بٹالین قائم کی گئی۔ اس بٹالین کے اشارات میں فاتح الدین کے نام سے موسوم فرمایا۔

(ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد ۶ صفحہ ۷۴۶ مؤلفہ مولوی دوست محمد فاضل)

الہام "بِکرٌ وثیّبٌ"

اعتراض نمبر ۱۵ : مرزا صاحبؑ نے لکھا ہے :-

"خدا کا ارادہ ہے کہ دو عورتیں میرے نکاح میں لائے گا۔ ایک بکر ہوگی ...

اور دوسری بیوہ۔ چنانچہ یہ الہام جو بکر کے متعلق تھا پورا ہوگیا اور اس وقت بفضلہ چار پسر اس بیوی سے ہیں اور بیوہ کے الہام کا انتظار ہے۔" (تریاق القلوب صـ۳۴)

مگر آخر وقت تک کوئی بیوہ آپؑ کے نکاح میں نہیں آئی؟

الجواب :۔ الہام دراصل "بِکْرٌ وَّ ثَیِّبٌ" کے دو لفظوں میں نازل ہوا تھا۔ تریاق القلوب کی مندرجہ بالا عبارت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اس الہام کے متعلق اپنا اجتہاد ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"اَلْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيْبُ فَاِنْ اَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِنْ اَخْطَأَ فَلَهٗ اَجْرٌ وَّاحِدٌ"۔

کہ مجتہد اجتہاد میں غلطی بھی کرتا ہے اور اس کا اجتہاد درست بھی ہوتا ہے اگر اس کا اجتہاد درست ہو تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر درست نہ ہو تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس اجتہاد پر قائم نہیں رکھا تھا کہ بیوہ تمہارے نکاح میں آئے گی بلکہ ۱۶؍ فروری ۱۹۰۶ء کو الہام کیا "تَکْفِیْکَ هٰذِهِ الْاِمْرَأَةُ" کہ تیرے لئے یہی عورت (جو تیرے نکاح میں ہے) کافی ہے۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ صـ۵۹۶)

پس جب بیوہ کا انتظار اس الہام کے بعد نہ رہا تو اب اس الہام کی تشریح واقعات کے رُو سے کی جائے گی واقعات نے یہ بتایا ہے کہ یہ الہام دونوں پہلوؤں سے حضرت اُمّ المومنین نصرت جہان بیگم رضی اللہ عنہا کی ذات میں پورا ہوا ہے جو بِکر کی صورت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عقد میں آئیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پہلے ہوگئی اور آپؓ ثیّب (بیوہ) رہ گئیں۔

خواتین مُبارکہ

اعتراض نمبر ۱۶ :۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے :۔

"اس عاجز نے ۲۰؍ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں یہ پیشگوئی خدا کی طرف سے بیان کی تھی کہ اس نے مجھے بشارت دی ہے کہ بعض بابرکت عورتیں اس اشتہار کے بعد تیرے نکاح میں آئیں گی اور اُن سے اولاد پیدا ہوگی۔" (تبلیغ رسالت جلد ۱ صـ۸۹ مجموعہ اشتہارات جلد ۱ صـ۴۳۰)

اس پر اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اُم المومنین نصرت جہان بیگم رضی اللہ عنہا کے بعد آپؑ کے نکاح میں کوئی اور خاتون نہیں آئی؟

الجواب :۔ تبلیغ رسالت کی عبارت کے الفاظ اجتہادی ہیں۔ الہامی الفاظ جو

٢٠ فروری ١٨٨٦ء کے اشتہار میں درج ہیں یوں ہیں :-

"اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے بعض کو اس کے بعد پائیگا تیری
نسل بہت ہوگی۔"

ان الہامی الفاظ میں یہ ہرگز معیّن نہیں کیا گیا تھا کہ یہ خواتین مبارکہ آپؑ کے نکاح میں آئیں گی۔ نکاح میں آنا صرف آپؑ کا اجتہاد تھا جس کی تصحیح ١٦ فروری ١٩٠٦ء کے الہام "تَکْفِیْکَ ھٰذِہٖ لِاِمْرَأَتِہٖ" نے کر دی کہ اور کوئی عورت آپؑ کے نکاح میں نہیں آئے گی۔

پس یہ خواتین مبارکہ بہ رُوئے واقعات اس الہام کی روشنی میں وہ خواتین مبارکہ ہیں جو آپؑ کی زندگی میں آپ کی اولاد کے گھر آئیں جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی نسل کو بہت بڑھایا فالحمد للہ علیٰ ذٰلِکَ۔

زَلْزَلَۃُ السَّاعَۃِ کے متعلق اعتراض کا جواب

اعتراض نمبر ١٧ مرزا صاحبؑ نے ایک زلزلہ نمونہ قیامت کی پیشگوئی کی تھی پھر اسکے متعلق اپنا ایک الہام بتایا تھا :- "رَبِّ اَخِّرْ وَقْتَ ھٰذَا اَخَّرَہُ اللّٰہُ اِلٰی وَقْتٍ مُّسَمًّی" کہ اے خدا بزرگ زلزلہ کے ظہور میں کسی قدر تاخیر کر دے۔ خدا نمونہ قیامت زلزلہ کے ظہور میں ایک وقت

مقرر تک تاخیر کر دیگا۔"

(حقیقۃ الوحی ص١٠١)

اور پھر یہ بھی الہام بتایا تھا:- "رَبِّ لَا تُرِنِیْ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ"۔ (تذکرہ ص٦)

یہ الہام ٩ مارچ ١٩٠٦ء کو ہوا پھر اس کے بعد ٩ اپریل ١٩٠٦ء کا الہام بتایا ہے:- "رَبِّ اَرِنِیْ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ۔ یُرِیْکُمُ اللّٰہُ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ اُرِیْکَ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ"۔

(تذکرہ ص٦٩)

گو زلزلہ میں تاخیر ہو گئی تھی مگر اس آخری الہام کے مطابق یہ زلزلہ مرزا صاحب کی زندگی میں آنا چاہیئے تھا۔ اعتراض یہ ہے کہ آپؑ کی زندگی میں کوئی ایسا زلزلہ نہیں آیا؟

الجواب :- وہ زلزلہ جس کے نہ دیکھنے کے متعلق الہام ہوا تھا اور جس میں تاخیر ڈال دی گئی تھی وہ ایسا زلزلہ تھا جس کا تعلق عینی رؤیت سے تھا اس کے ظہور کے وقت کو خدا نے "اَخَّرَہُ اللّٰہُ اِلٰی وَقْتٍ مُّسَمًّی" کہکر غیر معیّن کر دیا اور "رَبِّ لَا تُرِنِیْ" کے الہامی الفاظ سے یہ بتایا کہ اس میں اتنی تاخیر ہو جائے گی کہ آپؑ اسے اپنی ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھیں گے۔

پس ان الہامات کے بعد ٩ اپریل کو جس زلزلہ کے "رَبِّ اَرِنِیْ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ اُرِیْکَ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ" کے الفاظ میں دکھانے کا وعدہ تھا اس کا تعلق رؤیت کشفی سے

تھا اور آپؑ کو وہ زلزلہ کشفاً دکھایا گیا۔ چنانچہ ۱۱ر جون ۱۹۰۶ء کے الہامات میں درج ہے:۔

"ایک زلزلہ کا نظارہ دکھائی دیا اور ساتھ ہی اس کے الہام ہوا

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۲۴ مورخہ ۱۴ر جون ۱۹۰۶ء والحکم ۷ار جون ۱۹۰۶ء تذکرہ نیا ایڈیشن صفحہ ۶۲۵)

کشفی نظارہ میں جو زلزلہ آپؑ کو دکھایا گیا تھا وہ ایک تعبیر چاہتا تھا لہذا "یُرِیْکُمُ اللّٰہُ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ" کے الہام میں قوم کے لیے اس زلزلہ کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کی پیشگوئی تھی۔ چنانچہ یہ زلزلہ عظیمہ بصورت جنگِ عظیم حضرت خلیفہ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں نے مشاہدہ کیا اس کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نظم میں لکھا تھا:

وحیِ حق کے ظاہری لفظوں میں ہے وہ زلزلہ
لیک ممکن ہے کہ ہو وہ اور ہی قسموں کی مار (تذکرہ صفحہ ۵۴۱)

اور تذکرہ صفحہ ۵۳۹ پر مذکور نظم میں لکھا ہے:۔

مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جن و انس
زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۲۰)

اس زلزلہ کے متعلق آپؑ نے یہ نوٹ بھی دیا:۔

"خدا تعالیٰ کی وحی میں زلزلہ کا بار بار لفظ ہے اور فرمایا کہ ایسا زلزلہ ہوگا جو نمونۂ قیامت ہوگا...... لیکن میں ابھی تک اس زلزلہ کو قطعی یقین کے ساتھ ظاہر پر جما نہیں سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ معمولی زلزلہ نہ ہو۔ **بلکہ کوئی شدید آفت ہو جو قیامت کا نمونہ دکھلا دے** جس کی نظیر کبھی اس زمانہ نے نہ دیکھی ہو اور جانوں اور مالوں پر سخت تباہی آوے ہاں اگر ایسا فوق العادت نشان ظاہر نہ ہوا اور لوگ کھلے طور پر اپنی اصلاح بھی نہ کریں تو اس صورت میں مَیں کاذب ٹھہرونگا۔"

براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۲۰ حاشیہ و تذکرہ نیا ایڈیشن صفحہ ۵۴۱)

نظم میں زلزلہ کی یہ پیشگوئی ان اشعار میں ۱۵ اپریل ۱۹۰۵ء کو کی گئی اور ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۷، صفحہ ۹۸ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے متعلق لکھا کہ:۔

اگر خدا تعالیٰ نے اس آفت شدیدہ کے ظہور میں بہت ہی تاخیر ڈال دی تو زیادہ سے زیادہ سولہ سال ہیں ...... بہرحال وہ سولہ سال

سے تجاوز نہیں کریگا "۔

۱۸ ر اکتوبر ۱۹۰۵ء کو حضورؑ نے رؤیا دیکھا :۔

" ایک شخص نے مجھے کنوئیں کی ایک کوری ٹنڈ میں ٹھنڈا پانی دیا پھر الہام ہوا " آبِ زندگی " اس کے بعد الہام ہوا قَلَّ مِيعَادُ رَبِّكَ پھر الہام ہوا۔ خدا کی طرف سے سب پر اُداسی چھا گئی "۔

(بدر ۲۰ ر اکتوبر ۱۹۰۵ء والحکم ۲۴ ر اکتوبر ۱۹۰۵ء)

پھر ریویو دسمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴۸۰ پر یہی رؤیا یوں درج ہوئی۔

" چند روز کا رؤیا ہے کہ ایک کوری ٹنڈ میں کچھ پانی مجھے دیا گیا پانی صرف دو تین گھونٹ باقی اس میں رہ گیا ہے لیکن بہت مصفّٰی اور مقطّر پانی ہے اس کیساتھ الہام تھا آبِ زندگی "۔

۱۹۰۵ء کی اس رؤیا اور الہامات میں بتایا گیا ہے کہ آپؑ کی وفات قریب ہے دو تین سال عمر کے باقی ہیں اس کے بعد ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو آپؑ وفات پا گئے۔

یہ الہامات بتاتے ہیں کہ یہ زلزلہ عظیمہ جس کا سولہ سال میں ہونا آپؑ نے ظاہر فرمایا آپؑ کی زندگی میں آنے والا نہ تھا اگر زندگی میں آنے والا ہوتا تو میعاد تین سال تک ہی باقی جیسا کہ رؤیا میں ۲ دو ۳ تین گھونٹ پانی دکھایا گیا اور اُسے آبِ زندگی کہا گیا

اور بتایا گیا کہ آپؑ کی وفات کا وقت قریب آ رہا ہے۔

پس یہ زلزلہ جس میں تاخیر ڈالی گئی۔ آپؑ کی وفات والے الہامات سے ظاہر ہے کہ آپ کی زندگی میں اس کا دکھایا جانا مقدر نہ تھا۔ اسی لئے آپؑ کو یہ تفہیم ہوئی کہ یہ ۱۹۰۵ء سے لیکر سولہ ۱۶ سال کے عرصہ سے تجاوز نہیں کریگا۔ چنانچہ یہ زلزلہ ۱۹۱۴ء میں آگیا اور تین ۳ سال تک جاری رہا۔

دیکھو یہ خدا کا کتنا عظیم الشان نشان ہے جس میں زارِ روس کی تباہی کی پیشگوئی نہایت صفائی سے پوری ہو گئی ہے

" اک نشان کافی ہے گر دل میں ہو خوفِ کردگار "

ہم مکّہ میں مریں گے یا مدینہ میں

اعتراض نمبر ۱۸ :۔

مرزا صاحبؑ نے کہا تھا کہ :۔

" ہم مکّہ میں مرینگے یا مدینہ میں " مگر اُن کی وفات لاہور میں ہوئی لہٰذا یہ کتنا جھوٹ ہوا کہ " ہم مکّہ میں مرینگے یا مدینہ میں "؟

الجواب :۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی قول نہیں بلکہ الہام ہے۔

اس دن تین۳ الہام ہوئے :-

۱- كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ -

۲- سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ -

۳- ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں -

ان کے ترجمہ اور تشریح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں :

۱- "خدا نے ابتداء سے مقدر کر چھوڑا ہے -
کہ وہ اور اس کے رسول غالب رہیں گے -

۲- خدا کہتا ہے کہ سلامتی ہے یعنی خائب و خاسر کی طرح تیری موت نہیں ہوگی "

اور یہ کلمہ کہ ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں اسکے یہ معنی ہیں کہ قبل از موت مکی فتح نصیب ہوگی - جیسا کہ وہاں دشمنوں کو قہر کے ساتھ مغلوب کیا گیا تھا اسی طرح یہاں بھی دشمن قہری نشانوں سے مغلوب کئے جائیں گے - دوسرے یہ معنی ہیں کہ قبل از موت مدنی فتح نصیب ہوگی خود بخود لوگوں کے دل ہماری طرف مائل ہو جائیں گے فقرہ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ - مکہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور فقرہ

سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ مدینہ کی طرف "

(بدر ۱۹ جنوری ۱۹۰۶ء والحکم ۱۷ جنوری ۱۹۰۶ء مندرجہ تذکرہ ص ۵۹۱ نیا ایڈیشن)

کسی الہام کی تشریح میں ملہم کی اپنی تشریح کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس جگہ مکہ اور مدینہ کے لفظ مجازاً استعمال ہوئے ہیں نہ حقیقتاً - اور مجازی استعمال میں بڑی وسعت ہے مجاز میں کبھی جگہ کا ذکر کر کے اس کے مکین مراد ہوتے ہیں اور کبھی جگہ کا ذکر کر کے اس جگہ کی حالت مراد ہوتی ہے یہ دونوں صورتیں مجاز کی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا - (اعراف ۱۰۲)

کہ ان بستیوں کی یعنی ان بستیوں کے مکینوں کی آئندہ کی حالت تجھ پر بیان کرتے ہیں اس آیت میں قریہ سے مکین قریہ مراد ہیں -

دوسری آیت میں فرماتا ہے -

" وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ "

(اعراف آیت ۱۶۴)

اور مراد یہ نہیں کہ قریہ والوں سے پوچھ بلکہ قریہ بول کر دراصل قریہ والوں کی حالت کا دریافت کرنا مراد ہے -

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

"اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ" "مَیں علم کا شہر ہوں"

مُراد یہ ہے کہ شہر کی بھرپور حالت کی طرح میری علمی حالت ہے یعنی مَیں علم سے بھرپور ہوں۔

کبھی کربلا کا لفظ بول کر کربلا کی حالت یعنی مصیبت مراد ہوتی ہے جیسا کہ علامہ نوعی کہتے ہیں:۔

کربلائے عشقم و لب تشنہ سرتاپائے من
صد حسینے کشتہ در ہر گوشہ صحرائے من

کہ مَیں عشق کی کربلا ہوں سرتاپا تشنہ لب
سَو حسین میرے صحرا کے ہر گوشہ میں موجود ہیں"

اعتراض نمبر ۱۹:۔ معترض کہتے ہیں کہ حقیقۃ الوحی میں مرزا صاحب کا الہام لکھا ہے:۔

"آسمان سے کئی تخت اُترے پر تیرا تخت سب سے اونچا بچھایا گیا"

اس طرح تمام نبیوں سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا گیا؟

الجواب:۔ اس الہام میں نبیوں سے افضل ہونے کا دعویٰ نہیں کیا گیا بلکہ اپنے زمانے کے ذوی الاقتدار لوگوں سے اور سربراہانِ مملکت سے رُوحانی اقتدار میں بڑھکر ہونے کا دعویٰ ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ زمانہ کے امام کی رُوحانی حکومت

اس زمانہ کی تمام مادی حکومتوں سے اپنی شان میں بڑھکر ہوتی ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اور الہام ہے جو اسکا مؤید ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ:۔

"مَیں تجھے برکت پر برکت دُونگا یہانتک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے" (برکات الدعا صفحہ ۳۰ و تذکرہ صفحہ ۱)

پھر فرماتے ہیں:۔

"عالم کشف میں مجھے وہ بادشاہ دکھلائے گئے جو گھوڑوں پر سوار تھے اور کہا گیا کہ یہ ہیں جو گردنوں پر تیری اطاعت کا جُوا اُٹھائیں گے اور خدا انہیں برکت دیگا" (تجلیات الٰہیہ حاشیہ صفحہ ۲۱ و تذکرہ صفحہ ۱)

ان الہامات کی روشنی میں زیرِ بحث "تخت" والا الہام اپنے اندر پیشگوئی کی شان بھی رکھتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ بہت سے ملکوں کے بادشاہ آپ کے روحانی اقتدار کے نیچے آ جائیں گے اور آپ کی بیعت میں داخل ہو جائیں گے اس سے ثابت ہو جائیگا کہ آپ کا تخت سب سے اونچا بچھایا گیا۔ پس فرمایا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ؎

"مُلکِ رُوحانی کی شاہی کی نہیں کوئی نظیر
گو بہت دنیا میں گذرے ہیں امیر و تاجدار"

(بحوالہ دُرِّثمین اردو صفحہ ۱۳۲ جدید ایڈیشن)

مولوی ثناءاللہ صاحب کا مباہلہ کرنے سے انکار

اعتراض نمبر ۲ :۔ بعض مخالفین احمدیت کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحبؑ نے بد دعا کی تھی کہ خدا مجھ میں اور مولوی ثناءاللہ میں فیصلہ کر دے اور جھوٹے کو سچے کی زندگی میں ہلاک کر دے اور اس دُعا کے متعلق یہ بھی ظاہر کیا کہ مجھے الہام ہوا ہے :۔

" اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۔"

لہٰذا مرزا صاحبؑ کا مولوی ثناءاللہ صاحب سے پہلے وفات پا جانا ان کے اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہونے کی دلیل ہے ؟

الجواب :۔ واضح ہو کہ جس خط کی تحریر کا ایسے معترضین ذکر کرتے ہیں وہ اس سے پہلے بیانات کے سلسلہ کے لحاظ سے دُعائے مباہلہ کا مسودہ تھی نہ کہ یکطرفہ دُعا کیونکہ اس میں سنت اللہ کے موافق خدا تعالیٰ سے یہ فیصلہ چاہا گیا تھا کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو۔ اس لیے جو خط مولوی ثناءاللہ صاحب کی طرف لکھا گیا تھا اس کا عنوان "مولوی ثناءاللہ صاحب کیساتھ آخری فیصلہ" قرار دیا تھا نہ کہ مولوی ثناءاللہ صاحب کے متعلق آخری فیصلہ۔

آخری فیصلہ بذریعہ بد دُعا اسلام میں مباہلہ کی صورت میں ہی ہوتا ہے۔

جس میں دوسرے فریق کی منظوری اور اس کی طرف سے بد دعا کا ہونا ضروری ہوتا ہے مولوی ثناءاللہ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس خط کو اپنے اخبار اہلحدیث ۲۶ ؍اپریل ۱۹۰۷ء میں شائع کر کے اس کی منظوری سے انکار کر دیا لہٰذا یہ یک طرفہ تحریر اب مولوی ثناءاللہ صاحب کے اس بیان کردہ طریق فیصلہ کو منظور نہ کرنے کی وجہ سے حجت نہیں رہی۔ لہٰذا اعتراض باطل ہے اس خط کا مضمون یہ ہے :۔

مولوی ثناءاللہ صاحب کیساتھ آخری فیصلہ

بخدمت مولوی ثناءاللہ صاحب !

السلام علی من اتبع الھدیٰ

مدت سے آپ کے پرچہ اہلحدیث میں میری تکذیب و تفسیق کا سلسلہ جاری ہے ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود، کذاب، دجال، مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذاب اور دجال ہے اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سراسر افترا ہے میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں حق کے پھیلانے کے لیے مامور ہوں اور آپ بہت سے افترا میرے پر کر کے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں اور مجھے ان گالیوں اور ان تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں

کہ جس سے بڑھکر کوئی لفظ سخت نہیں ہو سکتا اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کیساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تا خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سُنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں۔ آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئی تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر و قدیر جو علیم و خبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور

کذاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دُعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے اُن کو اور اُن کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔

مگر اے میرے کامل اور صادق خدا! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی انکو نابود کر مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے۔ بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے رُو برُو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے آمین یا رب العالمین۔ میں ان کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گزر گئی وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لیے سخت نقصان رساں ہوتا ہے اور انہوں نے ان تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ پر بھی عمل نہیں کیا اور تمام دنیا سے

مجھے بدتر سمجھ لیا اور دُور دُور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مفسد اور ٹھگ اور دوکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بدآدمی ہے سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بد اثر نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناءاللہ انہیں تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے اس لیے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور مولوی ثناءاللہ میں سچا فیصلہ فرما اور جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھالے یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ۔ آمین

بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ وہ میرے اس تمام مضمون

کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

الـــــــراقم

عبداللہ الصمد میرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ وایّد۔

مرقومہ ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء یکم ربیع الاوّل ۱۳۲۵ھ ہجری"

(ملاحظہ ہو اہلحدیث ۲۶ ص ۵)

خط کے آخر میں لکھا گیا تھا کہ "مولوی ثناءاللہ صاحب جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔" مراد یہ تھی کہ منظور کرلیں تو مباہلہ کی سنت کے مطابق خدا تعالیٰ فیصلہ فرما دیگا۔

اس خط کو اپنے اخبار میں چھاپنے کے بعد مولوی صاحب نے اپنے جواب میں لکھا۔

۱۔ "اس دُعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کردیا"

۲۔ "اس مضمون کو بطور الہام شائع نہیں کیا گیا بلکہ کہا ہے کہ یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشگوئی نہیں بلکہ محض دُعا کے طور پر ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا اگر تم مر گئے تو تمہارے دام افتادہ جس کم جہاں پاک یہ کہہ کر

عذر کر دینگے کہ حضرت صاحب کا یہ الہام نہیں تھا بلکہ محض دُعا تھی یہ بھی کہہ دیں گے کہ دعائیں تو بہت سے نبیوں کی قبول نہیں ہوئیں۔ دیکھو حضرت نوحؑ کی دعا قبول نہ ہوئی۔ الخ "

۳۔ "میرا مقابلہ تو آپ سے ہے۔ اگر مَیں مر گیا تو میرے مرنے سے اور لوگوں پر کیا حجت ہو سکتی ہے جب کہ (بقول آپ کے) مولوی غلام دستگیر قصوری مرحوم، مولوی اسماعیل علیگڑھی مرحوم، ڈاکٹر ڈوئی امریکن اسی طرح مر گئے تو کیا لوگوں نے آپ کو سچّا مان لیا۔ ٹھیک اسی طرح اگر یہ واقعہ بھی ہو گیا تو کیا نتیجہ۔"

اسی مضمون میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے آخر میں یہ بھی لکھا:۔

"مختصر یہ کہ میں تمہاری درخواست کے مطابق حلف اٹھانے کو تیار ہوں اگر تم اس حلف کے نتیجے سے مجھے اطلاع دو اور یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کر سکتا ہے۔"

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے تجویز کردہ فیصلہ کو کہ "جھوٹا سچّے کی زندگی میں ہلاک ہو" قبول نہیں کیا تھا اور اُسے بے نتیجہ قرار دیا تھا اور مضمون کے شروع میں اہلحدیث کے ص۳ پر صاف لکھا تھا:۔

"کرشن جی نے خاکسار کو مباہلہ کے لیے بُلایا۔ جسکا جواب اہلحدیث ۱۹ اپریل میں مفصّل دیا گیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مَیں حسب اقرار خود تمہارے کذب پر حلف اُٹھانے کو تیار ہوں بشرطیکہ تم یہ پہلے بتلا دو کہ اس حلف کا نتیجہ کیا ہوگا اس کے جواب میں کرشن جی نے ایک اشتہار دیا جو بقول شخصے سوال از آسمان جواب از ریسمان۔ پھر اس پر طُرّہ یہ کہ اس اشتہار کو اہلحدیث میں درج کرنے کی ہم سے درخواست کی۔"

مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ اس اشتہار سے پہلے فریقین میں مباہلہ کی گفتگو جاری تھی اور مولوی ثناء اللہ صاحب مباہلہ یعنی بالمقابل بد دُعا سے گریز کر رہے تھے اور صرف حلف اُٹھانے کو تیار ہو رہے تھے اور جب پندرہ اپریل کا خط انہوں نے ۲۶ر اپریل ۱۹۰۷ء کے اہلحدیث میں شائع کیا تو بد دعا کے ذریعہ طریق فیصلہ کو فیصلہ کُن نہ جانا اور اس کی منظوری نہ دی۔ خط کا عنوان "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ چاہتے تھے کہ مولوی صاحب اس کا جواب دیں تا کہ باہمی فیصلہ ہو۔ چونکہ مولوی صاحب نے اس کو منظور کرنے سے انکار کر دیا اس لیے اب اس خط کو فیصلہ کُن

قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اگر اس کے مطابق فیصلہ ہوا اور مولوی ثناء اللہ صاحب کی وفات پہلے ہو جاتی تو ان کے ہوا خواہ فوراً یہ کہہ سکتے تھے کہ ہمارے مولوی صاحب نے تو اس طریق فیصلہ کو مانا ہی نہیں لہٰذا یہ ہم پر کیسے حجت ہو سکتا ہے اہلحدیث کے نائب ایڈیٹر نے خط کا مضمون پڑھکر بعض قرآنی آیات پیش کر کے لکھا:۔

"خدا تعالیٰ جھوٹے، دغاباز، مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی بُرے کام کرلیں۔ پھر تم کیسے من گھڑت اصول بتاتے ہو کہ ایسے لوگوں کو بہت لمبی عمر نہیں ملتی۔"

(اہلحدیث ۲۶ر اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۴ حاشیہ)

نائب ایڈیٹر کی یہ تحریر بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر کو فیصلہ کُن قرار دینے سے انکار پر مشتمل ہے مولوی ثناء اللہ صاحب کو یہ تحریر مسلم ہے پس جب دوسرے فریق نے اس طریق فیصلہ کو مانا ہی نہیں بلکہ اس کو رد کر دیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام "قَرُبَ اَجَلُكَ الْمُقَدَّرُ" کے مطابق وفات دیکر اپنے حضور بلا لیا اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اُن کے نائب ایڈیٹر کے پیش کردہ مضمون کے مطابق مہلت دیدی۔

عجیب بات ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کی زندگی میں یہ طریق فیصلہ کُن نہیں تھا لیکن جب آپؑ کی وفات اپنے الہامات کے مطابق وقوع میں آ گئی تو اب مولوی ثناء اللہ صاحب کے نزدیک ۱۵ر اپریل ۱۹۰۷ء والا خط فیصلہ کُن بن گیا حالانکہ وہ پہلے لکھ چکے تھے کہ:۔

"اسے کوئی دانا منظور نہیں کر سکتا"

اب یہ فیصلہ کرنا سلیم الفطرت اصحاب پر منحصر ہے کہ مولوی صاحب کی پہلی تحریریں دانائی پر مشتمل تھیں یا بعد کی تحریریں دانائی پر مشتمل ہیں ہم تو صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی نامنظوری کی وجہ سے یہ تحریر فیصلہ کُن نہیں رہی تھی اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی وفات آپ کی دوسری پیشگوئیوں کے مطابق ہوئی ہے اس تحریر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف لکھ دیا تھا کہ یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں بلکہ سنت اللہ کے مطابق فیصلہ چاہا گیا تھا اور سنت اللہ میں فیصلہ کُن طریق مباہلہ ہی ہو سکتا ہے لہٰذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر اس تحریر کو یکطرفہ دعا قرار دینا انصاف کا خون کرنا ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اسی سلسلہ میں ایک سوال کے جواب لکھا:۔

"یہ کہاں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اعداء ان کی زندگی میں ہلاک ہو گئے تھے؟"

ہزاروں اعداء آپؐ کی وفات کے بعد زندہ رہے ہاں جھوٹا مباہلہ کرنے والا سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہوا کرتا ہے ایسے ہی ہمارے مخالف بھی مرنے کے بعد زندہ رہیں گے ہم تو ایسی باتیں سن کر حیران ہو جاتے ہیں۔ دیکھو ہماری باتوں کو کیسے اُلٹ پلٹ کر کے پیش کیا جاتا ہے اور تحریف کرنے میں وہ کمال کیا ہے کہ یہودیوں کے بھی کان کاٹ دیئے ہیں۔ کیا کسی نبیؑ، ولیؒ، قطبؒ، غوثؒ کے زمانہ میں ایسا ہوا کہ سب اعداء مر گئے ہوں بلکہ کافر منافق باقی رہ گئے تھے ہاں اتنی بات صحیح ہے کہ سچے کیساتھ جو جھوٹے مباہلہ کرتے ہیں وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہوتے ہیں ایسے اعتراض کرنے والے سے پوچھنا چاہیئے۔ ہم نے کہاں لکھا ہے کہ بغیر مباہلہ کرنے کے ہی جھوٹے سچے کی زندگی میں تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں وہ جگہ تو نکالو۔ جہاں یہ لکھا ہے" (الحکم ۱۰/اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۹)

یہ عبارت مولوی ثناء اللہ صاحب کے نام ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء کے خط سے بعد کے زمانہ کی ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدسؑ صرف مباہلہ واقعہ ہونے کی حالت میں کاذب کا صادق کی زندگی میں مرنا ضروری قرار دیتے ہیں ورنہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو یہ حقیقت مسلم ہے کہ صادق کے وفات پا جانے کے بعد اکثر منکر باقی رہتے ہیں چونکہ

مولوی ثناء اللہ صاحب کے انکار از مباہلہ اور عدم منظوری کی وجہ سے مباہلہ وقوع میں نہ آیا اس لیے حضرت اقدسؑ کا ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء والا خط محض مباہلہ کے لیے ایک ڈرافٹ (مسودہ) کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں مذکورہ دعا صرف اس صورت میں فیصلہ کن اور نتیجہ خیز قرار دی جا سکتی تھی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اس طریق فیصلہ کو منظور کر لیتے، لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا پس اس خط والی تحریر کو اب زیر بحث لانا ہرگز درست نہیں۔ یہ کوئی یکطرفہ دعائے ہلاکت نہ تھی اور نہ ہلاکت کی کوئی پیشگوئی تھی۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کو خود مسلم ہے (جیسا کہ پہلے بیان ہوا) کہ "یہ کسی وحی یا الہام کی بناء پر پیشگوئی نہیں" لیکن عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ۱۴/اپریل ۱۹۰۷ء کے ایک الہام "اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ" کو معترضین اس خط سے متعلق قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ اس الہام کا مطلب یہ تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق ۱۴/اپریل ۱۹۰۷ء سے پہلے جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس کے مطابق اگر وہ اس فیصلہ پر مستعد ہوئے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جائے تو وہ ضرور پہلے مریں گے مگر وہ تو اس پر مستعد ہی نہ ہوئے حالانکہ اس سے پہلے جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ علم ہوا کہ وہ ایسے فیصلہ کے لیے تیار نہیں تو آپ نے اپنی کتاب "اعجاز احمدی" میں لکھا ہے:

"میں نے سنا ہے بلکہ مولوی ثناء اللہ کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے جس میں وہ درخواست کرتا ہے کہ میں (ثناء اللہ) اس طور کے فیصلہ کے لیے بدل خواہشمند ہوں کہ فریقین دعا کریں کہ جو شخص ہم میں سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہی مر جاوے ..... پس ہمیں کوئی انکار نہیں کہ وہ ایسا چیلنج دیں کیونکہ ان کا یہی چیلنج ہی فیصلہ کے لیے کافی ہے مگر شرط یہ ہوگی کہ کوئی موت قتل کی رو سے واقعہ نہ ہو بلکہ بعض بیماری کے ذریعہ سے ہو مثلاً طاعون سے یا ہیضہ سے یا کسی اور بیماری سے تا ایسی کارروائی حکام کے لیے پریشانی کا موجب نہ ہو"

(اعجاز احمدی صفحہ ۱۴ ۱۵)

پس ۱۴ اپریل ۱۹۰۷ء والے الہام "اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ" کے سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لکھنا:۔

"ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے دراصل یہ ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہی اس کی بنیاد رکھی گئی"

کا تعلق ان پہلی تحریروں سے ہے جو مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق لکھی گئی تھیں ان کے مطابق اگر مباہلہ وقوع میں آجاتا تو پھر دونوں فریق میں سے کسی کی

ہلاکت اس کے خلاف فیصلہ کن ہوتی۔

جب مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مرزا صاحب ؑ کو مباہلہ کے لیے مستعد پایا تو جان بچانے کی خاطر لکھا:۔

"چونکہ یہ خاکسار نہ واقعہ میں اور نہ آپ کی طرح نبی یا رسول یا ابن اللہ یا الہامی ہے اس لیے ایسے مقابلہ کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

(الہامات مرزا بار دوم صفحہ ۸۵)

جب مولوی ثناء اللہ صاحب کے اپنوں نے دیکھا کہ وہ چیلنج سے پھر گئے ہیں جسے حضرت اقدسؑ نے اعجاز احمدی میں قبول کر لیا تھا اور ان کے ساتھیوں نے ان پر کچھ گرفت کی تو ان کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لیے پھر ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء کو اپنے پرچہ اہلحدیث میں لکھا:۔

"مرزائیو! سچے ہو تو آؤ اور اپنے گرو کو ساتھ لاؤ ......

انہیں ہمارے سامنے لاؤ۔ جس نے ہمیں رسالہ انجام آتھم میں دعوتِ مباہلہ دی ہوئی ہے"

اس پر بدر کے ایڈیٹر صاحب نے اخبار بدر ۴ اپریل میں لکھا:۔

"میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو بشارت دیتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحبؑ

نے ان کے اس چیلنج کو منظور کر لیا ہے وہ بے شک قسم کھا کر بیان کریں
کہ یہ شخص اپنے بیان میں جھوٹا ہے اور بے شک یہ کہیں کہ اگر میں
اس بات میں جھوٹا ہوں تو لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْن
اور اس کے علاوہ اُن کو اختیار ہے کہ جھوٹا ہونے کی حالت میں
ہلاکت وغیرہ کے لیے جو عذاب اپنے لیے چاہیں مانگیں ....
اگر آپ اس بات پر راضی ہیں کہ بالمقابل کھڑے ہو کر زبانی مباہلہ
ہو تو پھر آپ قادیان آ سکتے ہیں اور اپنے ساتھ دس تک آدمی لا
سکتے ہیں اور ہم آپ کا زادِ راہ آپ کے یہاں آنے اور مباہلہ کرنے
کے بعد پچاس روپے تک دے سکتے ہیں، لیکن یہ امر ہر حال
میں ضروری ہوگا کہ مباہلہ کرنے سے پہلے فریقین میں شرائط تحریر
ہو جائیں گے اور الفاظِ مباہلہ تحریر ہو کر اس تحریر پر فریقین اور
اس کے ساتھ گواہوں کے دستخط ہو جائیں گے۔"

(بدر ۴ر اپریل ۱۹۰۷ء)

اس کے جواب میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے ۱۲ر اور ۱۹ر اپریل ۱۹۰۷ء
کے پرچہ میں (اکٹھا شائع ہوا) لکھا۔

"میں نے آپ کو مباہلہ کے لیے نہیں بلایا۔ میں نے تو قسم کھانے پر
آمادگی کی ہے مگر آپ اس کو مباہلہ کہتے ہیں حالانکہ مباہلہ اس کو
کہتے ہیں کہ فریقین مقابلہ پر قسمیں کھائیں۔ میں نے حلف اٹھانا کہا
ہے مباہلہ نہیں کہا قسم اور ہے اور مباہلہ اور۔"

دیکھئے مولوی ثناء اللہ صاحب پھر مباہلہ سے فرار کر رہے ہیں۔ حالانکہ انہوں
نے اپنے چیلنج میں صاف لکھا تھا۔

"انہیں ہمارے سامنے لاؤ جن نے ہمیں رسالہ انجام آتھم
میں دعوت مباہلہ دی ہوئی ہے۔"

مگر جب حضرت اقدسؑ کی طرف سے مباہلہ کا چیلنج منظور کیا گیا۔ تو وہ
طرح دے گئے کہ میں نے قسم کھانے پر آمادگی کی ہے نہ کہ مباہلہ پر۔ مباہلہ میں تو فریقین
قسم کھاتے ہیں۔

حضرت اقدسؑ نے اُن کے اس طریق کار سے یہ تاثر لیا کہ مولوی ثناء
اللہ صاحب نہ تو کھل کر مباہلہ سے انکار کرتے ہیں اور نہ اس کے لیے آمادہ نظر آتے ہیں
اس لیے آپؑ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کی اس پوزیشن کو واشگاف کرنے کے لیے ۱۵،
[illegible] ایک کھلا خط بعنوان مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے نام لکھی اور شائع کی تھی۔ اس میں سنت اللہ کے موافق اپنی طرف سے دعائے مباہلہ کا مضمون لکھ دیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں طاعون، ہیضہ وغیرہ امراض سے ہلاک ہو۔

مولوی ثناء اللہ صاحب نے مباہلہ میں بد دعا کے طریق فیصلہ کو کھلے طور پر نامنظور کر کے واضح کر دیا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بالمقابل مباہلہ کے لیے تیار نہیں اور اس طریق فیصلہ سے پورے طور پر گریز کر چکے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات جب آپؑ کے الہامات مندرجہ الوصیت وغیرہ کے مطابق ہو گئی تو اب اس خط کے مضمون کو مولوی ثناء اللہ صاحب کی نامنظوری کے باوجود آپؑ کے خلاف حجت قرار دینا صریح انصاف کا خون ہے۔

میر ناصر نواب صاحب کی روایت

اس موقعہ پر حضرت اقدسؑ کی وفات کے موقعہ پر میر ناصر نواب صاحب کی ایک روایت بھی نقل کرتے ہیں:-

جب میں حضرت صاحبؑ کے پاس پہنچا اور آپؑ کا حال دیکھا تو آپ نے مجھے فرمایا میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے۔

یہ خبر واحد صحیح نہیں کیونکہ یہ واقعات کے [illegible]

ہو کر آپ کی وفات پر آپؑ کے معالج ڈاکٹر سدرلینڈ پرنسپل میڈیکل کالج لاہور نے اپنے سرٹیفکیٹ میں لکھا تھا کہ آپؑ کی وفات اعصابی اسہال کی بیماری سے ہوئی ہے۔ جو اطباء آپؑ کے معالج تھے وہ سب ڈاکٹر سدرلینڈ کی رائے سے متفق تھے لہذا روایت میں یہ غلطی معلوم ہوتی ہے کہ میر ناصر نواب صاحب نے وبائی ہیضہ کے متعلق حضرت اقدسؑ کے استفہامیہ جملے کو جملۂ خبریہ سمجھ لیا ہوگا اور آپؑ یہ فقرہ کہہ ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ لاہور میں اُن دنوں وبائی ہیضہ نہ تھا۔

لہذا یہ جملہ بطور جملۂ خبریہ صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق نہیں۔ پس آپؑ کی بیماری کی صحیح تشخیص وہی ہے جو ڈاکٹروں نے کی اور وہ پرانی اعصابی تکلیف کا دورہ تھا جس کے نتیجہ میں اسہال سے آپؑ کی وفات ہوئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

کرم خاکی ہوں والے شعر کی تشریح

اعتراض نمبر ۲:- مرزا صاحب نے اپنے آپ کو انسان بھی قرار نہیں دیا۔ بلکہ کرم خاکی کہا ہے اور جائے نفرت بھی۔ تو وہ نبی کیسے ہو گئے۔ ان کا مشہور شعر ہے ؎

"کرم خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار"

الجواب:- یہ شعر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انکسار اور تواضع کی منہ بولتی تصویر ہے۔ عجیب بات ہے کہ تواضع اور انکسار تو مومن کا ہنر ہے مگر عیب چین نگاہ اُسے اپنے عدم بصیرت کی وجہ سے قابلِ اعتراض ٹھہراتی ہے۔

اسی قسم کے انکسار کا اظہار حضرت داؤد علیہ السلام کی مناجات میں بھی موجود ہے چنانچہ زبور ۲۲ آیت ۶ میں لکھا ہے:-

"پر میں کیڑا ہوں نہ انسان ۔ آدمیوں کا ننگ ہوں اور قوم کی عار"

کیا معترض حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بھی زبان درازی کریگا کہ وہ تو انسان ہی نہ تھے؟

خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:-

مَا تَوَاضَعَ عَبْدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ۔

جو بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کا اظہار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"لَا یَکْمُلُ اِیْمَانُ الْمَرْءِ حَتّٰی یَکُوْنَ النَّاسُ عِنْدَہٗ کَالْاَبَاعِرِ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلٰی نَفْسِہٖ فَیَرَاھَا اَصْغَرَ صَاغِرٍ۔"

ترجمہ:- "مومن کا ایمان کمال کو نہیں پہنچتا۔ یہاں تک کہ تمام لوگ اس کے نزدیک مینگنیوں کی طرح ہوں پھر وہ جو اپنے نفس کی طرف رجوع کرے تو اُسے سب سے چھوٹی چیزوں میں سے چھوٹا پائے۔"

(دیکھو عوارف المعارف مطبوعہ مصر ۱۲۹۲ھ ہجری جلد اوّل صفحہ ۱۲۷)

مینگنی تو کرم خاکی سے بھی حقیر ہے بلکہ اس میں تو کئی کرم خاکی جنم لیتے ہیں اور اس حدیث کے مطابق اگر مومن انکسار کرے اور اپنے آپ کو حقیر سے حقیر چیز سمجھے تو یہ اس کی رفعتِ درجات کا موجب ہوتا ہے نہ ذلت کا۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے آپ کو خدا کے حضور میں عبدِ ذلیل قرار دیا ہے۔

(دیکھو تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۱۸۱ مطبوعہ مصر)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ملاحظہ ہو:-

"اِنِّیْ ذَلِیْلٌ فَاَعِزَّنِیْ" کہ میں ذلیل ہوں مجھے عزت دے۔

(مستدرک للحاکم بحوالہ جامع الصغیر للسیوطی جلد ۱ باب الکاف مصری)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی پیدائش سے پہلی حالت کے پیشِ نظر صرف اپنے تئیں ہی کرمِ خاکی نہیں لکھا بلکہ آپ تو اپنے ایک شعر میں لکھتے ہیں ؎

اِنَّ الْمُهَيْمِنَ لَا يُحِبُّ تَكَبُّرًا
مِنْ خَلْقِهِ الضُّعَفَاءِ دُوْدِ فَنَاءٖ (انجام آتھم)

کہ خدا تعالیٰ اپنی ضعیف مخلوق سے تکبّر پسند نہیں کرتا جو فانی کیڑے ہیں۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کرمِ خاکی والے شعر کا مطلب حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح اپنی پیدائش سے پہلے کی حالت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہ ہے کہ میں کرمِ خاکی ہوں (بلحاظ اصل وضع) کے انسان بھی نہیں ہوں اور اس کرمِ خاکی ہونے کی حالت میں قابلِ نفرت وجود ہوں اور قابلِ شرم۔ پھر خدا کے فضل کا ذکر کرتے ہوئے آگے فرماتے ہیں ؎

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند
ورنہ درگاہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمتگذار
(براہین احمدیہ جلد پنجم ص ۱۰۶)

اور کرمِ خاکی والے شعر سے پہلے لکھتے ہیں:۔

تیرے کاموں سے مجھے حیرت ہے اے میرے کریم
کس عمل پر دی ہے مجھ کو خلعتِ قرب و جوار

اِن اشعار سے ظاہر ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے حضور بصورت مناجات ہیں۔

ایک دوسرے شعر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہا ہے:۔

؎ "کرمکے بودم مرا کردی بشر
من عجب تر از مسیح بے پدر" (ازالہ اوہام)

کہ اے خدا! میں تو ایک کیڑا تھا تو نے مجھے بشر بنا دیا۔ اور میرا معاملہ تو بے باپ مسیح سے بھی عجیب تر ہے۔"

اس شعر سے ظاہر ہے کہ آپ کرم سے بشر بن گئے اور اوپر کے شعروں سے ظاہر ہے کہ آپ بشر بھی ایسے بنے کہ خدا نے آپ کو خلعتِ قرب و جوار دی۔

کرمِ خاکی والی نظم میں ہی فرماتے ہیں:۔

؎ میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسماں سے وقت پر
میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

لطیفہ ایک مولوی صاحب نے ایک گفتگو میں کہا کہ مرزا صاحب تو ابھی چھوڑ انسان بھی نہیں اور پھر یہ شعر پیش کیا گیا۔ تو میں نے کہا کہ آپ نے اس شعر کے نئے معنے پیدا

کر دیئے ہیں آپ لوگ تو کہتے ہیں کہ مرزا صاحبؑ انسان بھی نہیں اور حضرت مرزا صاحبؑ خدا کے حضور شکایت کرتے ہیں کہ یہ لوگ تو مجھے انسان بھی نہیں سمجھتے اور مجھے محلِّ نفرت سمجھتے ہیں اور میرے وجود کو قوم کے لیے قابلِ شرم خیال کرتے ہیں، لیکن تیرے فضل و احسان نے مجھے پسند کر لیا اور مجھے "نورِ خدا" بنا دیا ہے۔

حدیث هٰذَا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِی

اعتراض نمبر ۲۲:- مرزا صاحبؑ نے شہادت القرآن صفحہ اوّل پر "هٰذَا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِی" کی حدیث کو بخاری کی طرف منسوب کیا ہے یہ حدیث بخاری میں موجود نہیں۔

الجواب:- حدیث کا حوالہ دینے میں بے شک سہو ہوا ہے مگر یہ حدیث مستدرک للحاکم میں انہی الفاظ میں موجود ہے نواب صدیق حسن خانصاحب نے بھی حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۶ پر اسے درج کیا ہے۔

پس ان الفاظ کا حدیث میں ہونا جھوٹ نہیں صحیح بخاری کی طرف منسوب ہونا البتہ سہو ہے۔

علامہ سندھی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:-

"كَمَا ذَكَرَهُ السِّيُوطِيُّ وَفِي الزَّوَائِدِ هٰذَا اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ رِجَالُهُ ثِقَاتٌ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ وَقَالَ هٰذَا صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ"

(حاشیہ ابن ماجہ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۶۹)

ترجمہ:- سیوطیؒ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے اور الزوائد میں ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور راوی ثقہ ہیں پھر امام حاکم نے اپنی مستدرک میں بھی اس کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق بھی صحیح ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ حدیث امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں کی شرطوں کے مطابق صحیح ہے لہٰذا بخاری کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کی جو وقعت ہو سکتی ہے اس میں کوئی کمی دونوں اماموں کی شرائط کے مطابق ہونے کی وجہ سے قرار نہیں دی جا سکتی۔

سہو کو جھوٹ قرار دینا ظلم عظیم ہے جھوٹ بولنے میں تو کوئی غرض مدِّنظر ہوتی ہے جب یہ روایت شیخین کی شرط پر صحیح ہے تو بخاری کی طرف نسبت سے اس کی جو غرض ہو سکتی ہے اس میں تو کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا حوالہ دینے میں اس قسم کا سہو تو کئی آئمہ اور علماء سے بھی سرزد ہوا ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی، علامہ خسرو،

ملّا عبدالحکیم تینوں نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ حدیث "یَکْثُرُ لَکُمُ الْحَدِیْثُ بَعْدِیْ۔ الیٰ آخر" امام بخاری نے اپنی صحیح میں درج کی ہے (تلویح شرح توضیح جلد ۱ صـ۲۶۱) مگر یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود نہیں چونکہ حدیث دراصل موجود ہے گو بخاری میں نہیں اس لیے ان تینوں بزرگوں کو حوالہ دینے میں سہو کا مرتکب تو قرار دیا جا سکتا ہے کاذب اور مفتری قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس سے بھی عجیب تر واقعہ امام ابن الربیع سے پیش آیا امام ملا علی القاری موضوعات کبیر صـ۴۴ پر لکھتے ہیں:۔

"خَیْرُ السُّوْدَانِ ثَلَاثَةٌ۔ لُقْمَانُ وَبِلَالٌ وَمُهْجَعٌ مَوْلیٰ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُ فِیْ صَحِیْحِہٖ عَنْ وَاثِلَۃَ ابْنِ الْاَسْقَعِ مَرْفُوْعًا۔ کَذَا ذَکَرَہُ ابْنُ الرَّبِیْعِ لٰکِنْ قَوْلُ الْبُخَارِیْ سَهْوُ قَلَمٍ اِمَّا مِنْ نَاقِلٍ اَوْ مِنَ الْمُصَنِّفِ فَاِنَّ الْحَدِیْثَ لَیْسَ مِنَ الْبُخَارِیْ وَالَّذِیْ فِی الْمَقَاصِدِ اِنَّمَا ھُوَ رَوَاہُ الْحَاکِمُ۔"

یعنی حدیث "خَیْرُ السُّوْدَانِ ثَلَاثَۃٌ۔ الخ" کے متعلق امام ابن الربیع نے یہ بیان کیا ہے کہ اسے بخاری نے روایت کیا ہے (امام ملا علی القاری فرماتے ہیں) لیکن بخاری کی طرف یہ بات منسوب کرنا سہو قلم ہے خواہ وہ ناقل کی طرف سے ہو یا مصنف کی طرف سے کیونکہ یہ حدیث صحیح بخاری میں نہیں ہے بلکہ جیسا کہ المقاصد میں مذکور ہوا اس حدیث کو صرف حاکم نے بیان کیا۔

جب یہ حوالہ جات پیش کئے جائیں تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ غیر نبی کا سہو ہے مرزا صاحب تو نبی تھے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ نسیان اور سہو انبیاء سے بھی سرزد ہو جاتا ہے خضر اور موسیٰ کے واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام خود اقرار کرتے ہیں:۔

"لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ۔" (سورۃ الکھف آیت ۷۴)

کہ میں بھول گیا ہوں مجھے مواخذہ نہ کرو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اَنْسیٰ کَمَا تَنْسَوْنَ۔"

(نبراس شرح الشرح العقائد صـ۳۹۲)

کہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں تمہاری طرح بھول بھی جاتا ہوں۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز دو رکعتیں

پڑھکر سلام پھیر دیا اس پر ذوالیدین کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا :-
"أَقُصِرَتِ الصَّلٰوةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَمْ نَسِيْتَ" کہ یا رسول اللہ نماز کی قصر ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
"كُلُّ ذَالِكَ لَمْ يَكُنْ" کہ دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی - اس پر ذوالیدین نے عرض کیا :-

"قَدْ كَانَ بَعْضُ ذَالِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ"۔

کہ اے رسول اللہ ان میں سے کچھ تو ہوا ہے - اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا :-
"أَصَدَقَ ذُوالْيَدَيْنِ" کیا ذوالیدین نے سچ کہا ہے - صحابہؓ نے کہا
"نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" کہ ہاں یا رسول اللہ صلعم - ذوالیدین نے سچ کہا ہے -

حدیث میں ہے :-

"فَأَتَمَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَقِيَ مِنَ الصَّلٰوةِ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ بَعْدَ التَّسْلِيْمِ"۔ (صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۱۵)

یعنی اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی نماز پوری کی۔

پھر سلام کے بعد بیٹھے ہوئے ۲ دو سجدے کئے - حضورؐ کا ۲ دو سجدے کرنے کا عمل سہو واقع ہونے کا عملی اعتراف ہے لہذا كُلُّ ذَالِكَ لَمْ يَكُنْ کا فقرہ بھی سہو پر ہی مبنی قرار دینا پڑیگا ۔

(دیکھئے صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ و باب تشبیک الاصابع جلد ۱ صفحہ ۶۴ مصری)

حدیث سے تکفیر مسیح کا ثبوت

اعتراض نمبر ۲۳ :- مرزا صاحب نے انجام آتھم صفحہ ۳ پر لکھا ہے کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ مسیح موعود کو کافر ٹھہرایا جائیگا۔ ایسی کوئی حدیث موجود نہیں -

الجواب :- یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بعض حدیثوں سے استنباط ہے چنانچہ "شہادت القرآن" صفحہ ۱۱ پر بھی آپؑ لکھتے ہیں :-

"پھر فرمایا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) کہ اس اُمت پر ایک آخری زمانہ آئیگا کہ علماء اس امت کے یہود کے مشابہ ہو جائیں گے اور دیانت اور تقوی اُن سے جاتی رہے گی اور جھوٹے فتوے اور مکاریاں اور منصوبے اُن کا شیوہ ہوگا۔"

اس اقتباس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں ایک زمانہ میں اُمّت کے یہود سے پورے طور پر مشابہ ہو جانے کا ذکر ہے چنانچہ ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَتَبِعْتُمُوْهُمْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى قَالَ فَمَنْ۔"

(بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۲۶ مصری)

ترجمہ: تم لوگ ضرور پہلے لوگوں کے طریق پر چلو گے جس طرح بالشت بالشت کے مطابق اور ہاتھ ہاتھ کے مطابق ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر اُن میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہے تو تم اُن کی اتباع کرو گے۔ ہم نے کہا یا رسول اللہؐ! یہود اور نصاریٰ مراد ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اور کون۔ یہود نے اپنے زمانہ کے مسیح کا انکار کیا تھا ان کی تکفیر کی تھی۔ انہیں مُرتد قرار دیا تھا اور بالآخر ان کو صلیب پر چڑھانے کی کوشش کی تھی۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہود سے مشابہت میں مسلمان علماء کی طرف سے بھی

اپنے زمانہ کے مسیح کی تکفیر ہونے والی تھی۔

غالباً ایسی ہی حدیثوں سے استنباط کر کے نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے:۔

"چون مہدی علیہ السلام مقاتلہ بر احیائے سُنّت و اماتتِ بدعت فرماید علماء وقت کہ خوگرِ تقلید فقہا و مشائخ و آباءِ خود باشند گویند این مرد خانہ بر انداز دین و ملّت ما است و بمخالفت برخیزند بحزند حسبِ عادت خود حکم بتکفیر و تضلیل وے کنند۔" (حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۳)

"کہ جب امام مہدی سنّت کو زندہ کرنے کے لیے اور بدعت کو مٹانے کے لیے جدّوجہد کریں گے تو علمائے وقت جو فقہاء اور مشائخ اور اباء کی تقلید کے عادی ہوں گے کہیں گے یہ شخص ہمارے دین و مذہب کا گھر برباد کرنے والا ہے اور مخالفت میں اُٹھ کھڑے ہوں گے اور اپنی عادت کے مطابق اسے کافر اور گمراہ قرار دیں گے۔"

مجدد صاحب سرہندی کا حوالہ متعلق نبوت

اعتراض نمبر ۲۴ :- مرزا صاحبؑ نے "حقیقۃ الوحی" ص ۳۹۰ پر مجدد صاحب سرہندی کے حوالہ سے یہ مضمون لکھا ہے کہ جس سے کثرت مکالمہ مخاطبہ ہو اُس کو نبی کہتے ہیں اُن کی ایسی کوئی عبارت موجود نہیں۔

الجواب :- مکتوبات جلد اوّل مکتوب ۳۱۰ ص ۴۴۶ میں وہ عبارت موجود ہے جس کا مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر کے مطابق ہے اسکا ترجمہ یہ ہے:-

"متشابہ (یعنی متشابہاتِ قرآنی) خدا تعالیٰ کے نزدیک تاویل پر محمول ہیں اور ظاہر سے پھر گئے ہیں اور علمائے راسخین کو خدا تعالیٰ اس تاویل کے علم سے ایک حصہ وافر عطا فرماتا ہے

چنانچہ علم غیب جو خدا تعالیٰ سے مخصوص ہے

اس پر خالص رسولوں کو اطلاع بخشتا ہے

اس تاویل کو ایسی تاویل خیال نہ کرنا جس رنگ میں یَدْ (ہاتھ) کی تاویل قدرت اور وجہ (چہرہ) کی تاویل ذات ہے۔

حاشا وکلّا یہ تاویل اسرار میں سے ہے جس کا علم اَخصّ خواص کو ہی عطا فرماتا ہے۔"

اس جگہ فارسی الفاظ یہ ہیں :-

"چنانچہ بر علم غیب کہ مخصوص باوست سُبحانہٗ تعالےٰ اَخَلَّصِ رسل را اطلاع می بخشد۔"

واضح ہو کہ حقیقۃ الوحی ص ۳۹۰ پر جو دو باتیں مذکور تھیں انہی دو باتوں کا ذکر اس حوالہ میں بھی مذکور ہے۔

اوّل :- بعض افرادِ اُمّت کو مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ نصیب ہونا۔

دوم :- رسولوں کی یہ خصوصیت کہ انہیں خدا کے خاص غیب پر اطلاع دی جاتی ہے۔

رسولوں کی یہ خصوصیت آیت "فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ" سے ہی اخذ کردہ معلوم ہوتی ہے جس میں رسول کے لیے اظہار علی الغیب یعنی کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع دیا جانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اظہار علی الغیب کا صلہ جب علی ہو اس سے مراد غلبہ دینا ہوتا ہے۔

پس رسول کو دوسرے ملہمین کے مقابل خدا اُمورِ غیبیہ پر غلبہ دیتا ہے یعنی ان کے مقابلہ میں رسولوں کو کثرت سے امورِ غیبیہ پر اطلاع دیتا ہے۔

گو مکتوبات میں کثرت کا لفظ نہیں، لیکن "چنانچہ بر علم غیب کہ مخصوص باوست سبحانہٗ تعالیٰ" کے فقرہ سے بکثرت اطلاع دیا جانا ہی مراد ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جس آیت سے یہ مضمون لیا گیا ہے اس میں کثرت شرط ہے۔

کسی صحیح حدیث میں مسیح کے نزول کیساتھ السّمَاء کا لفظ موجود نہیں

اعتراض نمبر ۲۵ :- مرزا صاحبؑ نے حمامۃ البشریٰ میں دعویٰ کیا ہے کہ مسیح کے متعلق کسی حدیث میں یہ لفظ نہیں کہ وہ آسمان سے اُترے گا۔ ان کی یہ بات غلط ہے کیونکہ احادیث میں مسیح کے نزول کیساتھ آسمان کا لفظ بھی موجود ہے۔

الجواب :- حمامۃ البشریٰ صفحہ ۵۴ پر یہ لکھا ہے :-

"پھر اس قوم پر سخت تعجب ہے کہ نزولِ مسیح سے یہی خیال کرتی ہے کہ وہ آسمان سے اُترے گا اور آسمان کا لفظ اپنی طرف سے ایزاد

کرتے ہیں اور کسی صحیح حدیث میں اس کا اثر و نشان نہیں۔"

حمامۃ البشریٰ کے اس ترجمہ سے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپؑ نے مطلق حدیث میں آسمان کا لفظ موجود ہونے کا انکار نہیں فرمایا۔ بلکہ کسی صحیح حدیث میں آسمان کا لفظ موجود ہونے سے انکار فرمایا ہے۔

حمامۃ البشریٰ کے اس نسخہ کا حصہ اول ضیاء الاسلام پریس قادیان سے شائع ہوا تھا۔

ازالہ اوہام میں بھی حضورؑ تحریر فرماتے ہیں :-

"صحیح حدیثوں میں تو آسمان کا لفظ بھی نہیں۔"

اور تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۴ و صفحہ ۲۵ پر لکھتے ہیں :-

"کسی صحیح حدیث میں نزول کیساتھ آسمان کا لفظ موجود نہیں۔"

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک کسی صحیح حدیث میں نزول کے ساتھ سماء کا لفظ نہیں۔ پس کسی بھی شخص کا کنز العمال کی حدیث :-

"یَنْزِلُ اَخِیْ عِیْسٰی مِنَ السَّمَآءِ عَلٰی جَبَلِ اَفِیْقٍ"

کو ہمارے سامنے صحیح حدیث کی صورت میں پیش کرنا درست نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حمامۃ البشریٰ کے ترجمہ اور تحفہ گولڑویہ اور ازالہ اوہام

ہیں کسی صحیح حدیث میں نزول کیساتھ آسمان کے لفظ کے موجود ہونے کے خیال کو ردّ کرتے ہیں۔ کنز العمال کی حدیث میں السّماء کا لفظ کسی راوی نے اپنی طرف سے اپنی سمجھ کے مطابق بطور تشریح کے زیادہ کر دیا ہے اسی لیے آپؑ نے حمامۃ البشریٰ میں یہ حدیث درج کرتے ہوئے السماء کا لفظ روایت سے حذف کر دیا ہے۔
اسی طرح امام بیہقی نے بھی نزول کیساتھ السماء کا لفظ اپنی حدیث میں خود بڑھا دیا ہوا ہے کیونکہ وہ اس حدیث کے متعلق صحیح بخاری کا حوالہ دیتے ہیں۔ مگر صحیح بخاری میں السماء کا لفظ ہرگز موجود نہیں۔

امام مہدی کے لیے رمضان میں کسوف وخسوف

اعتراض نمبر ۲۶:۔ مرزا صاحبؑ لکھتے ہیں :۔

"کسی دوسرے مدعی مہدیت کے وقت میں کسوف خسوف رمضان میں آسمان پر نہیں ہوا" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۸)

یہ بیان کر کے معترضین اسے الذکر الحکیم کے صفحہ ۶ کی رُو سے جس میں مدعیان مہدویت کی ایک طویل فہرست درج کر کے لکھا گیا ہے کہ اُن کے زمانے میں سُورج اور چاند کو گرہن ہوا۔ اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان

کو جھوٹ قرار دیتے ہیں۔
الجواب :۔ ڈاکٹر عبدالحکیم کے ایسے مہدیوں کی فہرست پیش کر دینے سے کیا بنتا ہے جبکہ انہوں نے اس فہرست کو کسی دلیل کیساتھ پیش نہیں کیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ان کی طرف سے کسی مدعی مہدویت کا دعویٰ اس کی اپنی کتاب سے دکھایا جاتا۔ پھر یہ دکھایا جاتا کہ اس کے دعویٰ کے بعد رمضان میں چاند اور سورج کو انہی تاریخوں میں گرہن لگا تھا اور اس مدعی نے اسے اپنے لیے بطور نشان پیش کیا تھا۔ حدیث دارقطنی کے الفاظ "انّ لمھدینا اٰیتین" میں لام افادہ کا ہے جس سے ظاہر ہے کہ مہدی ان دونوں نشانوں سے فائدہ اٹھائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام چشمۂ معرفت کے صفحہ ۳۱۴ و ۳۱۵ کے حاشیہ میں اس کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

میں اس بات سے بحث نہیں کہ ان تاریخوں میں کسوف وخسوف ابتدائے دنیا سے آج تک کتنی مرتبہ واقع ہوا ہے ہمارا مدعا صرف اسی قدر ہے کہ جب سے نسلِ انسانی دنیا میں آئی ہے نشان کے طور پر کسوف خسوف صرف میرے زمانہ میں میرے لیے واقع ہوا ہے اور مجھ سے پہلے یہ اتفاق کسی کو نصیب نہیں ہوا کہ ایک طرف تو اس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور دوسری طرف اسکے دعویٰ کے بعد رمضان

کے مہینے میں مقررہ تاریخوں میں کسوف خسوف بھی واقع ہو گیا اور اس نے اس کسوف خسوف کو اپنے لیے ایک نشان ٹھہرایا ہو۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

"پس جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ پہلے بھی کئی دفعہ کسوف خسوف ہو چکا ہے۔ اس کے ذمّہ بارِ ثبوت ہے کہ وہ ایسے مدعی مہدویت کا پتہ دے جس نے اس کسوف خسوف کو اپنے لیے نشان ٹھہرایا ہو اور یہ ثبوت یقینی اور قطعی چاہیئے اور یہ صرف اس صورت میں ہوگا کہ ایسے مدعی کی کوئی کتاب پیش کی جائے جس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور نیز یہ لکھا ہو کہ کسوف خسوف جو رمضان میں دارقطنی کی بیان کردہ تاریخوں کے مطابق ہوا ہے وہ میری سچائی کا نشان ہے۔"

مزعومہ تناقضات کی تردید

بعض لوگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں تناقضات دکھانے کی کوشش کی ہے اور پھر کہا ہے کہ تناقض جھوٹے کے کلام میں ہوتا ہے۔

اس امر کا اصولی جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں ہرگز کوئی حقیقی تناقض موجود نہیں۔ مخالفین کو جو اختلافات نظر آتے ہیں وہ ان کی غلط فہمی کا نتیجہ ہیں۔

مُریدوں کی تعداد کے بیان میں بظاہر اختلاف کی وجہ

اعتراض اوّل :۔ مرزا صاحبؑ نے پہلے اپنے مریدوں کی تعداد پانچ ہزار بیان کی لیکن جب ایک سال کے بعد ہی انکم ٹیکس کا سوال ہوا تو جھٹ لکھ دیا کہ میرے مریدوں کی تعداد دو صد ہے۔

الجواب : اس وقت چندہ دینے والوں کی تعداد دو صد ہی تھی اور انکم ٹیکس کا سوال چونکہ چندہ ہی سے متعلق تھا۔ لہٰذا جب کل تعداد بیان کی تو بیوی بچے شامل کر کے بیان کی تھی، لیکن انکم ٹیکس لگانے والوں کو تو اپنی کمائی سے چندہ دہندگان کی فہرست ہی مطلوب تھی۔ اسی لیے اس فہرست میں دو سو کی تعداد بتائی جو چندہ دہندگان تھے۔

دعویٰ نبوّت کے انکار و اقرار میں تطبیق

اعتراض دوم :۔ مرزا صاحبؑ نے کئی جگہ نبی ہونے سے انکار کیا ہے اور

دعویٰ نبوت کو کفر قرار دیا ہے، لیکن کئی جگہ اپنے آپ کو نبی کی صورت میں پیش کیا ہے۔

الجواب:- چونکہ نبی کی اقسام ہیں۔ تشریعی اور غیر تشریعی اس لیے پہلی قسم کا نبی ہونے سے آپؑ نے انکار کیا اور دوسری قسم کا نبی ہونے کا اس شرط کیسا تھ اقرار کیا ہے کہ آپؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی بھی ہیں چنانچہ آپؑ اپنے آخری خط میں جو اخبار عام مورخہ ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا لکھتے ہیں:-

"یہ الزام جو میرے پر لگایا جاتا ہے کہ میں اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں سمجھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں یہ الزام میرے پر صحیح نہیں بلکہ ایسا دعویٰ میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ ہمیشہ سے اپنی ہر ایک کتاب میں یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے"

اس کے بعد اپنی نبوت کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں:-

"جس بناء پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں، وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی

غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا ہے اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جب تک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو۔ دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا اور انہی امور کی کثرت کی وجہ سے اُس نے میرا نام نبی رکھا ہے سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دُنیا سے گزر جاؤں۔"

(خط مندرجہ اخبار عام ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء)

اور اشتہار "ایک غلطی کے ازالہ" میں فرماتے ہیں:-

"جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔ رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے

میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہیں معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کرکے پکارا ہے سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا۔"

اور پھر نزول المسیح حاشیہ صفحہ ۳ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس نکتہ کو یاد رکھو کہ میں رسول اور نبی نہیں ہوں یعنی باعتبار نئی شریعت اور نئے دعوے اور نئے نام کے۔ اور میں رسول اور نبی ہوں یعنی باعتبار ظلیت کاملہ کے میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے۔"

پس نبوت کے اقرار اور انکار میں وجوہ مختلف ہیں لہٰذا اس میں کوئی تناقض نہیں۔

قبر مسیح کے متعلق مسیح موعود کے بیانات

اعتراض سوم:۔ مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ کی قبر "ست بچن" صفحہ ۶۳ پر یروشلم میں بتائی ہے اور ازالہ اوہام میں لکھا ہے "مسیح اپنے وطن گلیل میں جاکر فوت ہوگیا" اور "ست بچن" صفحہ ۱۶۴ پر یہ بھی لکھا ہے کہ بلادِ شام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی قبر کی پرستش ہوتی ہے پھر اسی جگہ حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ "اب تک کشمیر میں مسیح کی قبر موجود ہے۔" (ست بچن صفحہ ۱۶۴)

الجواب:۔ بلادِ شام میں جس قبر کی پرستش ہوتی ہے انجیل کی رو سے وہ وہی قبر ہے جس میں واقعہ صلیب کے بعد حضرت مسیح کو بے ہوشی کی حالت میں رکھا گیا اور یروشلم والی قبر اور بلادِ شام والی قبر ایک ہی ہے کیونکہ یروشلم بلادِ شام میں واقع تھا۔ حدیث نبوی میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کا موجود ہونا مذکور ہے جس کی پرستش ہوتی ہے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں:۔

"ہاں بلادِ شام میں حضرت عیسیٰ کی قبر کی پرستش ہوتی ہے اور مقررہ تاریخوں پر ہزارہا عیسائی اس جگہ پر جمع ہوتے ہیں سو اس حدیث (یعنی لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اتَّخَذُوا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِھِمْ مَسَاجِد۔" (بخاری۔ ناقل) سے ثابت ہوا کہ درحقیقت وہ قبر حضرت عیسیٰ ہی کی قبر ہے جس میں مجروح ہونے کی حالت میں وہ رکھے گئے۔" (ست بچن صفحہ ۱۶۲)

پس یہ وہ قبر ہے جس میں حضرت مسیح مردہ ہونے کی حالت میں دفن نہیں کئے گئے تھے بلکہ مجروح ہونے کی حالت میں رکھے گئے اور چونکہ واقعہ صلیب یروشلم

میں پیش آیا تھا اس لیے "ست بچن" صـ۶۳ پر یروشلم کی جس قبر کا ذکر ہے وہ وہی ہے جس میں حضرت مسیح مجروح ہونے کی حالت میں رکھے گئے تھے۔

اور ست بچن صـ۶۴ کے حاشیہ میں جس قبرِ مسیح کا سرینگر میں بیان ہوا مذکور ہے وہ وُہ قبر ہے جس میں آپؑ طبعی وفات پانے کے بعد دفن ہوئے اور تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ واقعۂ صلیب کے بعد حضرت مسیحؑ نے کشمیر میں ہجرت فرمائی تھی اور اسّی سال سے زائد عمر وہاں بسر کی تھی اور پھر وفات پا کر خانیار کے محلہ میں دفن ہوئے تھے جہاں آج تک یُوز آصف نبی کے نام سے اُن کی قبر موجود ہے۔

گلیلؔ میں حضرت مسیح کے طبعی وفات پانے کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے انجیلی بیانات کے رُو سے کیا ہے۔ چنانچہ ازالہؔ اوہام میں تحریر فرماتے ہیں :-

"یہ تو سچ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہو گیا، لیکن یہ ہرگز سچ نہیں کہ وہ وہی جسم جو دفن ہو چکا تھا پھر زندہ ہو گیا بلکہ اسی باب کی تیسری آیت ظاہر کر رہی ہے کہ بعد فوت ہو جانے کے کشفی طور پر مسیح چالیس دن تک اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا۔ اس جگہ کوئی یہ نہ سمجھ لیوے کہ مسیح بوجہ مصلوب ہونے کے فوت ہوا کیونکہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے صلیب سے مسیح کی جان بچائی

تھی بلکہ تیسری آیت باب اول اعمال کی مسیح کی طبعی موت کی گواہی دے رہی ہے جو گلیل میں اس کو پیش آئی۔ موت کے بعد مسیح چالیس دن تک کشفی طور پر اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا۔" (ازالہ اوہام صـ۱۹۷)

اس سے ظاہر ہے کہ پادریوں کو انجیل کی رُو سے لاجواب کرنے کے لیے آپؑ نے کتاب اعمال کے باب اوّل آیت تین کی رُو سے مسیح کے گلیل میں طبعی وفات پانے کا ذکر کیا ہے۔ جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ عیسائیوں کا یہ خیال غلط ہے کہ مسیح خاکی جسم کے ساتھ مرنے کے بعد آسمان پر اُٹھائے گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعمال کے بیان کو سچ عیسائیوں کے لیے ان کی کتاب کے لحاظ سے قرار دیا تھا نہ اس لحاظ سے کہ حضورؑ خود بھی اس بیان کو سچا جانتے ہیں آپؑ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عیسائیوں کو اپنی مسلّمہ کتاب کا یہ بیان سچ مان لینا چاہیئے۔ اور دفن ہو کر زندہ ہونے کے خیال کو جھُوٹ جاننا چاہیئے۔

لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے اپنے وجدان کی رُو سے مسیح کا گلیلؔ میں طبعی وفات پانا ایک مشکوک امر تھا۔ اس لیے آپؑ نے اسی جگہ ازالہ اوہام میں فرما دیا :-

یاد رہے کہ یہ تاویلات اس حالت میں ہیں کہ ہم ان عبارتوں کو صحیح اور

غیر محرّف قبول کر لیں اس قبول کرنے میں بڑی دقّتیں ہیں۔"
(ازالہ اوہام صفحہ ۱۹۹)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجدان میں حضرت مسیح علیہ السلام کا گلیل میں فوت ہو کر دفن ہونا اور پھر چالیس دن تک کشفی طور پر ملتے رہنا ثابت نہیں بلکہ اس کے قبول کرنے میں آپؑ کے نزدیک بڑی دقّتیں ہیں۔

کشمیر میں حضرت مسیح کا جانا اور وفات پانا آپ کے نزدیک محقّق امر ہے۔ چنانچہ آپؑ اسی ست بچن میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"وہاں ہم نے کسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ مسیح کی بلاد شام میں (مراد گلیل۔ ناقل) قبر ہے مگر اب صحیح تحقیق ہمیں اس بات کے لکھنے پر مجبور کرتی ہے کہ واقعی قبر وہی ہے جو کشمیر میں ہے۔" (ست بچن صفحہ ۱۶۴ حاشیہ)

پھر راز حقیقت صفحہ ۲ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ...... اس راقم کی سچائی ظاہر کرنے کیلئے ...... یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ جو سری نگر میں محلہ خانیار میں یوز آسف کے نام سے قبر موجود ہے وہ درحقیقت بلا شک و شبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔"

حضرت مسیح کا حواریوں کو جسمانی زندگی کیساتھ ملنا "مسیح ہندوستان میں" کے صفحہ ۲۶ پر مذکور ہے۔ اس جگہ لکھا ہے:۔

"مسیح نے گلیل میں حواریوں سے ملاقات کی انہیں زخم دکھائے انہوں نے گمان کیا شاید وہ رُوح ہے تب اس نے کہا مجھے چھوؤ اور دیکھو کیونکہ رُوح میں جسم اور ہڈی نہیں جیسا کہ مجھ میں دیکھتے ہو ان سے بھنی ہوئی مچھلی کا ٹکڑا اور شہد کا ایک چھتہ لیا اور ان کے سامنے کھایا۔ دیکھو مرقس باب ۱۶ آیت ۱۴ اور لوقا باب ۲۴ آیت ۳۹ اور ۴۰ اور ۴۱ اور ۴۲ ان آیات سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ مسیح ہرگز آسمان پر نہیں گیا بلکہ قبر سے نکل کر گلیل کی طرف گیا اور معمولی جسم اور معمولی کپڑوں میں انسانوں کی طرح تھا اگر وہ مرکر زندہ ہوتا تو کیونکر ممکن تھا کہ جلالی جسم میں صلیب کے زخم باقی رہ جاتے۔"

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت مسیح علیہ السلام کا شاگردوں کو کشفی طور پر ملنا تسلیم نہیں کرتے بلکہ اپنی جسمانی زندگی میں ملنا ثابت کرتے ہیں چنانچہ اس بات پر کہ مسیح مرکر جی اٹھا اور یہ معجزہ سرزد ہوا حضورؑ تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"کیوں یسوع نے جس کا یہ فرض تھا کہ اپنے اس معجزہ کی یہودیوں میں اشاعت

کرنا اسکو مخفی رکھا اور دوسروں کو بھی اس کے ظاہر کرنے سے منع کیا اگر یہ کہو کہ اس کو پکڑے جانے کا خوف تھا تو میں کہتا ہوں جب ایک دفعہ خدائے تعالیٰ کی تقدیر اس پر وارد ہو چکی اور وہ مر کر پھر جلالی جسم کیساتھ زندہ ہو چکا تو اب اس کو یہودیوں کا کیا خوف تھا کیونکہ اب یہودی کسی طرح بھی اس پر قدرت نہیں پا سکتے تھے۔ اب تو وہ فانی زندگی سے ترقی پا چکا تھا افسوس ہے کہ ایک طرف تو اس کا جلالی جسم سے زندہ ہونا اور حواریوں کو ملنا اور گلیل کی طرف جانا اور پھر آسمان پر اٹھائے جانا بیان کیا ہے اور پھر بات بات میں اس جلالی جسم کیساتھ بھی یہودیوں کا خوف ہے اس ملک سے پوشیدہ طور پر بھاگتا ہے تاکہ کوئی یہودی دیکھ نہ لے اور جان بچانے کیلئے ستر میل کا سفر جلیل کی طرف کرتا ہے اور بار بار منع کرتا ہے کہ یہ واقع کسی کے ساتھ بیان نہ کرو۔ کیا یہ جلالی جسم کے لچھن اور علامتیں ہیں ؟ نہیں بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی جلالی اور نیا جسم نہ تھا وہی زخم آلودہ جسم تھا جو جان نکلنے سے بچا یا گیا اور چونکہ یہودیوں کا پھر بھی اندیشہ تھا اس لیے برعایت ظاہر اسباب مسیح نے اس ملک کو چھوڑ دیا اور اس کے مخالف جس قدر باتیں بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب بیہودہ اور خام خیال ہیں "

(مسیح ہندوستان میں صفحہ ۴۹-۴۸)

کشمیر کی تاریخ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ راجہ گوپانند کے عہد میں یوز آصف نبی بیت المقدس سے وادیٔ کشمیر میں مرفوع ہوئے اور وہاں انہوں نے باقی عمر گزار دی اور وفات پا کر سرینگر کے محلہ خانیار کے مقام "ازمرہ" میں دفن ہوئے۔

قرآن کریم بھی گواہ ہے کہ مسیح اور ان کی والدہ نے یروشلم سے ہجرت کی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ" (سورۃ مومنون)

کہ ہم نے ابن مریم اور ان کی ماں کو نشان بنایا اور ان کو اونچی جگہ پر پناہ دی جو آرام والی اور چشموں والی ہے۔

تحقیقات سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ کشمیر کا علاقہ تھا جہاں انہیں پناہ دی گئی۔

حدیث نبوی میں وارد ہے:-

"اوحی اللہ الی عیسٰی ان یا عیسٰی انتقل من مکان الی مکان لئلا تعرف فتؤذی" (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۴)

"یعنی خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اب ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاؤ تاکہ تم پہچان نہ لیے جاؤ اور پھر دکھ نہ دیئے جاؤ۔"

حیاتِ مسیح کا رسمی عقیدہ اور دعویٰ مسیح موعود

اعتراض چہارم :- براہین احمدیہ کے پہلے حصوں کے ص۴۹۸ پر مرزا صاحبؑ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی دوبارہ اصالتاً آمد تسلیم کی لیکن بعد میں ان کی وفات کے قائل ہو گئے اور خود مسیح موعود کا دعویٰ کر دیا جیسا کہ فتح اسلام اور ازالہ اوہام وغیرہ سے ظاہر ہے۔

الجواب :- ان دونوں قسم کی عبارتوں میں اس وجہ سے تناقض قرار نہیں دیا جا سکتا کہ پہلا عقیدہ آپؑ کا رسمی تھا اور دوسرا عقیدہ آپؑ نے وحی الٰہی کے ماتحت اختیار کیا جس میں آپؑ کو خبر دی گئی کہ :-

"مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو گیا ہے اور اُس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے۔ وکان وعد اللّٰہ مفعولاً۔" (ازالہ اوہام ص۵۶۱)

اس الہام نے آپؑ پر کھول دیا کہ آپؑ ہی اُمت محمدیہ کے مسیح موعود ہیں۔ ورنہ مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ تو آپ کا اُسی جگہ براہین احمدیہ میں موجود تھا دونوں عقیدوں میں تناقض تب قرار دیا جا سکتا اگر آپ کی عبارتوں میں ٹکراؤ ہوتا مگر پہلے عقیدے میں تبدیلی تو آپؑ نے الہام سے کی۔ حدیث نبوی میں وارد ہے۔

كَانَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ اَهْلِ الْكِتَابِ فِيْمَا لَمْ يُؤْمَرْ بِهٖ۔

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کے عقیدہ اور عمل سے موافقت پسند کرتے تھے ان امور میں جن میں وحی نہ ہوئی ہوتی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وحی ہو جانے پر آپؐ پہلے عقیدہ اور عمل کو بدل دیتے تھے ایسی تبدیلی پر تحویلِ قبلہ شاہد ناطق ہے اب اگر کوئی تحویلِ قبلہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقائد اور اعمال میں تناقض قرار دے تو وہ ظالم ہوگا۔ کیونکہ آپ کے پہلے عقیدہ اور عمل میں تبدیلی وحی سے ہوئی تھی اس لیے خدا کی وحی سے جو تبدیلی عقیدہ اور عمل میں پیدا ہو وہ تبدیلی حقیقی تناقض کے ذیل میں نہیں آتی جو قابلِ اعتراض ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود اس اعتراض کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"میں نے براہین میں جو کچھ مسیح کے دوبارہ دنیا میں آنے کا ذکر لکھا ہے وہ ذکر ایک مشہور عقیدہ کے لحاظ سے ہے جس کی طرف آج کل ہمارے مسلمان بھائیوں کے خیالات جھکے ہوئے ہیں سو اسی ظاہری اعتقاد کے لحاظ سے میں نے براہین میں لکھ دیا تھا کہ میں صرف مثیل موعود ہوں اور میری خلافت صرف روحانی خلافت ہے۔ لیکن جب مسیح آئیگا تو اس کی ظاہری اور جسمانی دونوں طور پر خلافت ہو گی یہ بیان جو براہین میں درج ہو چکا ہے صرف اس سرسری پیروی کی وجہ سے ہے جو ملہم کو قبل از انکشاف اصل

حقیقت اپنے نبی کے آثارِ مرویہ کے لحاظ سے لازم ہے کیونکہ جو لوگ خدا تعالیٰ سے الہام پاتے ہیں وہ بغیر بلائے نہیں بولتے اور بغیر سمجھائے نہیں سمجھتے اور بغیر فرمائے کوئی دعویٰ نہیں کرتے اور اپنی طرف سے کسی قسم کی دلیری نہیں کرسکتے۔" (ازالہ اوہام طبع اوّل صفحہ ۱۹۷ اور ۱۹۸)

دعویٰ مسیح موعود سے انکار اور اُس کا مفہوم

اعتراض پنجم:۔ مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے اور مسیح موعود ہونے سے انکار بھی کیا ہے۔ یہ دونوں باتیں ازالہ اوہام میں موجود ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"اس عاجز نے جو مثیل موعود کا دعویٰ کیا ہے جسکو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں جو میرے مُنہ سے سُنا گیا ہو۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۱۹۰)

اور صفحہ ۱۷۹ میں آپ لکھتے ہیں:۔

"واضح ہو کہ یہ بات نہایت واضح اور روشن ہے کہ جنہوں نے اس عاجز کا مسیح موعود ہونا مان لیا ہے وہ ہر ایک خطرہ سے محفوظ اور معصوم ہیں اور کئی طرح کے ثواب اور اجر اور قوتِ ایمانی کے وہ مستحق ٹھہر گئے ہیں۔"

پس تناقض ظاہر ہے۔

الجواب:۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے مسلمانوں کے خیالی "مسیح موعود" ہونے سے انکار کیا ہے نہ کہ احادیث کے مصداق مسیح موعود سے۔ مسلمانوں کا خیالی مسیح موعود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اصالتاً ہیں اور مسیح موعودؑ کا دعویٰ اس خیالی مسیح کے مثیلِ موعود ہونیکا ہے۔ پس مثیل موعود ہو کر آپ امتِ محمدیہ کے لیے مسیح موعود ہیں۔

دلیل اس بات کی کہ اس جگہ مسلمانوں کے خیالی مسیح موعود ہونے سے انکار کیا ہے یہ ہے کہ آپ چند سطریں آگے تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں جو شخص یہ الزام میرے پر لگا دے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے۔"

مسلمان حقیقی ابن مریم کا آنا خیال کرتے تھے اور اُسے مسیح موعود جانتے تھے اس لیے اس جگہ ان کے مزعوم اور خیالی مسیح موعود ہونے سے انکار کیا گیا ہے نہ کہ حدیثوں کے مصداق مسیح موعود سے۔ چنانچہ آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"میری زندگی کو مسیح ابن مریم کی زندگی سے اشد مشابہت ہے اور یہ بھی میری طرف سے کوئی نئی بات ظہور میں نہیں آئی کہ میں نے ان رسالوں میں اپنے تئیں وہ موعود ٹھہرایا ہے جس کے آنے کا قرآن شریف میں اجمالاً اور احادیث میں تصریحاً ذکر کیا گیا ہے کیونکہ میں تو پہلے بھی براہین احمدیہ

میں بتصریح لکھ چکا ہوں کہ میں وہی مثیل موعود ہوں جس کے آنے کی خبر روحانی طور پر قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں پہلے سے وارد ہو چکی ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۱۹۰)

چونکہ آپ کے نز[دیک حضر]ت عیسیٰ علیہ السلام کا مثیل موعود ہی امت محمدیہ کے لیے حقیقی مسیح موعود ہے اس لیے آپؑ نے ازالہ اوہام کے دوسرے مقامات میں اپنے تئیں مسیح موعود قرار دیا ہے مگر اپنی تصریح کے مطابق نہ کہ مخالفین کے خیال کے مطابق۔

نیز آپ کے مسیح موعود ہونے کے یہ معنی بھی نہیں کہ آپ میں حضرت عیسیٰؑ کی روح حلول کر آئی ہے جیسا کہ بعض کم فہموں نے آپ کے متعلق یہ خیال کر لیا کہ مرزا صاحبؑ بطور تناسخ عیسیٰ ابن مریم ہونے کے مدعی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام علماء کے ذکر میں فرماتے ہیں :-

"ان کی یہ خاص مراد کشفاً و الہاماً و عقلاً و فرقاناً مجھے پوری ہوتی نظر نہیں آتی کہ وہ لوگ سچ مچ کسی دن حضرت مسیح کو آسمان سے اترتے دیکھ لیں گے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۲ تختی خورد)

اور یہ بھی لکھا :-

"یہ خیال کہ تناسخ کے طور پر حضرت مسیح ابن مریم دنیا میں آئیں گے سب

سے زیادہ ردّی اور شرم کے لائق ہے۔" (ازالہ اوہام خورد صفحہ ۸۴)

پس آپؑ لوگوں کے خیالی مسیح موعود نہیں (یعنی حقیقی ابن مریم نہیں) اور نہ بطور تناسخ مسیح ابن مریم ہونے کے مدعی ہیں۔ بلکہ آپؑ مسیح موعود ہیں۔ بطور بروز۔ پس اعتراض میں پیش کردہ دونوں باتوں میں کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ مسیح موعود ہونے سے انکار کی وجہ مسیح موعود ہونے کے اقرار سے مختلف ہے اور جب اقرار و انکار کے اعتبارات و وجوہ مختلف ہوں تو موضوع بدل جانے کی وجہ سے تناقض اُٹھ جاتا ہے کیونکہ تناقض پایا جانے کے لیے موضوع ایک ہی ہونا بھی ضروری شرط ہے۔ لولا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ۔

فضیلت پر مسیحؑ کے عقیدہ میں تبدیلی کی وجہ

اعتراض ششم :- تریاق القلوب کے صفحہ ۱۵۷ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جزوی فضیلت کا عقیدہ درج ہے اور ریویو جلد اوّل نمبر ۶ میں اس کے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تمام شان میں بڑھکر ہونے کا ذکر ہے۔

الجواب :- پہلا عقیدہ اجتہادی تھا اور دوسرا عقیدہ الہامی اس لیے دونوں میں کوئی تناقض نہیں۔ جب تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نبوّت

میں اپنی نسبت نہیں سمجھتے تھے اس وقت تک ایسے الہامات سے جن میں حضرت مسیح کی فضیلت کا ذکر تھا اجتہاداً جزوی فضیلت مراد لیتے تھے، لیکن وحی الٰہی کی صراحت سے جب آپؑ پر یہ انکشاف ہوگیا کہ آپؑ نبی ہیں مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی اور اسی زمانہ میں یہ الہام بھی ہوا کہ:۔

"مسیح محمدی مسیح موسوی سے افضل ہے۔" (کشتی نوح)

تو آپؑ نے اپنے عقیدہ میں اس الہامی انکشاف سے تبدیلی فرمائی پس آپ کے کلام میں کوئی حقیقی تناقض موجود نہیں۔ اختلاف صرف آپ کے پہلے اجتہاد اور بعد کے الہام میں ہے اور اجتہاد کی الہام سے تبدیلی کوئی قابل اعتراض امر نہیں جبکہ وہ اجتہاد درست نہ ہو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"مَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی فَھُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِیْہِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِیْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُخْطِئُ وَاُصِیْبُ۔"

(نبراس شرح الشرح العقائد النسفی صـ ۳۹۲)

کہ جو بات میں تمہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے بتلاؤں وہ تو حق ہے اور جو اجتہاداً اپنی طرف سے کہوں تو میں انسان ہوں خطا بھی کرسکتا ہوں اور درست بات بھی کہتا ہوں۔
فضیلت کے مسئلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدہ میں بھی تبدیلی ہوئی تھی۔

ایک وقت آپ فرماتے تھے:۔

"لَا تُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی۔" (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۴۸ مصری "فی الخصومات")

یعنی مجھے موسیٰ پر فوقیت نہ دو۔

لیکن جب آپؐ کو خاتم النبیین قرار دیدیا گیا تو اس الہامی انکشاف پر جو تمام انبیاء پر آپؐ کی فضیلت کو ظاہر کرتا تھا آپ نے یہ اعلان فرما دیا:۔

"فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ۔" (صحیح مسلم باب الفضائل)

کہ مجھے چھ۶ باتوں میں تمام نبیوں پر فضیلت دی گئی ہے اور آخری بات یہ بتائی کہ خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ کہ میرے بعد تشریعی انبیاء کا آنا منقطع ہوگیا ہے اور غالباً اس آیت کے نزول کے بعد ہی آپؐ نے فرمایا کہ "انا سَیِّدُ وُلْدِ آدم ولا فخر" کہ میں تمام بنی نوع کا سردار ہوں اور یہ کوئی فخریہ بات نہیں (یعنی یہ اظہار حقیقت ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ

"انا سید النبیین من الاولین والآخرین۔" (دیلمی)

کہ میں سب پہلے اور پچھلے نبیوں کا سردار ہوں کیونکہ خاتم النبیین کا یہ بھی ایک مفہوم ہے اور نیز یہ فرمایا:۔

"اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ۔" کہ میں سب نبیوں کا لیڈر ہوں۔ اور پھر یہ بھی فرمادیا

"لَوْکَانَ موسیٰ حَیًّا لَمَا وسعه الا اتّباعی" کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کے بغیر انہیں چارہ نہ ہوتا۔ مرقاۃ مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۵۶۴۔

کجا یہ انکسار اور تواضع تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی اپنی فضیلت قرار نہیں دیتے تھے اور کجا یہ شان ہے کہ اب اپنے تئیں تمام نبیوں سے افضل اور ان کا سردار قرار دیتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتا تو باوجود نبوّت کے بھی میرا خادم ہوتا۔

اللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ محمدٍ واٰلِ محمدٍ۔

محدّث اور نبی

اعتراض ہفتم:۔ مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے نبوّت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا کے حکم سے کیا گیا۔

اشتہار ایک غلطی کا ازالہ میں لکھتے ہیں:۔

"چند روز ہوئے ایک صاحب پر ایک مخالف کی طرف سے یہ اعتراض پیش ہوا کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے وہ نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا جواب محض انکار کے الفاظ سے دیا گیا حالانکہ ایسا جواب صحیح نہیں۔" (ص۱)

پھر لکھتے ہیں:۔

"جس کے ہاتھ پر اخبار غیبیہ من جانب اللہ ظاہر ہونگے بالضرورت اس پر مطابق آیت لَا یُظْھِرُ علیٰ غیبه کے مفہوم نبی کا صادق آئے گا۔" (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۴ مطبوعہ نظارت اشاعت لٹریچر)

پھر آگے لکھتے ہیں:۔

"یاد رکھنا چاہیئے کہ ان معنوں (بروزی معنوں) کی رو سے مجھے نبوت اور رسالت سے انکار نہیں ہے اسی لحاظ سے صحیح مسلم میں بھی مسیح موعود کا نام نبی رکھا گیا تا اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر تبلاؤ کس نام سے اس کو پکارا جائے۔ اگر کہو اس کا نام محدّث رکھنا چاہیئے تو میں کہتا ہوں۔ تحدیث کے معنے کسی لغت کی کتاب میں اظہار غیب نہیں ہیں مگر نبوّت کے معنی اظہار امر غیب ہے۔" (ص۷ اشتہار ایک غلطی کا ازالہ)

دونوں عبارتوں میں تناقض ظاہر ہے ایک جگہ محدّث ہونے کا دعویٰ۔ دوسری جگہ محدث ہونے سے انکار —— اور نبی ہونے کا اعلان کیا ہے۔

الجواب:۔ بیشک اشتہار ایک غلطی کے ازالہ سے پہلے یعنی سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے معروف اصطلاح کی رُو سے نبوت کے دعویٰ سے انکار کیا ہے اور اپنی نبوّت کی تاویل محدّث کے لفظ سے کی ہے مگر محدثیت کو بھی اس وقت کوئی معمولی مرتبہ نہیں سمجھا بلکہ یہ لکھنے کے بعد کہ

"نبوّت کا دعویٰ نہیں محدّثیت کا دعویٰ ہے جو خدا کے حکم سے کیا گیا ہے"

آگے لکھا ہے :۔

"اس میں کیا شک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قویّہ نبوّت کا اپنے اندر رکھتی ہے"

(ازالہ اوہام صفحہ ۴۲۴ ایڈیشن خورد)

نیز ازالہ اوہام ایڈیشن خورد صفحہ ۵۶۹ پر علاماتِ مسیح موعود کے ضمن میں لکھتے ہیں :۔

"ازانجملہ ایک یہ ہے کہ مسیح موعود جو آنے والا ہے اس کی علامت یہ لکھی ہے کہ وہ نبی اللہ ہوگا یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی پانے والا لیکن اس جگہ نبوّت تامّہ کاملہ مراد نہیں کیونکہ نبوت تامہ کاملہ پر مہر لگ چکی ہے بلکہ وہ نبوت مُراد ہے جو محدثیت کے مفہوم تک محدود ہے جو مشکوٰۃِ نبوّتِ محمّدیہ سے نُور حاصل کرتی ہے سو یہ نعمت خاص طور پر اس عاجز کو دی گئی ہے"

پس محدّث کو ازالہ اوہام میں آپؑ نے مِنْ وَجْہٍ نبی قرار دیا ہے اور اس سے

نبوت تامہ کاملہ کی نفی قرار دی ہے جو تشریعی نبوّت ہوتی ہے۔ نبوّت جزئیہ کی نفی نہیں بلکہ نبوّتِ جزئیہ کا جاری رہنا حسب حدیث "لم یبق من النبوۃ الّا المبشرات" آپ نے اپنی کتاب توضیح مرام میں جو ازالہ اوہام سے بھی پہلے کی ہے بیان کیا ہے اور اس کی تشریح میں لکھا ہے :۔

"اَیْ لَمْ یَبْقَ مِنْ اَنْوَاعِ النُّبُوَّۃِ اِلَّا نَوْعٌ وَّاحِدٌ وَّھِیَ الْمُبَشِّرَاتُ۔"

(توضیح مرام صفحہ ۱۹)

یعنی نبوّت کی اقسام میں سے صرف ایک قسم باقی ہے وہ المبشرات ہیں۔ اسی نبوّت کو محدثیت قرار دیا ہے۔

اور توضیح مرام ہی میں محدث کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ مغز شریعت اُس پر کھولا جاتا ہے اور بعینہٖ انبیاء کی طرح مامور ہو کر آتا ہے اور اس کے آگے لکھا ہے کہ

"نبوت کے معنی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ امور متذکرہ بالا اس میں پائے جائیں"

(توضیح مرام صفحہ ۱۹ طبع روحانی خزائن ضمن ۶)

پس ۱۹۰۱ء سے پہلے محدثیت کے پیرایہ میں آپؑ کو نبوّت کا دعویٰ تھا لیکن نبوت تامّہ کاملہ سے انکار تھا جو وحی شریعت کی حامل ہوتی ہے چنانچہ توضیح مرام میں فرماتے ہیں:

اِنَّ النُّبُوَّۃَ التَّامَّۃَ الْکَامِلَۃَ بِوَحْیِ الشَّرِیْعَۃِ قَدِ انْقَطَعَتْ
وَلٰکِنَّ النُّبُوَّۃَ الَّتِیْ لَیْسَ فِیْھَا اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ فَھِیَ
بَاقِیَۃٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ لَا انْقِطَاعَ لَھَا اَبَدًا۔

(توضیح مرام صفحہ ۲۰ روحانی خزائن صفحہ ۶۱)

کہ نبوت تامہ جو وحی شریعت کی حامل ہوتی ہے منقطع ہوگئی ہے لیکن
وہ نبوت جس میں صرف المبشرات ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن تک باقی
ہے اس کا کبھی انقطاع نہیں ہوا۔

پس جس نبوت کا آپ نے انقطاع مانا ہے کبھی آپ نے اپنے آپ کو اس کا مصداق
قرار نہیں دیا۔ بیشک ۱۹۰۱ء تک آپ کو بہ پیرایۂ محدثیت نبوت غیر تشریعیہ پانے کا
دعویٰ رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے براہین احمدیہ کے زمانہ میں آپؑ پر یہ بھی الہام
کیا تھا۔

"اَنْتَ مُحَدَّثُ اللّٰہِ فِیْکَ مَادَّۃٌ فَارُوْقِیَّۃٌ"

اس سے آپؑ نے یہ اجتہاد کیا کہ آپؑ کی نبوت سے مراد خدا تعالیٰ کے نزدیک محدثیت
ہے اور یہی خدا کا حکم یعنی فیصلہ ہے اپنے لیے نبی اور رسول کی تاویل محدّث کی۔ پس اپنی
نبوت کو محدثیت تک محدود قرار دینا ایک اجتہادی امر تھا۔

لیکن ۱۹۰۱ء کے قریب آپؑ پر یہ انکشاف ہوگیا کہ آپ کو اب اس تاویل کی ضرورت
نہیں بلکہ آپؑ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے صریح طور پر نبی کا خطاب دیا گیا ہے جب یہ
حقیقت آپؑ پر منکشف ہوئی تو آپ نے اشتہار ایک غلطی کا ازالہ میں یہ اعلان فرما دیا
کہ آپؑ کو محض محدث قرار دینے سے آپؑ کی پوری شان کا اظہار نہیں ہوتا۔ کیونکہ
محدّث کے معنی اظہار امر غیب نہیں بلکہ نبی کے لفظ سے ہی آپ کی پوری شان کا اظہار
ہوتا ہے اس زمانہ میں آپؑ پر منکشف ہوگیا کہ آپؑ کو محدّث خدا تعالیٰ کی طرف سے
انہیں معنوں میں قرار دیا گیا تھا جن معنوں میں ہر نبی محدّث ہوتا ہے یعنی خدا کی ہمکلامی
کا شرف رکھنے والا۔ چنانچہ حمامۃ البشریٰ میں آپؑ نے صاف یہ لکھا تھا:۔

"اس بات کا کہنا جائز ہے کہ نبی علی وجہ الکمال محدّث ہے کیونکہ وہ
علی وجہ الاتم تمام کمالات کا جامع ہوتا ہے اسی طرح جائز ہے کہ ہم
کہیں محدّث استعداد باطنی کی وجہ سے نبی ہے کیونکہ محدّث بالقوہ نبی
ہے اور کمالات نبوّت سب محدثیت میں مخفی اور مضمر ہوتے ہیں۔

(حمامۃ البشریٰ صفحہ ۸۱)

پس اس تبدیلی عقیدہ کے بعد بھی اب آپ کو محدث علی وجہ الکمال کہنا جائز
ہے البتہ آپ کی نبوّت کو محدثیت تک محدود کہنا جائز نہیں پس یہ تبدیلی جو واقع ہوئی ہے

یہ بھی خدا تعالیٰ سے صریح طور پر نبی کا خطاب پانے کا انکشاف کے باعث ہے لہٰذا آپؑ کے کلام میں کوئی حقیقی اور معنوی تناقض موجود نہیں۔ صرف ایک تاویل کا لفظی اختلاف پایا جاتا ہے اسی لیے آپؑ نے اشتہار ایک غلطی کے ازالہ میں یہ بھی تحریر فرمایا:۔

"جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا ءسے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے۔" (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۵)

اس سے ظاہر ہے کہ دونوں زمانوں کی عبارتوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت و رسالت میں معنوی طور پر توافق اور تطابق ہے کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف صرف محدّث کی تاویل اختیار کرنے میں ہے اور وہ بھی وحی الٰہی کے باعث اس قسم کا تدریجی انکشاف کسی مامور من اللہ کے دعویٰ میں ہرگز قابل اعتراض نہیں ہوتا۔ چنانچہ

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ انبیاءؑ کا تدریجی طور پر مقام نبوّت پانا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"راہِ دیگر آنست کہ بتوسط حصول این کمالاتِ ولایت حصول بکمالاتِ نبوت میسّر گردد۔ راہ دوم شاہراہ است و اقرب است بوصول کہ بکمالات نبوت رسد الا ما شاء اللہ۔ این راہ رفتہ است از انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام و اصحاب ایشان بہ تبعیت و وراثت"

(مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اوّل مکتوب ۳۰۱ صفحہ ۴۳۲)

یعنی دوسری راہ کمالات نبوت پانے کی یہ ہے کہ کمالاتِ ولایت حاصل کرنے کے واسطہ سے کمالاتِ نبوت کا حاصل کرنا میسّر ہو یہ شاہراہ ہے اور کمالِ نبوت تک پہنچنے میں قریب ترین راہ ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ اسی راہ پر بہت سے انبیاء اور ان کے اصحاب ان کی پیروی اور وراثت سے چلے ہیں۔

پس جب پہلے ولایت کے مقام پر پہنچ کر ولایت یعنی محدثیت حاصل کرنے کے بعد کئی انبیاء (بقول مجدد الف ثانی) نبوت کے مقام پر پہنچے ہیں اور اسی طرح مقام نبوت انہوں نے تدریجاً حاصل کیا ہے تو اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اپنی نبوت کی

پوری شان ظاہر ہونے میں تدریج پائی گئی تو یہ کیونکر قابل اعتراض ٹھہر سکتی ہے۔ جب کہ مصلحت اور حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ فیضان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ثابت کیا جائے اسی لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا:-

"خدا تعالیٰ کی مصلحت اور حکمت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افاضۂ روحانیہ کا کمال ثابت کرنے کے لیے یہ مرتبہ بخشا ہے کہ آپ کے فیض کی برکت سے مجھے نبوت کے مقام تک پہنچایا اس لیے میں صرف نبی نہیں کہلا سکتا بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی۔ اور میری نبوّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظلّ ہے نہ کہ اصلی نبوت (یعنی تشریعی نبوت۔ ناقل) اسی وجہ سے حدیث اور میرے الہام میں جیسا کہ میرا نام نبی رکھا گیا ایسا ہی میرا نام اُمتی بھی رکھا ہے تا معلوم ہو کہ ہر ایک کمال مجھکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ کے ذریعہ سے ملا ہے۔"

(حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۱۵۰)

احمدیوں کے دونو فریق میں لفظی نزاع

احمدیوں کے لاہوری فریق سے ہمارا اتحاد نہایت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہم میں اور اُن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوّت کے بارہ میں صرف ایک لفظی نزاع ہے۔ دونوں فریق میں اس بارہ میں میرے نزدیک کوئی حقیقی نزاع نہیں۔ دونو آپ کو اپنے دعاوی میں صادق مانتے ہیں۔ نزاع کے لفظی ہونے کی وجہ درج ذیل ہے:-

۱- لاہوری فریق اس بات کا قائل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے آپ کے بعد کوئی تشریعی نبی نہیں آ سکتا۔ اس بارہ میں ہمارا اُن سے پورا اتفاق ہے۔

۲- لاہوری فریق یہ مانتا ہے کہ آیت خاتم النبیین کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی مستقل نبی نہیں آسکتا۔ ہم اس بات میں بھی ان سے پورے متفق ہیں۔

۳- لاہوری فریق کو اس بات کا اعتراف ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ان کے الہامات میں نبی اور رسول کہا گیا ہے اور ہم ان سے اس بات میں بھی متفق ہیں۔

۴۔ لاہوری فریق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نبی اور رسول ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آپ مامور من اللہ ہیں اور آپ پر بکثرت امور غیبیہ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اظہار ہوتا رہا ہے۔ ہم لاہوری فریق سے نبی کے ان معنی میں بھی پورے طور پر متفق ہیں۔

۵۔ لاہوری فریق یہ کہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی ہیں نہ کہ صرف نبی ہم اس بارہ میں بھی لاہوری فریق سے پورا اتفاق رکھتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت و رسالت اور اس کے معنی اور کیفیت کے متعلق دونوں فریق ایک ہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

جزوی اختلاف

ہم دونوں فریق میں صرف ایک جزوی اختلاف پایا جاتا ہے۔ جو یہ ہے کہ:۔

لاہوری فریق یہ کہتا ہے کہ آپؑ نبوت کا شعبۂ قویّہ اپنے اندر رکھتے ہیں اور حدیث صحیح مسلم کا لفظ "نبی اللہ" آپؑ پر صادق آتا ہے مگر آپؑ کی نبوت محدثیت تک محدود ہے اور ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپؑ علی وجہ الکمال محدّث ہیں جو نبی ہی ہوتا ہے لہٰذا آپؑ کا مقام نبوت محض محدث کے مقام سے بالا ہے۔ یہ محض لفظی نزاع ہے۔ کیونکہ ہم دونوں

فریق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی اور رسول بھی جانتے ہیں اور ہمیں اس نبی اور رسول کے معنی میں بھی اتفاق ہے اور ہم دونوں فریق آپؑ کو تشریعی اور مستقل نبی نہیں جانتے بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی جانتے ہیں مگر اشتہار ایک غلطی کے ازالہ کی روشنی میں ہم آپ کی نبوت کو محض محدثیت نہیں سمجھتے کیونکہ ایسا کہنے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے منع فرمایا ہے اور اپنا مقام یہ قرار دیا ہے:۔

"خود حدیثیں پڑھتے ہیں کہ اس اُمت میں اسرائیلی نبیوں کے مشابہ لوگ پیدا ہوں گے اور ایک ایسا ہوگا کہ ایک پہلو سے نبی ہوگا اور ایک پہلو سے اُمتی اور وہ مسیح موعود ہے۔

(حقیقۃ الوحی ص۱۰۱ حاشیہ)

نیز فرماتے ہیں:۔

اس اُمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزارہا اولیاء ہوئے اور ایک وہ بھی ہوا جو اُمتی بھی ہے اور نبی بھی"۔

(حقیقۃ الوحی ص۲۸ حاشیہ)

نیز حقیقۃ الوحی ص۳۹۱ پر لکھتے ہیں:۔

"غرض اس حصۂ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس اُمت میں

سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء
اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر
اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں
ہی مخصوص کیا گیا۔ دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔ کیونکہ
کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے وہ شرط ان میں
پائی نہیں جاتی اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی پیشگوئی صفائی سے پوری ہو جاتی کیونکہ اگر دوسرے صلحاء جو مجھ سے
پہلے گزر چکے ہیں وہ بھی اسی قدر مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ اور امور غیبیہ سے
حصہ پا لیتے تو وہ نبی کہلانے کے مستحق ہو جاتے تو اس صورت میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں ایک رخنہ واقع ہو جاتا
اس لیے خدا تعالیٰ کی مصلحت نے ان بزرگوں کو اس نعمت کو پورے
طور پر پانے سے روک دیا تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ
ایسا شخص ایک ہی ہو گا وہ پیشگوئی پوری ہو جائے۔"

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام کا مقام نبوت ایک
مخصوص مقام ہے جو کہ اب تک کسی محدث امت کو حاصل نہیں ہوا بلکہ صرف آپ

کو ہی ساری امت میں سے اس وقت تک یہ مقام حاصل ہوا ہے۔

پس ہمارے نزدیک یہ مقام نبوت محدثیت والی جزوی نبوت سے بالا ہے کیونکہ
آپؑ کے نزدیک اس وقت تک ایسا نبی جو ایک پہلو سے امتی بھی ہو صرف ایک ہی شخص گزرا
ہے جو مسیح موعود ہے اور دوسرے صلحاء میں نبی کا نام پانے کی شرط جو امور غیبیہ کو
بکثرت پانا ہے پورے طور پر پائی نہیں گئی لہٰذا اگر دوسرے صلحاء نبی کا نام پا لیتے تو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں رخنہ واقعہ ہو جاتا۔ پس ان حوالہ جات کی روشنی میں آپؑ
کو عام محدثین کی طرح محض محدث سمجھنا جائز نہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام
نے براہین احمدیہ میں فرمایا ہے:۔

"امت محمدیہ میں محدثیت کا منصب اس قدر بکثرت ثابت ہوتا
ہے جس سے انکار کرنا بڑے غافل اور بے خبر کا کام ہے۔ اس
امت میں آج تک ہزارہا اولیاء اللہ صاحب کمال گزرے ہیں
جن کی خوارق اور کرامات بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ثابت اور
متحقق ہو چکی ہیں۔"

(براہین احمدیہ صفحہ ۵۴۶)

پس اولیاء اللہ یا بالفاظ دیگر محدثین تو امت محمدیہ میں ہزارہا گزرے ہیں اور

ان میں سے امور غیبیہ بکثرت پانے کی وجہ سے صرف مسیح موعود علیہ السلام کو خدا اور رسول کی طرف سے نبی کا نام دیا گیا ہے۔

لہٰذا یہ امر اس بات کی روشن دلیل ہے کہ مسیح موعودؑ کا مقام نبوت محض محدّث سے بالا ہے یہ وہ بات ہے جس سے ہمارے لاہوری دوستوں کو انکار نہیں کرنا چاہیئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہمارے اور لاہوری فریق کے درمیان محض ایک لفظی نزاع ہے۔ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بوجہ نبوت علی وجہ الکمال محدث جانتے ہیں اور لاہوری فریق آپؑ کی نبوت کو محدثیّت تک محدود قرار دیتا ہے اگر ہمارے یہ دوست مندرجہ بالا عبارتوں سے صحیح استفادہ کریں تو بے شک وہ مسیح موعودؑ کو محدث کہیں مگر انہیں نبوت میں آپ کا مقام تمام محدثینؑ امت سے بالا سمجھنا چاہیئے۔ آخر علی وجہ الکمال محدّث تو ہر نبی ہوتا ہے۔ پس ہم میں اور ان میں یہ لفظی جھگڑا رہ گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی ہونے کی وجہ سے علی وجہ الکمال محدّث ہیں یا آپ کی نبوت محض محدثیت تک محدود ہے اس سے بالا نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو اپنے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان بھی جو ابھی آپ کو نہیں مانتے نبوت کے بارہ میں ایک لفظی نزاع ہی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آپ تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ کہنا کہ نبوت کا دعویٰ (یعنی صرف نبی ہونے کا۔ ناقل) کیا کس قدر جہالت کس قدر حماقت اور کس قدر حق سے خروج ہے۔ اے نادانو میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں صرف مراد میری نبوت سے کثرتِ مکالمت و مخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے (یعنی یہ فرما رہے ہیں کہ میرا دعویٰ ایسی نبوت کا ہے جس کے لیے امتی ہونا ضروری ہے۔ ناقل) سو مکالمہ مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی۔ یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ مخاطبہ رکھتے ہیں میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔ وَلِكُلٍّ اَنْ يَّصْطَلِحَ۔

پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان مسئلہ نبوت میں صرف ایک لفظی نزاع قرار دیتے ہیں نہ کہ حقیقی نزاع تو لاہوری فریق سے ہماری بدرجہ اولیٰ لفظی نزاع ہوئی کیونکہ وہ ہماری طرح اس بات کے قائل ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود خدا تعالیٰ کی طرف سے یعنی مامور من اللہ ہونے کے دعویٰ

میں سچے ہیں اور اُمّت کے لیے مہدی معہود و مسیح موعود ہیں اور خدا تعالیٰ نے آپ کا نام نبی اور رسول بھی رکھا ہے۔

تتمہ حقیقت الوحی کے حوالہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل نبی ہونے کا نہیں بلکہ اتّباعِ نبوی میں خدا کے حکم سے نبوت پانے کا دعویٰ ہے۔ پھر چشمۂ معرفت میں آپ فرماتے ہیں :-

"خدا کی یہ اصطلاح ہے جو کثرت مکالمات اور مخاطبات کا نام اس نے نبوت رکھا۔"

(چشمۂ معرفت ص ۳۲۵)

لہٰذا خدا کی اصطلاح میں آپؑ نبی ہیں مگر مسلمانوں کی معروف اصطلاح میں آپکا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں۔ اس اصطلاح کے متعلق آپؑ نے لکھا ہے :-

"اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبیٔ سابق کی اُمّت نہیں کہلاتے اور براہ راست بغیر استفادہ کسی نبی کے خدا سے تعلق رکھتے ہیں۔" (مکتوب ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء)

ان معنی میں نبی ہونے سے آپؑ کو شروع دعویٰ سے لیکر آخر تک ہمیشہ انکار رہا ہے اور اس جگہ اسلام کی اصطلاح سے مراد مسلمانوں کی عُرفی اصطلاح ہے نہ کہ خدا کی اصطلاح۔

خدا کی اصطلاح میں تو آپ اپنے تئیں نبی قرار دیتے ہیں اور در حقیقت اسلام کی کوئی اصطلاح خدا کی اصطلاح سے مختلف نہیں ہو سکتی۔

کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارے لاہوری فریق کے دوست دیر تک روٹھے رہنے کے بعد آپس میں مل جائیں آخر وہ چھ سال تک حضرت مولینا نور الدین رضی اللہ عنہ کو حضرت مسیح موعودؑ کے بعد واجب الاطاعت خلیفہ تسلیم کرتے رہے ہیں تو اب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ کے ماننے میں کوئی روک نہیں ہونی چاہیئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الوصیّت میں خلافت کو قدرتِ ثانی کا نام دیا ہے اور بطور مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر فرمایا۔ اور جماعت احمدیہ میں سنّتِ قدیمہ کے مطابق اس قدرت ثانی کیلئے یہ پیشگوئی کی کہ اس کے کئی مظاہر ہونگے اور اس کا سلسلہ قیامت تک چلے گا۔ پس ان بھائیوں کو بھی قدرتِ ثانی کے تمام مظاہر کو مان لینا چاہیئے تا سب اکٹھے ہو کر خدمتِ اسلام کریں۔ خدا کی قدرتِ ثانی کا ردّ کرنا ایک محرومی ہے انہیں اس محرومی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ انہیں اس کی توفیق دے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمین۔

اعتراض ہشتم :۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ تورات میں ہے کہ ایک مرتبہ چار سو نبیوں کو شیطانی الہام ہوا۔ یہ نبی بعل بت کے پجاری تھے نہ کہ ایماندار۔

(۱۔ سلاطین باب ۱۶)

الجواب :۔ حضرت مسیح موعود نے بعل بت کے پجاری نبیوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ تحریر فرمایا ہے :۔

"مجموعہ تورات میں سلاطین اوّل باب بائیس آیت انیس میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو نبی نے اس کی فتح کے بارے میں پیشگوئی کی وہ جھوٹے ہوئے اور بادشاہ کو شکست ہوئی۔"

(ازالہ اوہام طبع سوم ص ۲۵۷)

پھر اپنی کتاب ضرورۃ الامام میں انہی چار سو نبیوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :۔

"بائیبل میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چار سو نبی کو شیطانی الہام ہوا تھا اور ایک پیغمبر کو جبرائیل سے الہام ہوا تھا۔ سو یہ خوشخبری سچی نکلی اور ان چار سو نبیوں کی پیشگوئی جھوٹی نکلی۔" (ضرورۃ الامام ص ۱۸)

یہ سب کچھ سلاطین باب ۲۲ آیت ۱۹ میں لکھا ہوا موجود ہے۔ بائیبل کے محاورہ میں پیشگوئی کو نبوت کہتے ہیں اور انہیں پیشگوئی کرنے والے کے معنوں میں نبی کہہ دیا

گیا ہے۔ واضح ہو کہ باب ۱۶ والے بعل کے پجاری نبی ۴۰۰ نہ تھے بلکہ ۴۵۰ تھے۔ (ملاحظہ ہو ۱۔ سلاطین ۱۸/۲۲) پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کا ذکر نہیں فرمایا۔

تورات و انجیل میں طاعون کی پیشگوئی

اعتراض نہم :۔ مرزا صاحب نے کشتی نوح میں لکھا ہے کہ تورات و انجیل میں مسیح کی آمد کے وقت طاعون کی پیشگوئی کا ذکر ہے اس کا حوالہ دیا جائے۔

الجواب :۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے لئے انجیل متی ۲۴/۸ کا حوالہ دیا ہے۔ انجیل مطبوعہ ۱۸۵۷ء میں متی ۲۴/۸ میں مسیح کی ایک نشانی "مری پڑنا" بھی بیان کی گئی ہے لیکن افسوس بعد میں عیسائیوں نے اس عبارت کو اُردو انجیل متی سے نکال دیا مگر انگریزی ایڈیشن میں یہ عبارت موجود ہے۔ انجیل لوقا ۲۱/۱۱ پر بھی یہ پیشگوئی موجود ہے کہ جا بجا کال اور مری پڑے گی۔ توریت میں بھی ذکریاہ ۱۴/۱۲ میں طاعون کی پیشگوئی موجود ہے۔ انگریزی بائیبل میں تو لفظ پلیگ PLAGUE بھی موجود ہے لکھا ہے :۔

AND THIS SHALL BE THE PLAGUE

WHEREWITH THE LORD WILL SMITE THE PEOPLE.

یعنی پلیگ ہو گی جس سے خدا تعالیٰ کے گھر کے خلاف لڑائی کرنے والوں کو خدا ہلاک کر دے گا۔

اعتراض دہم :۔ قرآن و حدیث میں طاعون کی پیشگوئی کا کوئی ذکر نہیں مگر مرزا صاحب نے قرآن و حدیث میں بھی طاعون کی پیشگوئی موجود ہونے کا ذکر کیا ہے۔

الجواب :۔ قرآن مجید میں ہے کہ اذا وقع القول علیھم اخرجنا لھم دابۃ من الارض تکلمھم (نمل ع ۶) ۔ یعنی جب اتمام حجت ہو جائے گی تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک کیڑا نکالیں گے جو ان کو کاٹے گا۔ کلمۃ تکلیماً کے معنی لغت عربی میں جرّحہ بھی ہیں یعنی اس نے اسے زخمی کیا (المنجد)

قال ابو عبد اللّٰہ و قرء تکلمھم من الکلم و ھو الجرح والمراد بہ الوسم — امام باقر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں قرءۃ تکلمھم سے مراد ہے کہ وہ کیڑا ان کو کاٹے گا اور زخم پہنچائے گا (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۳۲)

حدیث میں ہے فیرغب نبی اللّٰہ عیسیٰ و اصحابہ فیرسل اللّٰہ علیھم النغف فی رقابھم فیصبحون فرسیٰ کموت نفسٍ واحدۃٍ

(مسلم جلد ۲ کتاب الفتن ذکر صفۃ الدجال صفحہ ۲۷۷ مصری)

یعنی خدا کا نبی مسیح موعود اور اس کے صحابی خدا کی طرف متوجہ ہونگے تو خدا تعالیٰ انکے مخالفوں کی گردنوں میں ایک پھوڑا ظاہر کریگا پس وہ صبح کو ایک آدمی کی موت کی طرح ہو جائیں گے۔

بحار الانوار میں ایک حدیث ہے قدام القائم موتان موتٌ احمر و موت ابیض۔ الموت الاحمر السیف والموت الابیض الطاعون (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۱۵۶) یعنی امام مہدی کی علامات میں ہے کہ اسکی عام قبولیت سے پہلے دو موتیں ہونگی سُرخ موت اور سفید موت۔ سُرخ موت تو تلوار ہے اور سفید موت طاعون ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :۔

"یہی طاعون ہے اور یہی وہ دابۃ الارض ہے جسکی نسبت قرآن شریف میں وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں ہم اسکو نکالیں گے اور وہ لوگوں کو اسلئے کاٹے گا کہ وہ ہمارے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ۔ اور جب مسیح موعود کے بھیجنے سے حجت ان پر پوری ہو جائیگی تو ہم زمین میں سے ایک جانور نکال کھڑا کرینگے وہ لوگوں کو کاٹے گا اور زخمی کریگا۔ اس لئے کہ لوگ خدا کے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے (سورۃ النمل الجزو نمبر ۲۰ نزول المسیح صفحہ ۳۸)

ایضاً صد ۴۳ پر ہے :-

"یہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا کہ وہ دابۃ الارض یعنی طاعون کا کیڑا زمین میں سے نکلے گا اس میں یہی بھید ہے تاکہ وہ اِس بات کی طرف اشارہ کرے کہ وہ اس وقت نکلے گا جب مسلمان اور ان کے علماء زمین کی طرف جھک کر خود دابۃ الارض بن جائیں گے ہم اپنی کتابوں میں یہ لکھ آئے ہیں کہ اس زمانہ کے مولوی اور سجادہ نشین جو متقی نہیں ہیں اور زمین کی طرف جھکے ہوئے ہیں یہ دابۃ الارض ہیں۔ اور اب ہم نے اِس رسالہ میں یہ لکھا ہے کہ یہ دابۃ الارض طاعون کا کیڑا ہے۔ اِن دونوں بیانوں میں کوئی شخص تناقض نہ سمجھے۔ قرآن شریف ذوالمعارف ہے اور کئی وجوہ سے اس کے معنی ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد نہیں" (نزول المسیح صد ۴۳)

پھر فرماتے ہیں :-

"یاد رہے کہ اہل سُنّت کی صحیح مسلم اور دوسری کتابوں اور شیعہ کی کتاب کمال الدین میں بتصریح لکھا ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑیگی بلکہ اکمال الدین جو شیعہ کی بہت معتبر کتاب ہے اسکے صد ۳۴۸ میں۔ لکھا ہے کہ یہ بھی اسکے ظہور کی نشانی ہے کہ قبل اسکے کہ امام معصوم قبول کیا جائے دنیا میں سخت طاعون پڑیگی"

تمت بالخیر